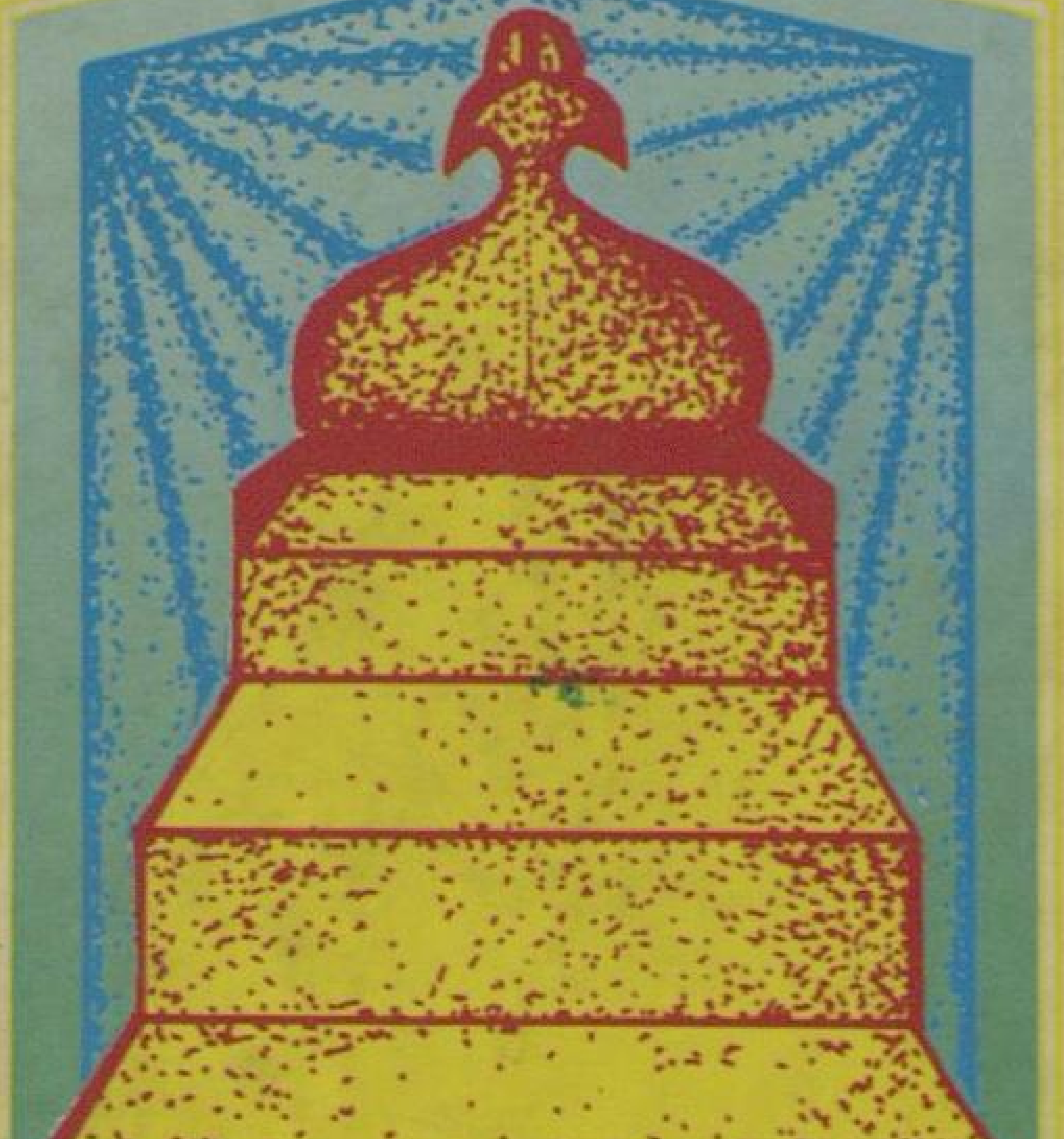
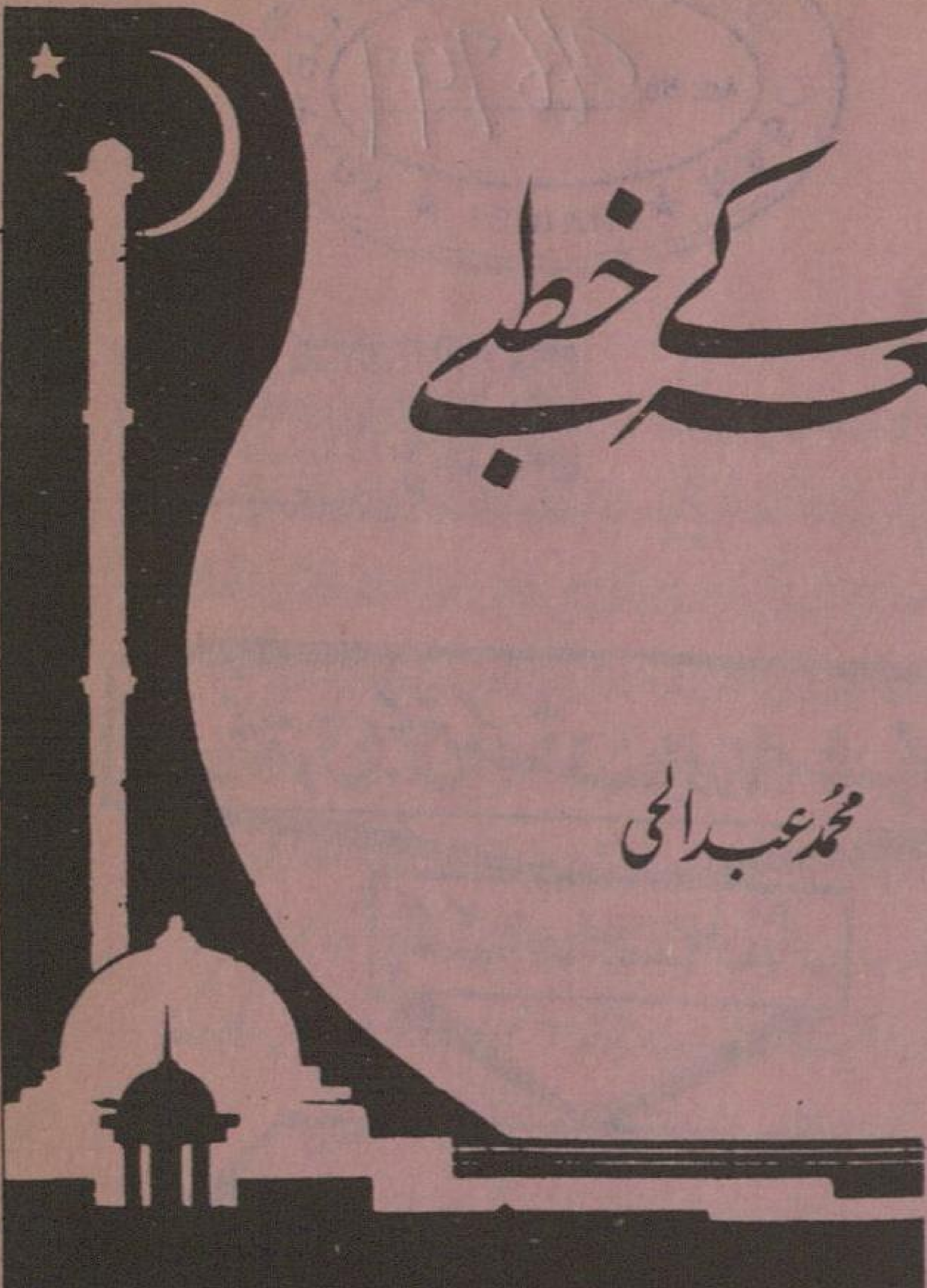
جمعہ کے خطبے



ابو سلیم محمد عبد الحیؒ

ناشر،
فضلی سنز لمیٹڈ
اردو بازار کراچی

آسان دینی لٹریچر میں ایک نہایت مُفید اضافہ



جمعہ کے خطبے

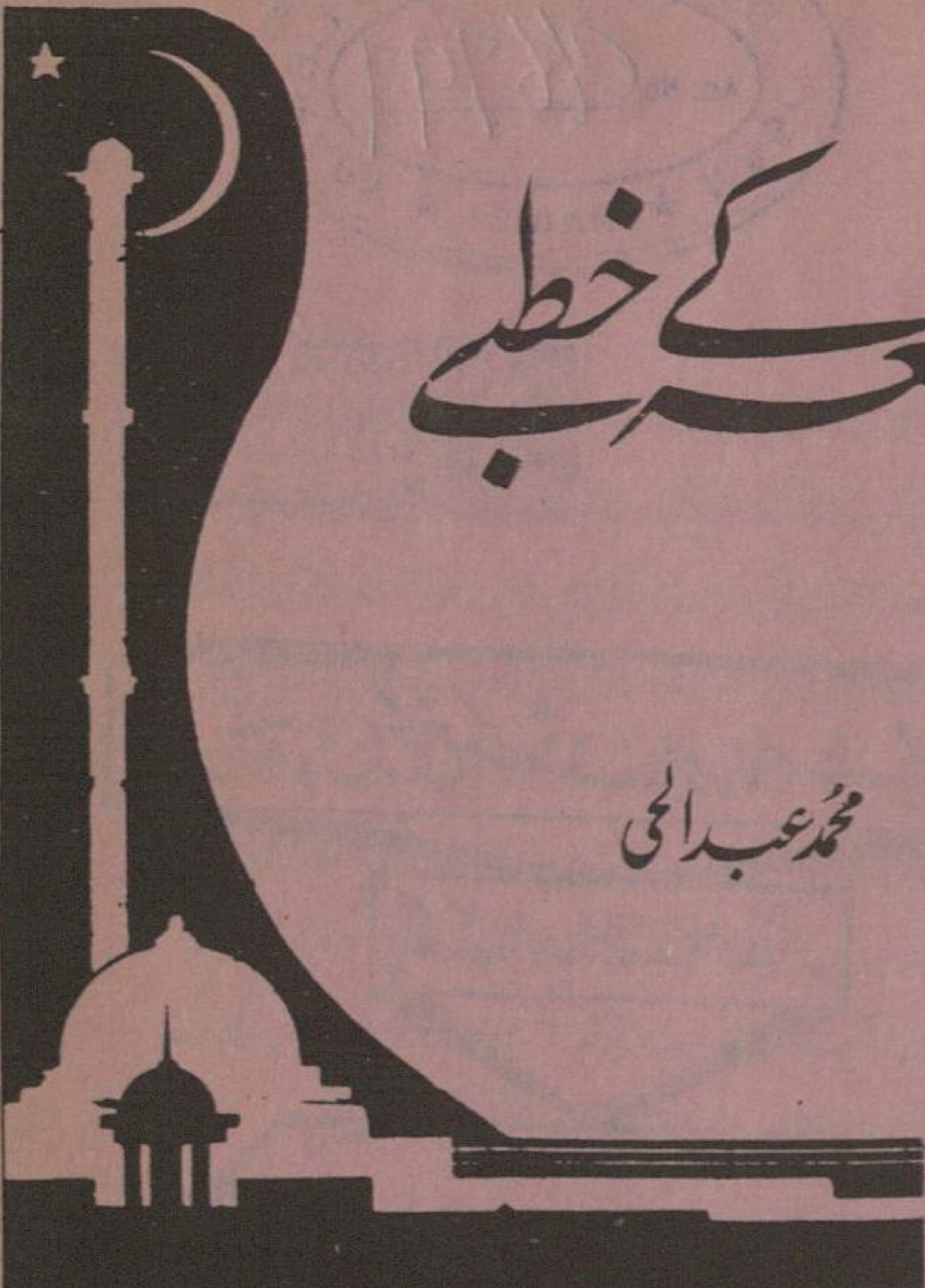
محمد عبدالحی

ناشر:

فضلی سنز لمیٹڈ

اردو بازار۔ کراچی

آسان دینی لٹریچر میں ایک نہایت مُفید اضافہ



جمعہ کے خطبے

محمد عبدالحی

ناشر:

فضلی سنز لمیٹڈ

اردو بازار۔ کراچی

پاکستان میں پہلی بار

تعداد ------- ایک ہزار

صفحات --------- ۳۳۶

قیمت ---------- ۱۵۰/-

عرضِ ناشر

جمعہ کے خطبے ـــــــــــ اسلامی زندگی کی جان ہیں جس کے ذریعہ ہر ہفتہ ایمان میں تازگی اور اسلام میں قوت پیدا کرنے کا انتظام کیا گیا ہے جس کی مثال مشکل سے ملے گی جہاں ہمارے معاشرہ میں دیگر کمزوریاں آئی ہیں وہاں اس نعمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑا، جمعہ کے خطبوں کی افادیت اور اس کی برکتوں سے محرومی کے ہم شکار ہیں ہمارے خطبے بے روح اور اُن کی حیثیت بس ایک رسم کی سی ہو کر رہ گئی ہے اس صورتِ حال کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ خطبہ سننے والے عربی زبان سے ناواقف ہیں اس احساس کے تحت عربی کے ساتھ اُردو میں بھی اِن خطبوں کی ترتیب دی گئی ہے جو کہ ۶۱ مختلف موضوعات پر لکھے گئے ہیں، اس کے علاوہ عیدین اور نکاح کے خطبے بھی شامل ہیں۔

زیرِ نظر کتاب کے مصنف مولانا ابوسلیم محمد عبدالحیٔ صاحب کا طرہ امتیاز رہا ہے کہ آپ نے اپنی کتابوں میں عام بول چال کی زبان کو اختیار کیا اور رواج دیا۔ آسان زبان میں دینی کتابیں اور مضامین لکھ کر عام پڑھے لکھے لوگوں کو دینی معلومات سے روشناس کرایا۔

اللہ تعالیٰ جمعہ کے خطبات سے اُمتِ مسلمہ کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

شعبہ نشر و اشاعت
فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

جمعہ کے خطبے

خُطبہ کی زبان

جمعہ کی نماز سے پہلے خطبہ ضروری ہے عام طور پر یہ خطبہ عربی میں پڑھا جاتا ہے بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ یہ خطبہ لازماً عربی میں ہونا چاہیے۔ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ دینا جائز نہیں ہے لیکن کچھ لوگ اس طرح سوچتے ہیں کہ جمعہ کا خطبہ دراصل اسلامی احکام کی تبلیغ، لوگوں میں جذبۂ ایمان کی تازگی اور وعظ و تذکیر کے لیے ہے۔ اور یہ مقاصد اسی وقت حاصل ہوسکتے ہیں۔ جب سُننے والے خطبہ کو سمجھیں۔ اس لیے ان کی رائے میں خطبہ اسی زبان میں ہونا چاہیے جسے لوگ سمجھتے ہوں

جو لوگ عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خُطبہ دینے کی مخالفت کرتے ہیں ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ خطبہ جمعہ کی نماز کا ایک جزو ہے اور اس طرح اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر آج خطبہ کسی دوسری زبان میں دیا جائے گا تو کل نماز کے بارے میں بھی مطالبہ ہوگا کہ یہ بھی مادری زبان میں ادا کی جائے تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ وہ نماز میں کیا پڑھ رہے ہیں یہ دلیل یقیناً وزن رکھتی ہے۔ اگر یہ بات طے ہو جائے کہ واقعی خطبہ جمعہ کی نماز کا ایک جزو ہے تو پھر خطبہ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ نماز بھی عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں پڑھی جاسکتی ہے۔ حالانکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز عربی زبان میں ہی پڑھنا چاہیے۔ اصل بات یہ ہے کہ خطبہ نماز کا جزو نہیں ہے۔ بلکہ جمعہ کی نماز کے لیے ایک ضروری شرط ہے۔ بلا شبہ خطبہ بھی نماز کی طرح ایک عبادت ہے لیکن دونوں کے مقصد الگ الگ ہیں نماز کا مقصد ایک حد تک بلا اس بات کے بھی حاصل ہوسکتا ہے کہ آدمی نماز میں جو کچھ پڑھتا ہے اسے سمجھے بھی لیکن خطبہ کا مقصد اسی وقت پورا ہوتا ہے جب لوگ اسے سمجھیں۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام کا اصل مقصد صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ انسان بس اپنی حد تک ایک نیک اور بھلا انسان بن جائے۔ اپنے اخلاق اور معاملات دُرست کرکے پاکیزہ اور

متقی ہو جائے۔ بلکہ اسلام لوگوں کو الگ الگ نیک اور اچھا انسان بنانے کے ساتھ ساتھ انھیں آپس میں ملا کر ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی بہترین جماعت بھی بنانا چاہتا ہے جو زمین پر اللہ تعالےٰ کی خلافت کے فرائض صحیح طور پر انجام دے سکے۔ اسی غرض کے لیے اسلام نے وہ تمام عبادات فرض کی ہیں جو ایک طرف لوگوں میں تقویٰ اور پاکیزگی کی رُوح پیدا کرتی ہیں تو دوسری طرف ان کو ایک صالح جماعت بننے میں مدد دیتی ہیں۔ ان عبادتوں میں سب سے اہم عبادت نماز ہے نماز نفس کو پاک کرتی ہے۔ انسان میں تقویٰ اور طہارت کی رُوح پھُونکتی ہے اور ایک بہترین انسان تیار کرنے کے لیے نماز سے بہتر کوئی دوسری صورت ممکن نہیں۔ نماز ہی کے ذریعے قرآنی ہدایات بار بار لوگوں کے سامنے آتی ہیں اسی سے قرآن کی حفاظت کا کام لیا گیا ہے اور یہی مسلمانوں کو ایک جماعت بناتی ہے۔ اب اگر کہیں نماز عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں پڑھی جانے لگے تو صرف اتنا ہی نہ ہو گا کہ لوگ ان الفاظ سے محروم ہو جائیں گے جو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے ہیں اور اس لحاظ سے ان کی ایک خاص اہمیت ہے بلکہ قرآن بھی مختلف زبانوں میں پڑھا جائے گا اور اس طرح قرآن کی حفاظت کا مقصد بالکل فوت ہو جائے گا۔ عام طور پر لوگ قرآن کے مختلف ترجموں کو قرآن سمجھنے لگیں گے اور اسی کو تلاوت اور عبادت کے لیے اختیار کر لیں گے۔ اس طرح اصل قرآن سے اُن کا تعلق ختم ہونے لگے گا۔ نہ اُسے یاد کرنے کا شوق رہے گا اور نہ اسے پڑھنے پڑھانے کی ضرورت باقی رہے گی اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہی ہو گا کہ لوگ ناقص اور ایک دوسرے سے مختلف ترجموں کو اصل قرآن کا مقام دے دیں گے اور الگ الگ قوموں اور الگ الگ زبان بولنے والوں کے نزدیک قرآن کا مطلب اور مفہوم بہت کچھ الگ ہو جائے گا۔ خدا نہ کرے مسلمانوں کے دین کا بھی وہی انجام ہو جو عیسائیوں اور یہودیوں کے دین کا ہوا —— پھر اتنا ہی نہیں آگے بڑھ کر اس کا انجام لازماً یہ ہو گا کہ ہر زبان بولنے والوں کی جماعتیں الگ الگ ہوں گی۔ ایرانی عرب کے پیچھے نماز نہ پڑھے گا۔ سندھی بنگالی سے بھاگے گا۔ پنجابی اور ہندوستانی الگ الگ نماز پڑھیں گے۔ چینی اور جرمنی ایک دوسرے کو غیر سمجھیں گے۔ غرض یہ کہ نماز کے ٹکڑے ہوتے ہی پوری اُمّت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ اِس لیے جہاں تک نماز کا تعلق ہے اس کے لیے ایک ایسی

ہی زبان کی ضرورت ہے جو تمام دنیا کے لیے ایک ہو، اور اس مقصد کے لیے عربی سے بہتر کوئی دوسری زبان ممکن نہیں کیونکہ اسی میں اصل نماز کی تعلیم دی گئی ہے اور اس میں قرآن موجود ہے۔ رہ گیا یہ سوال کہ لوگوں کو بے سمجھے نماز پڑھنے سے پُورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو یہ کوئی بڑا مشکل سوال نہیں ہے اوّل تو نماز کا بیشتر حصہ ایسا ہے جو بار بار وہی پڑھا جاتا ہے اس کا مفہوم اگر کوئی یاد کرنا چاہے تو بغیر عربی زبان سیکھے ہوئے بھی ایک دو دن میں اسے آسانی سے یاد کر سکتا ہے۔ عام طور پر نماز میں جو سورتیں پڑھی جاتی ہیں وہ بھی کچھ ایسی زیادہ نہیں مہینہ بیس روز کی محنت سے معمولی آدمی ان کا مطلب بھی ذہن نشین کر سکتا ہے، رہ گئیں قرآن کی لمبی لمبی سورتیں تو اگر زیادہ تر لوگ انہیں نہ بھی سمجھیں تو یہ کوئی ایسا بڑا نقصان نہیں ہے کہ جس کی خاطر ان تمام نقصانات کو برداشت کر لیا جائے جو عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں نماز پڑھنے سے ہوں گے۔

ان تمام باتوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا تو انتہائی غلط ہوگا کہ نماز بھی عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں پڑھی جا سکتی ہے۔ البتہ خطبہ کا معاملہ دوسرا ہے خطبہ اور نماز کے مقاصد میں بڑا فرق ہے نماز کا مقصد اس کے بغیر بھی پُورا ہو سکتا ہے کہ آدمی نماز میں جو کچھ پڑھتا ہے اُسے سمجھے لیکن خطبہ کا مقصد اس وقت تک پُورا نہیں ہوتا جب تک وہ سمجھ میں نہ آئے۔ نماز کے لیے جب انسان اُٹھتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ پر نماز فرض کی ہے اور میں اس فرض کی ادائیگی کے لیے اُٹھ رہا ہوں پھر جب وہ نماز کو اس کی تمام شرائط اور تمام ارکان کے ساتھ ادا کرتا ہے تو گو یا وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ مجھے اس بات کا شعور ہے کہ میری تمام باتیں اللہ کے علم میں ہیں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر وہ یہ جانتا ہے کہ میرا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا، جھکنا اور پیشانی زمین پر رکھ دینا سب کچھ اللہ کے لیے ہے۔ بس اسی کی عبادت کر رہا ہوں۔ اس کے علاوہ کوئی میرا معبود نہیں ہے۔ ان تمام باتوں سے وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے جس کے لیے نماز فرض کی گئی ہے اور اس کے لیے نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اس کا سمجھنا ضروری نہیں، رہ گیا افضلیت کا سوال۔ تو جیسا کہا جا چکا ہے نماز کا مفہوم سمجھ لینا بھی کوئی بڑا کام نہیں، تھوڑی سی توجہ سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔

اس کے برخلاف خطبہ کا معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ خطبہ صرف ایک عبادت اور ذکر اللہ ہی نہیں ہے۔ اگر خطبہ کا مقصد صرف اللہ کا ذکر ہوتا تو اس کے لیے تو نماز ہی کافی تھی بلکہ نماز تو ذکر کی

سب سے بہتر صورت ہے۔ سب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے بعد صحابہؓ نے جمعہ کی نماز کبھی بغیر خطبہ دیئے نہیں پڑھی۔ اسی لیے سب مسلمان خطبہ کو جمعہ کے لیے ایک لازم شرط جانتے ہیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے صحابہؓ نے جو خطبے دیئے اور جن میں سے بہت سے خطبے آج تک محفوظ ہیں اُن میں محض اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہی نہ ہوتی تھی بلکہ حمد وثنا کے ساتھ لوگوں میں ایمان اور خوفِ خدا پیدا کرنے کی کوشش، شریعت کے احکام، اچھے اخلاق اور اچھے اعمال کی ترغیب، بُری باتوں سے بچنے کی تاکید، قومی اور شخصی معاملات پر توجہ وغیرہ بہت سی باتیں ہوتی تھیں۔ یہ تمام مقاصد ایسے ہیں جو عربی زبان کے خطبے سے حاصل نہیں ہوسکتے۔ اب سے پہلے جب مسلمانوں کو اقتدار حاصل تھا اور ان کی وجہ سے عربی زبان کی تعلیم اور اس کے پڑھنے پڑھانے کا عام چرچا تھا تو اس وقت عرب کے علاوہ دوسرے مسلمان ملکوں کے بھی بہت سے لوگ عربی سمجھتے تھے اور ان کے سامنے عربی میں خطبہ دینے سے خطبے کے مقاصد بڑی حد تک حاصل ہو جاتے تھے لیکن اب صورت حال بالکل دوسری ہے۔ اِس صورت میں عربی زبان میں دیئے ہوئے خطبے سے حمد وثنا اور ذکرِ اللہ کے مقصد کے علاوہ خطبے کے دوسرے مقاصد حاصل نہیں ہوتے۔ خطبہ اگر صحیح طریقہ پر دیا جائے اور اس سے وہ فوائد حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جس کے لیے شریعت نے اسے لازم کیا ہے تو یہ ملّتِ اسلامی کی قوت کا ایک بہترین ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے اس کے ذریعہ لوگوں میں ایمان کی قوت پیدا کی جاسکتی ہے ان کے اندر خوفِ خدا اور خوفِ آخرت کے جذبہ کو بیدار کیا جاسکتا ہے۔ ان کی اجتماعی اور انفرادی خرابیوں کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ ان کے اخلاق اور معاملات کو سُدھارا جاسکتا ہے، ان کے اندر پھیلی ہوئی غلط رسموں کو دُور کیا جاسکتا ہے اُنہیں اپنی اور اپنے متعلقین کی دینی تربیت اور اصلاح کی طرف متوجہ کیا جاسکتا ہے۔ غرض یہ کہ ملّتِ اسلامی میں ہر ہفتہ ایک تازہ رُوح پھونکی جاسکتی ہے اور یہ سارے فوائد اسی صورت میں حاصل ہوسکتے ہیں جب خطبہ سُننے والے خطبے کی زبان سمجھتے ہوں۔ اس کے بغیر یہ فوائد کسی طرح حاصل نہیں کیے جاسکتے۔

ایک طرف تو ہمارے سامنے خطبے کے یہ مقاصد آتے ہیں۔ دوسری طرف کوئی ایسا کھلا ہوا حکم نہیں ملتا جس کے تحت اُمّت کو پابند کر دیا گیا ہو کہ خطبہ عربی زبان ہی میں دیا جائے اِس لیے ان لوگوں کی

رائے کو غلط نہیں کہا جا سکتا جو یہ کہتے ہیں کہ اگر خطبہ کسی ایسی زبان میں دیا جا سکتا ہے جسے نمازی سمجھتے ہوں ایسا کرنا نہ مکروہ ہے اور نہ ناجائز بلکہ خطبہ کے مقاصد کے اعتبار سے ایسا کرنا بہتر ہے۔

جو لوگ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ دینے کے مخالف ہیں وہ اس کا ایک ایسا نقصان بھی بتاتے ہیں جو قابلِ لحاظ ہے اور وہ یہ کہ جمعہ جو تمام اُمّت کو اکٹھا کرنے والا اور جوڑنے والا ہے وہ مختلف زبانوں کی بُنیاد پر الگ الگ ہو جائے گا اور ہر زبان بولنے والے اپنا اپنا جمعہ الگ الگ پڑھنے کی کوشش کریں گے یہ بات اسلام کے اجتماعی مزاج کے یقیناً خلاف ہے اور اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ عربی زبان میں ہی خطبہ دیا جائے لیکن یہ نقصان کوئی ایسا نقصان نہیں ہے جس کا علاج ممکن نہ ہو۔ اس دشواری کا ایک حل تو یہ ہے کہ ایسے مقامات پر جہاں مختلف زبانیں بولنے والے بکثرت لوگ جمع ہوں جیسے کہ حج کا موقع وہاں خُطبہ عربی ہی میں دیا جائے اور تمام مسلمان ایک ہی جماعت ہو کر جمعہ پڑھیں لیکن اگر کہیں کثرت تو کسی ایک غیر عربی زبان کے سمجھنے والوں کی ہی ہو، البتہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں جو اکثریت کی زبان نہ سمجھتے ہوں تو وہاں پہلے خطبے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے ایک حصہ تو لازماً عربی زبان میں ہو جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے آل و اصحاب پر درود و سلام اور قرآن کی آیتیں ہوں اور دوسرا حصہ کسی ایسی زبان میں ہو جسے اکثریت سمجھتی ہو۔ اس میں شریعت کے احکام، اخلاقی نصیحتیں، معاملات کو دُرست کرنے کے لیے ہدایتیں، ایمان کو پختہ کرنے والی اور عمل پر اُبھارنے والی باتیں اور دوسرے مسائل پر گفتگو ہو، رہ گیا دوسرا خُطبہ، تو وہ کُل کا کُل عربی زبان میں ہو۔ اس طرح خطبے سے جو فائدے حاصل ہونا چاہئیں وہ بھی حاصل ہو سکتے ہیں اور جو لوگ اکثریت کی زبان نہیں سمجھتے یا جو عربی کے خطبے کو ضروری سمجھتے ہیں اُن کے لیے بھی خطبہ کا عربی جزو کافی ہو سکتا ہے۔

جہاں تک ہمارے مُلک کا تعلق ہے یہاں اُردو زبان ایک ایسی زبان ہے جسے عام لوگ سمجھتے ہیں اور یہ زبان مُلک کے تقریباً ہر حصے میں سمجھی جاتی ہے اِس لیے یہاں یہ تو مُناسب ہوگا کہ ہر ہر مقام کی مقامی زبان پر ہی اصرار کیا جائے بلکہ جہاں بھی اُردو سمجھی جاتی ہو، وہاں اُسے اختیار کرنا چاہیے۔ البتہ اُصولاً اس میں بھی کوئی ہرج نہیں ہے۔ اگر ضرورت کا تقاضا ہو تو مقامی زبانوں کو خطبے کے لیے اختیار کیا جائے۔

اُردو زبان میں خطبہ کو عام کرنے کی صورت میں کچھ ضروری احتیاطوں پر عمل کرنا ضروری

ہو گا۔ اگر ان پر عمل نہ کیا جائے تو اس بات کا ڈر ہے کہ اُردو کے خطبے سے فائدے کے بدلے نقصان پہنچے گے

پہلی احتیاط تو یہ ہے کہ اپنی طرف سے اُردو میں خطبہ دینے کا کام ایسے اماموں کے سپرد نہ کیا جائے جو اس کام کے اہل نہ ہوں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج کل عام طور پر مسجد کا امام اس شخص کو بنایا جاتا ہے جو دُنیا میں اور کسی کام کا نہیں ہوتا اور وہ دس بیس روپے کے بدلے اس کام کو بطور پیشے کے کرتا ہے ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ امام اس شخص کو بنایا جاتا جو اپنے علم اور تقویٰ کے لحاظ سے سب سے بہتر ہوتا جس کا معاشرے میں کوئی مقام ہوتا، جس کی بات لوگوں کی نظر میں وزن رکھتی لیکن بہت سے مقامات پر یہ صورت حال نہیں ہے۔ اِن حالات میں پیشہ ور اماموں سے یہ اُمید کرنا فضول ہے کہ وہ ہماری دینی اور دُنیوی رہنمائی کا کام انجام دے سکیں گے۔ ایسی صورت میں یا تو اماموں کو کچھ ایسے لکھے ہوئے خطبے دینے چاہیئں جو پوری احتیاط کے ساتھ مُرتب کیے گئے ہوں یا پھر عربی کے خطبے کو کافی سمجھنا چاہیئے

دوسرا اندیشہ جس کے بارے میں احتیاط کی ضرورت ہے اور بھی زیادہ قابل لحاظ ہے۔ ظاہر ہے کہ عام فہم زبان میں خطبے کے لیے لوگوں کی نظریں عام طور پر علما ہی کی طرف جائیں گی۔ اُمت کی بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس طبقے میں کچھ اللہ کے بندوں کو چھوڑ کر باقی لوگوں کا حال کچھ ایسا ہے کہ اسے بیان کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے ان حضرات کو اگر مسجدوں میں مَن مانے خطبے دینے کا موقع دے دیا جائے تو آئے دن مسجدوں میں وہ سر پھٹول ہو گی کہ لوگ شاید نماز سے بھی بیزار ہو جائیں ان میں سے ہر عالم اپنا ایک خاص مسلک رکھتا ہے اور اس بارے میں وہ اتنا سخت ہے کہ اس کے نزدیک بس سارا دین سمٹ کر چند فروعی باتوں میں آگیا ہے جسے اس نے اختیار کیا ہوا ہے۔ اب چاہے شریعت میں ان باتوں سے اختلاف کرنے کی کتنی ہی گنجائش کیوں نہ موجود ہو لیکن یہ اللہ کا بندہ اِس سے اختلاف رکھنے والوں کو کسی قیمت پر بخشنے کے لیے تیار نہیں ہوتا بلکہ اس کے نزدیک ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی رعایت کرنا بڑا سخت گناہ ہے پھر عام طور پر ایسے لوگوں کی تربیت کچھ اس ڈھنگ پر ہوتی ہے کہ اُن کی نظریں اِن مسائل سے ہٹ کر اُمت کے عام مسائل تک جاتی ہی نہیں۔ ان کی ساری دل چسپیاں بس چند چھوٹی چھوٹی اختلافی باتوں میں جمع ہو جاتی ہیں۔ اِس لیے یہ لوگ جب بھی زبان کھولتے ہیں ان ہی مسائل کے بارے میں کھولتے ہیں اور لوگوں کی عام دینی اصلاح اخلاقی تربیت، معاملاتی سدھار وغیرہ وغیرہ

کی ان کی نظروں میں کوئی اہمیت ہی نہیں ہوتی۔ یہ تو بس یہ چاہتے ہیں کہ لوگ سو فیصدی ان کے خیالات سے متفق ہو جائیں۔ اس کے بعد انہیں اس کی فکر نہیں کہ ان کے معاملات کیسے ہیں۔ اخلاق کا کیا حال ہے۔ عام دینی اعمال کی طرف ان کی توجہ کیسی ہے۔ اب اگر اس گروہ کے غیر محتاط لوگوں پر یہ ذمہ داری ڈالی جائے کہ وہ خطبہ عام فہم زبان میں دیں تو اندیشہ یہی ہے کہ وہ ان ہی باتوں کو لے بیٹھیں گے جن کے بارے میں وہ مسجد کے باہر مسلمانوں میں جوتی بیزار کراتے رہتے ہیں۔

تیسرا اندیشہ جس کے بارے میں احتیاط ضروری ہے یہ ہے کہ لوگ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر اپنی اپنی سیاسی جتھہ بندیوں یا اپنی جماعتوں کا پروپیگنڈہ کرنے لگیں اور جو لوگ اللہ کے گھر میں آکر بل جاتے ہیں انہیں بھی الگ الگ کر دینے کے درپے ہو جائیں۔

اِن تمام خرابیوں کا علاج یہ ہے کہ سوائے ان لوگوں کے جن کے بارے میں پورا اطمینان ہو کہ وہ تمام باتوں کے بارے میں احتیاط سے کام لیں گے۔ ہر کسی کو اُردو میں خطبہ دینے کا موقع نہ دیا جائے۔ اور اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو پھر ایسے خُطبے لکھے جائیں جو جھگڑے والی تمام باتوں سے پاک ہوں اور جن کا مقصد مسلمانوں میں صحیح دینی رُوح پھُونکنے کے سوا اور کچھ نہ ہو، ان خطبوں میں عام اخلاقی خرابیوں کو دُور کرنے، مسلمانوں کے معاملات کو درست کرنے اور ان میں خوف خدا اور خوفِ آخرت پیدا کرنے، ایمان کو تازہ کرنے اور عمل پر اُبھارنے وغیرہ پر ہی زور دیا جائے، اس کے علاوہ نہ ان میں کسی مذہبی یا سیاسی مسلک کی تلقین ہو اور نہ کسی گروہ یا جماعت کا پروپیگنڈہ

اصلاً تو یہ کام اتنا اہم ہے کہ اُسے اہلِ علم کی جماعت ہی کو ہاتھ میں لینا چاہیئے۔ اور اپنی متفقہ کوششوں سے مختلف عنوانات پر ایسے خطبات کا ایک مجموعہ مُرتب کر دینا چاہیئے۔ جسے بلا کسی اندیشے کے پڑھا جاتا رہے لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ ایسا موقع کب فراہم ہو سکے۔ اِس لیے "الحسنات" کے ذریعے گاہے گاہے یہ کوشش کی جاتی رہی ہے کہ اس قسم کے کچھ مختصر خطبے شائع ہوتے رہیں۔ یہ خطبے جو اَب تک شائع ہوتے رہے ہیں یوں بھی تذکیر اور دینی ہدایات کے لیے بڑے مفید ثابت ہوئے ہیں۔ یہ خطبے جمعوں میں بھی پڑھے گئے ہیں اور یوں بھی لوگوں نے ان سے فائدہ اُٹھایا ہے اس لیے اب تک جو کچھ لکھا جا سکا ہے اسے ایک مجموعہ کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔

خلوصِ نیّت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَۃِ ۔ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا وَھُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ۔ اَحْمَدُہٗ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ ۔ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔ اَلْمَبْعُوْثُ اِلَی الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰۤی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ : فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَۃِ نَزِدْ لَہٗ فِیْ حَرْثِہٖ وَمَنْ کَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہٖ مِنْھَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنْ نَّصِیْبٍ ۔

بزرگو اور دوستو! اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے دو آدمیوں کے کام بالکل یکساں ہوتے ہیں لیکن آخرت میں ملنے والے نتیجہ کے اعتبار سے ان میں بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ دو آدمی آپ کی آنکھوں کے سامنے ایک ہی جیسا نیک کام کر رہے ہوں۔ مثلاً دونوں نے ایک ایک کنواں بنوایا ہو، لیکن ان میں سے ایک کو آخرت میں اس کا اچھا بدلہ ملے اور دوسرے کے ہاتھ کچھ بھی نہ آئے۔ آخرت میں انسان کو جو کچھ ملنا ہے اس کا مدار نیّت پر ہے۔ اگر نیّت ٹھیک ہے تو نیک اعمال کا ثواب ملے گا ورنہ نہیں جو کام خُدا کی خوشنودی کے لیے کیا جائے اور وہ ہو بھی اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق، تو اسی کا اجر آخرت میں ملے گا لیکن اگر کسی نیک کام کا محرک اللہ کی خوشنودی کے سوا کچھ اور ہو جائے تو پھر آخرت میں اس کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔ بات بالکل صاف ہے: ایک ایسا شخص جس نے ایک کنواں بنوایا ہی اس لیے ہے کہ اس کی نیک نامی ہو، اس کے بارے میں لوگوں کی رائے اچھی ہو جائے اور وہ یہ چاہتا ہو کہ اس نیک نامی اور اچھی رائے کے نتیجے میں وہ کوئی فائدہ حاصل کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ اُسے آخرت میں اس کے اس کام کا کوئی بدلہ ملے۔ انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اُسے وہی ملنا چاہیئے جس کے لیے اس نے کام کیا ہے۔

البتہ وہ شخص جس نے کنواں صرف اِس لیے بنوایا ہے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال کا شکر ادا کرنا چاہتا ہے اور اس بات کا خواہش مند ہے کہ اس کا مالک اس کے اس کام سے خوش ہو جائے اور اس سے لوگ ایک عرصہ تک فائدہ اٹھاتے رہیں تو یقیناً اسے اس کام کے لیے آخرت میں اجر ملنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰى۔ اعمال کا دارومدار صرف نیّت پر ہے اور یہ کہ آدمی کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی اور اس بات کی تشریح کرتے ہوئے اِسی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِامْرَاَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ۔ یعنی جس نے اللہ اور رسول کے لیے ہجرت کی ہوگی تو اس کی ہجرت واقعی ہجرت ہوگی اور اُسے ہجرت کا ثواب ملے گا۔ اور جس کی ہجرت دُنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت کا شمار دُنیا یا عورت ہی کے لیے ہوگا۔

بھائیو! آپ کو معلوم ہے اسلام کی نظر میں ہجرت ایک بہت بڑی عبادت اور ثواب کا کام ہے۔ لیکن اس کا ثواب بھی اسی صورت میں ملے گا جب یہ کام ثواب کے لیے اور خدا کی خوشنودی کے لیے کیا جائے اور اگر کہیں اس کام کے کرتے وقت بھی نیّت میں کوئی خرابی آجائے۔ مثلاً انسان کچھ اس قسم کی بات سوچ لے کہ اس طرح وطن چھوڑنے سے نئے دیس میں جا کر کاروبار اچھا چلے گا یا وہاں پہنچ کر فلاں عورت سے شادی ہو جائے گی یا اسی طرح کی کوئی اور بات۔ تو پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدا کی نگاہ میں اس ہجرت کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔ قرآن پاک میں اور احادیث میں اس مضمون کو اچھی طرح بیان کیا گیا ہے اور اس بات پر بے حد زور دیا گیا ہے کہ ہر نیک کام سے پہلے انسان اپنی نیّت کو دُرست کرلے۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ۔ یعنی اللہ تعالےٰ تمھاری شکل وصورت اور تمھارے مال کو نہ دیکھے گا بلکہ تمھارے دِلوں اور تمھارے اعمال کو دیکھے گا۔

بھائیو! یہ پہلو بڑا ہی نازک پہلو ہے اور ہمیں اس کی طرف بڑی توجہ دینا چاہیئے بھلا سوچیے تو سہی کہ آپ سب کچھ کریں لیکن خُدانخواستہ نیت دُرست نہ ہونے کی صورت میں سب کیا کرایا اکارت جائے تو یہ کیسی بڑی محرومی ہے۔ اس کاشت کار کی بدنصیبی کا اندازہ کیجئے جس نے پُوری محنت کے ساتھ زمین تیار کی، بہترین بیج بویا۔ اور کھیت کی خدمت اور حفاظت میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن جب کھیت پکنے کا وقت آیا تو معلوم ہوا کہ اس کے کھیت کو کوئی ایسی بیماری لگ گئی کہ جس کی وجہ سے دانہ ایک نہ پڑا، صرف بھوسہ ہی بھوسہ رہ گیا۔ بس کچھ ایسا ہی حال ان تمام کاموں کا ہے جو اگرچہ دیکھنے میں بھلے کام ہی معلوم ہوتے ہیں اور ان کے کرنے میں محنت اور مال بھی پُورا پورا صرف ہوتا ہے لیکن نیت دُرست نہ ہونے کی وجہ سے ان کا کوئی پھل آخرت میں نہیں ملے گا۔ بس دُنیا ہی میں جو کچھ مِلنا ہے مل جائے گا۔ اس شخص کی مثال ٹھیک اس کاشت کار کی سی ہے جسے فصل کاٹتے وقت بھوسے کے سوا اور کچھ نہ ہاتھ آیا ہو۔

بھائیو! یہ صورت حال ہمارے اور آپ کے لیے بڑی ہی قابل غور ہے ہم اور آپ سب اپنی حد تک اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ نیکی کے کام کریں۔ ان کاموں میں ہم وقت بھی صرف کرتے ہیں اور مال بھی۔ ہمارے لیے انتہائی ضروری ہے کہ ہم اپنی نیتوں کا جائزہ لیتے رہیں۔ خدا نہ کرے کہ ہمارے یہ کام نیت کی کسی خرابی کی وجہ سے ضایع ہو جائیں۔ ہمیں برابر یہ سوچتے رہنا چاہیئے کہ ہم بھلائی کا جو کام بھی کر رہے ہیں اس کے پیچھے خدا کی خوشنودی اور اس کے اجر و ثواب کے علاوہ کوئی اور محرک تو موجود نہیں ہے۔ شیطان جو انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے پہلی کوشش تو یہی کرتا ہے کہ وہ اسے نیکی کے بدلے بدی کی راہ پر لے جائے لیکن اگر اس میں وہ کامیاب نہیں ہوتا تو پھر وہ اس گھات میں لگا رہتا ہے کہ کسی طرح بندے کی نیکیوں کو ضایع کرادے۔ اس کے لیے سب سے کارگر صورت یہی ہے کہ وہ نیک کاموں کے لیے نئے نئے محرک پیدا کر دیتا ہے۔ نماز اس لیے پڑھواتا ہے کہ لوگ نماز پڑھنے والے کو دین دار اور نیک آدمی سمجھنے لگیں غریبوں کی امداد اور خلقِ خُدا کی خدمت کراتے وقت ذہن میں یہ خیال بٹھانے کی کوشش کرتا ہے کہ اس طرح لوگوں میں میری فیاضی کا چرچا ہو۔ لوگوں کے دلوں میں عزت پیدا ہو اور پھر اس نیک نامی اور عزت کی وجہ سے کوئی مقام حاصل ہو جائے۔ انتہا یہ کہ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے جو کوششیں کی جاتی

ہیں ان کا رُخ بھی وہ بڑی کامیابی کے ساتھ کچھ اس طرح پھیر دیتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اقتدار حاصل کر لینے کے علاوہ کوئی اور محرک باقی نہیں رہتا۔

بھائیو! یہ صورت حال بڑی ہی خطرناک ہے مومن کو یقیناً نیک کاموں کا حریص ہونا چاہیئے۔ لیکن اِس سے کہیں زیادہ فکر اسے نیت کی صحت کے بارے میں کرنا چاہیئے کہیں ایسا نہ ہو کہ نیت کے دُرست نہ ہونے کی وجہ سے سب کیا کرایا اکارت ہو جائے اور آخرت میں جہاں انسان اللہ کے اجر و ثواب کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا۔ اسے یہ محسوس ہو کہ وہاں اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے نام و نمود کی خواہش اور دکھاوے کا جذبہ بہت خاموشی کے ساتھ دلوں میں گھس آتا ہے انسان اپنی زبان سے انتہائی اچھی اچھی باتیں کہتا رہتا ہے لیکن نیک نامی کی خواہش اور بڑا بننے کی آرزو چپکے چپکے اپنا کام کرتی رہتی ہے! ور انسان کے سارے نیک کام بے نتیجہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

بھائیو! ہم سب کو خلوص دل سے دُعا کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اِس طرح کی محرومی سے محفوظ رکھے۔ اور اپنی حد تک پوری کوشش کرنا چاہیئے کہ ہمارے تمام نیک کاموں کے پیچھے اللہ کی خوشنودی کے سوا اور کوئی دوسرا محرک موجود نہ رہے۔

اَقُوْلُ قَوْلِی هٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِی وَلَکُمْ اَجْمَعِیْنَ وَاسْتَغْفِرُوْہُ اِنَّهٗ کَانَ غَفَّارًا۔ اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قُلُوْبَنَا مِنَ النِّفَاقِ وَاَعْمَالَنَا مِنَ الرِّیَاءِ وَاَلْسِنَتَنَا مِنَ الْکِذْبِ۔

توبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ یُبْدِئُ وَیُعِیْدُ وَیَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔ یَتُوْبُ عَلٰی مَنْ تَابَ۔ وَیَغْفِرُ لِمَنِ اسْتَغْفَرَ وَاَنَابَ یُجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَعْفُوْ عَنْ سَیِّئَاتِ مَنْ اٰمَنَ بِہٖ وَاتَّقَاہُ۔ اَحْمَدُہٗ حَمْدَ عَبْدٍ یَّرْجُوْ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُ عَذَابَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ لَامَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْہُ اِلَّا اِلَیْہِ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہُ الْاَمِیْنُ عَلٰی وَحْیِہٖ وَالشَّاھِدُ عَلٰی خَلْقِہٖ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ اَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًۢ ا بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

عزیزو! اور دوستو! ـــــ کون ایسا ہے جس سے کوئی خطا نہیں ہوتی۔ صبح سے شام تک بہت سے گناہ ہو جاتے ہیں۔ علماء کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان کے لیے ہر گناہ پر توبہ کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔ تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ جَمِیْعًا اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (سورہ نور) اے ایمان والو تم سب اللہ کی طرف پلٹو اور توبہ کرو اُمید ہے کہ اس طرح تم فلاح پاؤ گے۔ توبہ بندۂ مومن کی ضروری صفت ہے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی صفت بیان فرماتے ہوئے ایک جگہ اُنھیں "اَلتَّائِبُوْنَ ۝" فرمایا ہے۔ یعنی برابر توبہ کرنے والے۔ اِس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندہ سے خطا ہو جانا کوئی عجیب بات نہیں۔ انسان سے بھول چوک ہوتی ہے۔ اس پر غفلت طاری ہو جاتی ہے وہ نفس اور شیطان کے پھندوں میں پھنس کر صحیح راستے سے بھٹک بھی جاتا ہے لیکن مومن کی پہچان یہ ہے کہ جیسے ہی اُسے احساس ہوتا ہے کہ اس سے غلطی ہو گئی ہے تو پھر وہ اپنی غلطی پر جمتا نہیں اور نہ اپنی غلطیوں کے لیے عذر اور تاویلیں تلاش کرتا ہے بلکہ فوراً توبہ کرتا ہے۔

توبہ کا مطلب ہے لوٹنا۔ واپس آنا یا پلٹنا۔ اِس لفظ میں ہی توبہ کی حقیقت کی طرف اشارہ موجود ہے۔ توبہ کے لیے تین شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ انسان دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کرے۔ اور اس پر شرمندہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اس غلط کام سے باز آجائے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اِس بات کا پکّا ارادہ کرے کہ اب پھر وہ غلط کام ہرگز نہ کرے گا۔ جو لوگ اپنے غلط کاموں کے لیے بہانے اور عذر پیش کرتے ہیں انھیں کبھی توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اور نہ اس صورت میں توبہ کے کوئی معنیٰ ہیں کہ انسان غلط کام کرتا رہے اور ساتھ ہی توبہ بھی کرتا رہے۔ توبہ کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی غلط روش سے باز آجائے اور آئندہ کے لیے بھی سچّے دِل سے اقرار کرے کہ اب پھر کبھی وہ غلطی نہ کرے گا۔

یہ تو ان گناہوں کے بارے میں ہے جن کا تعلق صِرف خُدا سے ہے، رہے وہ گُناہ جن کا تعلق بندوں سے بھی ہے، مثلاً کسی کا حق مار لینا۔ کسی کی غیبت کرنا یا کسی پر جھوٹا الزام لگانا۔ تو ان گناہوں کی صفائی کے لیے ایک مزید شرط یہ بھی ہے کہ انسان اس شخص سے بھی اپنا معاملہ صاف کرے جس پر اس نے زیادتی کی ہے۔ اگر اس نے اس کا حق مارا ہے تو اس کا حق اُسے لَوٹا دے۔ اور اگر اس کی غیبت کی ہے یا اُس پر تہمت دھری ہے تو اس سے معافی چاہے۔

عزیزو اور دوستو! ہم پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وہ ہماری خطاؤں اور غفلتوں کو معاف فرماتا ہے ہمیں بار بار متوجہ فرماتا ہے کہ ہم اپنی غلطیوں سے باز آئیں اور اس کے دامن رحمت میں پناہ لیں۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کی تاکید اور تلقین فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے۔ اسے اپنی مخلوقات سے کوئی دشمنی نہیں کہ وہ انھیں سزا ہی دینے پر تُلا بیٹھا ہو اور وہ اپنے بندوں کو مار مار کر ہی خوش ہوتا ہو، وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ مہربانی کرنا اُس کی صفت ہے۔ بندہ چاہے کتنے ہی قصور کر چکا ہو لیکن جب بھی وہ اپنے قصوروں کا اعتراف کرے اور شرمندہ ہو کر اپنے رَب کی طرف پلٹے تو اس کے دامنِ رحمت میں بڑی وسعت ہے۔ وہ اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق سے بے حد محبت رکھتا ہے۔ اس کا عذاب تو اُنھی لوگوں کے لیے ہے جو اپنی سرکشیوں میں حد سے گزر جائیں اور کسی طرح فساد پھیلانے سے باز ہی نہ آئیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اِس مہربانی کا ذکر کرتے ہوئے ایک بار ایک بڑی

عمدہ مثال سے بات سمجھائی۔ فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا اونٹ ایک ایسے ریگستان میں کھو جائے جہاں نہ کہیں پانی ہو اور نہ کوئی آبادی اور اس کے کھانے پینے کا سامان بھی اسی اونٹ پر ہو اور جب وہ شخص اس اونٹ کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مایوس ہو جائے اور زندگی سے ناامید ہو کر کسی چٹان کے نیچے لیٹ جائے تو عین اس حالت میں یکایک وہ دیکھے کہ اُس کا اونٹ سامنے کھڑا ہے تو اس وقت جیسی کچھ خوشی اس شخص کو ہوگی اس سے بہت زیادہ خوشی اللہ تعالےٰ کو اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے پلٹ آنے سے ہوتی ہے، ایک اور مثال جو اس سے بھی زیادہ مؤثر ہے یہ ہے کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ جنگی قیدی پکڑے ہوئے آئے، ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا دودھ پیتا بچہ کہیں چھوٹ گیا تھا اِس صدمے سے اس مامتا کی ماری ماں کا بُرا حال تھا جس بچّے کو بھی پا لیتی چھاتی سے چمٹا کر دودھ پلانے لگتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ حال دیکھ کر صحابہؓ سے پوچھا کہ کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچّے کو خود اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہرگز نہیں۔ خود پھینکنا تو درکنار۔ بچہ اگر خود آگ میں گرتا ہو تو یہ اپنی حد تک اُسے بچانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھے گی۔ حضورؐ نے فرمایا اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا۔ اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لیے رکھتی ہے۔

بھائیو! ویسے بھی ذرا سوچیے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ ہی تو ہے جس نے بچوں کی پرورش کے لیے ماں باپ کے دل میں محبت پیدا کی ہے اگر اللہ تعالےٰ ان کے دلوں میں یہ محبت پیدا نہ کرتا تو ماں باپ کاہے کو تکلیفیں اُٹھاتے اور اپنے عیش و آرام کو تج کر بچوں کی خاطر مصیبتیں جھیلتے۔ اب ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ جس خدا نے ماں اور باپ کے دل میں محبت پیدا کی ہے خود اس کے اندر اپنی مخلوق کے لیے کیسی کچھ محبت موجود ہوگی۔ قرآن پاک میں آیا ہے اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ۔ "لوگو! اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ بلاشبہ میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔"

بھائیو! سوچنے کی بات ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالےٰ کو یہ بات اتنی عزیز ہے کہ بندہ اس

کی طرف پلٹے اور اس سے اپنی خطائیں معاف کرائے۔ دوسری طرف اس کا یہ ارشاد ہے۔
اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔
"لوگو! اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک مدت تک تم کو اچھا سامان زندگی دے گا"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ آخرت ہی میں نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی اپنے فضل وکرم سے نوازتا ہے اگر کوئی قوم اس دنیا میں اپنی غلط روش سے باز آجائے، اللہ تعالیٰ کے احکام اور ہدایات کے مطابق اپنی زندگی کا نقشہ بنائے تو چاہے وہ اپنے غلط کاموں کی وجہ سے کیسی ہی مصیبتوں کا شکار کیوں نہ ہو چکی ہو اور اس نے اپنے ہاتھوں اپنی بربادی کا کیسا ہی انتظام کیوں نہ کر لیا ہو لیکن اگر وہ اپنی غلطی کو محسوس کرے، نافرمانی چھوڑ کر اللہ کی بندگی کی طرف پلٹ آئے تو یہاں بھی اس کی قسمت بدل جاتی ہے۔ بربادی اور عذاب کے بجائے اس کے لیے انعام، ترقی اور سرفرازی کا فیصلہ لکھ دیا جاتا ہے

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو متوجہ کرنے کے لیے توبہ سب سے زیادہ کارگر صورت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ خدا کی قسم میں دن میں ستّر مرتبہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ "لوگو! اللہ سے توبہ کرو اور بخشش چاہو بے شک میں دن میں سَو مرتبہ توبہ کرتا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ مغفرت اس کی تمام صفات کی طرح بے حد وبے حساب ہے۔ انسان سے چاہے جتنی کوتاہیاں ہوئی ہوں اور چاہے اس کے گناہوں کا اندازہ لگانا بھی ہمارے لیے ناممکن ہو لیکن اگر توبہ کی شرائط پوری کرتے ہوئے ایسا گنہ گار بندہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرما دیتا ہے۔ اسی طرح چاہے جتنے گنہ گار انسان اِس طرف پلٹیں وہ سب کو معاف کر سکتا ہے اس کی مغفرت کا دامن نہایت وسیع ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ رات کو پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہ گار توبہ کرلے اور اپنا ہاتھ دن کو پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گنہ گار توبہ کرلے۔ یہاں تک کہ سورج اپنے ڈوبنے کی جگہ سے نکلے۔ توبہ کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا ہے اور ہر وقت کھلا ہے۔

ہر شخص کے لیے موقع ہے کہ وہ موت کی علامات نمایاں ہونے سے پہلے توبہ کرلے۔ اللہ تعالیٰ کے اس رحم وکرم کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک قیامت کی علامات میں سے یہ علامت سامنے نہ آجائے کہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہو۔

بھائیو! اور عزیزو! یہ بات تو بالکل یقینی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو مرنا ہے البتہ یہ کسی کو نہیں معلوم کہ اس کا وقت کب آئے گا۔ یہی حقیقت ہمیں اس بات کے لیے مجبور کرتی ہے کہ ہم توبہ سے کسی وقت غافل نہ رہیں۔ پورے احساس اور صحیح شعور کے ساتھ بار بار توبہ کرتے رہیں۔ صبح سے شام تک اپنے کاموں کا جائزہ لیں، سکون کے ساتھ کسی وقت بیٹھ کر سوچ لیا کریں کہ ہم سے کیا کیا کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں۔ اِن کوتاہیوں کے احساس پر ہمارے اندر ندامت اور شرمندگی کی کیفیت پیدا ہونی چاہیئے۔ ہمیں اپنے رب سے سچے دل سے توبہ کرنا چاہیئے اور ہر روز اس نئے فیصلے کے ساتھ زندگی میں قدم رکھنا چاہیئے کہ اب ہم اپنے طرزِ عمل پر نگاہ رکھیں گے جو قصور ہو چکے ہیں ان کی تلافی کریں گے اور آئندہ پھر ایسی غلطیوں کا شکار نہ ہوں گے۔

بھائیو! اپنے قصوروں کی تلافی کے لیے سچے دِل سے توبہ کرنا تو ضروری ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ عملی توبہ بھی ہونا چاہیئے۔ عملی توبہ کی ایک شکل تو یہ ہے کہ انسان سے جو قصور ہو گئے ہیں۔ اگر عملی طور پر اُن کی تلافی کی کوئی شکل ممکن ہو تو آدمی اس میں دریغ نہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی اہتمام کرے کہ وہ خُدا کی راہ میں کچھ مال خیرات کرے۔ اس طرح خیر کی طرف پلٹنے میں بڑی مدد ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے انسان کو اپنے حالات دُرست کرنے میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس طرح پانی آگ کو بجھا کر ختم کر دیتا ہے۔ اِسی طرح صدقہ خطاؤں کو ختم کر دیتا ہے۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔

صبر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔ وَالَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ثُمَّ ھُوَ یَعِدُکُمْ مَغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا اَحْمَدُہٗ سُبْحَانَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ۔ فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَہٗ کُلَّہٗ لَہٗ خَیْرٌ وَلَیْسَ ذٰلِکَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْہُ سَرَّآءُ شَکَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّـہٗ وَاِنْ اَصَابَتْہُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَکَانَ خَیْرًا لَّہٗ۔

عزیزو! اور دوستو! آپ نے بار بار سُنا ہوگا کہ مومن کے لیے صبر ایک نہایت پسندیدہ اور مطلوب صفت ہے۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے، اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ "صبر کرنے والوں کو ان کا بدلہ بلاحساب دیا جائے گا"۔ نیز ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ "اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دو۔ اور فرمایا۔ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ "اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔ ساتھ ہی صبر کرنے والوں کے درجات کی بلندی اور ان کے اجر کا ذکر بھی قرآن شریف میں بار بار آتا ہے۔ فرمایا: اِنِّیْ جَزَیْتُھُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّھُمْ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔ "آج میں نے ان کے صبر کرنے کا یہ بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہیں"۔ یا فرمایا۔ اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَۃَ بِمَا صَبَرُوْا۔ "ان لوگوں کو ان کے صبر کے بدلہ میں عالی شان محل دیئے جائیں گے"۔ اور فرمایا۔ وَجَزٰھُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّۃً۔ "اور اُس نے اُنھیں ان کے صبر کے بدلے میں جنت دی"۔ جنت میں فرشتے جب مومنین کے پاس آئیں گے تو کہیں گے۔ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ۔ "تم پر سلامتی ہے، تم نے دُنیا میں جس طرح صبر سے کام لیا اِس کی بدولت آج تم اس کے مستحق ہوئے ہو۔

پھر قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کو بار بار صبر اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا۔ فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ "صبر اختیار کرو۔ بہترین انجام متقیوں ہی کے لیئے ہے۔" فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ "آپ صبر اختیار کریں جس طرح باہمت رسُولوں نے صبر اختیار کیا۔" پھر ارشاد فرمایا۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ "صبر اختیار کرو۔ بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچّا ہے۔ یا فرمایا۔ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا۔" صبر اختیار کرو بہترین طریقے پر۔

یہ اور اس طرح کی بہت سی آیتیں صبر کے متعلق آئی ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صبر اختیار کرنا مُومن کے لیے ایک ضروری صفت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس صفت کو پیدا کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور اس صفت کے اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالےٰ بے حد پسند فرماتا ہے اور آخرت میں اس نے ان کے لیے بڑے بڑے اجر رکھے ہیں، تو بھائیو! یہ سوچنے کی بات ہے کہ آخر اس صبر کی حقیقت کیا ہے جس کے لیے اتنی تاکید کی گئی ہے اور جس کا اتنا اونچا بدلہ مل سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ کسی شخص کو کوئی ایسی چیز عطا نہیں کی گئی جو صبر سے زیادہ بہتر اور کارآمد ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ اگر ہمارے سامنے اس لفظ کا صحیح مفہوم ہو اور ہم یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اس سے کیا مراد ہے تو پھر بڑی آسانی سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ صبر کتنی بڑی نیکی ہے اور اس کا اتنا بڑا اجر کیوں رکھا گیا ہے۔

بھائیو! عربی زبان میں صبر کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اپنے جذبات اور خواہشات کو قابو میں رکھنا بھی صبر ہے۔ جلد بازی اور گھبراہٹ سے کام نہ لینا بھی صبر ہے۔ کسی خوف یا لالچ کے موقع پر اپنے مقام سے نہ ہٹنا بھی صبر ہے۔ ٹھنڈے دل سے جنچی تُلی قوت فیصلہ سے کام لینا اور جوش سے بچنا یہ بھی صبر ہے۔ کیسے ہی اندیشے اور مشکلیں ہمارے سامنے ہوں۔ اِس کے باوجود اگر ہمارے قدم نہ لڑکھڑائیں تو یہ بھی صبر ہے۔ غصّہ کے وقت اپنے کو قابو میں رکھنا بھی صبر ہے۔ اشتعال انگیزی کے موقعوں پر غلط کام نہ کر بیٹھنا بھی صبر ہے۔ مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹے۔ حالات بگڑتے نظر آئیں تو ایسی حالت میں بے چین نہ ہونا اور حواس کو پریشان نہ ہونے دینا بھی صبر ہے۔ کسی مقصد کے حاصل کرنے کے شوق میں جلد بازی سے بچنا بھی صبر ہے۔ دنیوی فائدے،

نفس کی لذتیں اور طرح طرح کی چیزیں جب دل کو لبھائیں تو ان کے مقابلے میں صحیح راستے پر قائم رہنا اور کوئی غلط قدم نہ اُٹھانا بھی صبر ہے۔ غرض یہ کہ قرآن پاک میں جس جس طرح پر اس لفظ کا استعمال کیا گیا ہے اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس لفظ میں بہت سے معنی سمیٹ دیئے گئے ہیں۔ اَب ذرا سوچیے کہ جب ایک بندۂ مُومن ان تمام موقعوں پر جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے اور کوئی غلط قدم نہیں اُٹھاتا تو یقیناً وہ ایک بڑا کام کرتا ہے اور اسے اس کا ایسا ہی بدلہ ملنا چاہیئے۔ مثال کے طور پر سوچیے کہ ایک شخص آپ کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ آپ کو بھی یہ قدرت حاصل ہے کہ آپ اسے تکلیف پہنچا سکتے ہیں لیکن اگر صرف اس خیال سے آپ نے اس کی زیادتی کو برداشت کر لیا کہ آپ کا مالک آپ سے خوش ہوگا اور آپ اُسے کچھ نہیں کہتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کا یہ صبر کرنا بیکار ہو جائے اور آپ کو اس کا کوئی بدلہ نہ ملے۔ آپ سُنتے ہیں کہ کسی شخص نے آپ کے خلاف الزام تراشیاں کیں آپ بھی اُس کے بہت سے عیب جانتے ہیں۔ آپ کا نفس تقاضا کرتا ہے کہ اس کی بُرائیاں بیان کر کے اُسے بھی لوگوں کی نظروں میں گرایا جائے لیکن آپ ایسا نہیں کرتے صرف اِس لیے کہ ایسا کرنے سے آپ کو روکا گیا ہے۔ اِس طرح نفس کی خواہش کو دبانے سے آپ کو ایک تکلیف بھی ہوتی ہے اور آپ اسے برداشت کر لیتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کو اِس تکلیف برداشت کرنے کا کوئی بدلہ نہ ملے۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ انسان کو ہر بُرائی کی طرف لے جانے والی نفس کی خواہش ہی ہوتی ہے۔ خواہش نفس کو روکنا صبر ہے۔ اس طرح گویا صبر بُرائیوں سے روکنے کے لیے سب سے بڑی قوت ہے۔ اگر انسان اس قوت سے کام نہ لے تو ہر آن اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ نیکیوں سے محروم ہو جائے اور بُرائیوں میں پھنس جائے۔

ایک شخص معاشی تنگی میں مبتلا ہے۔ حلال روزی کمانے کی جتنی کوشش کرتا ہے۔ ناکامی ہوتی ہے۔ ذرا بے احتیاطی سے کام لے تو ناجائز طریقوں سے آسانی کے ساتھ رزق حاصل ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ناخوشی کے خوف سے غلط طریقوں سے بچتا ہے۔ اور اس کے اجر کی اُمید میں سختیاں برداشت کر لیتا ہے تو یہ صبر ہے اور اس کا اجر اسے یقیناً ملنا

چاہیئے۔ دوسری طرف ایک شخص کو معاشی خوش حالی حاصل ہے۔ جائز طریقوں سے اللہ تعالےٰ نے اُسے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ دولت اپنے ساتھ سامان تعیش کی خواہش اور نام ونمود کی آرزو لے کر آتی ہے۔ قدم قدم پر نفس کی خواہشات دولت کے نئے نئے مصارف سامنے لاتی ہے اب اگر اس موقع پر بندۂ مومن اعتدال کی راہ پر قائم رہتا ہے کسی ایسی جگہ اپنا پیسہ صرف نہیں کرتا جو اللہ کی ناخوشی کا باعث ہو اور ہر غلط خواہش کے مقابلے میں اپنے نفس کو روکتا ہے تو یہی صبر ہے اور اس کے لیے وہ یقیناً اجر کا مستحق ہے۔

کاروبار کے شباب کا وقت ہے۔ بظاہر ذراسی بے توجہی سے نقصان کا اندیشہ ہے لیکن عین اسی وقت دین کے تقاضے بھی سامنے آتے ہیں۔ گاہکوں کو چھوڑ کر نماز باجماعت کے لیے دکان سے اُٹھنا پڑتا ہے۔ اب ایک طرف کاروبار کا دباؤ ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالےٰ کے احکام ہیں۔ اس موقع پر ظاہری مفاد کو ترک کر دینا صبر ہی ہے اور اس کے لیے یقیناً اجر ملنا چاہیئے۔

اِسی طرح زندگی میں بے شمار پہلو صبح سے شام تک ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جہاں ایک طرف خواہش نفس ہوتی ہے اور دوسری طرف دینی اور اخلاقی تقاضے۔ گھریلو زندگی کی بدمزگیاں، اولاد کی محبت، اولاد کی نافرمانیاں، دوستوں اور رشتہ داروں کی بیوفائیاں، ملازموں اور دوسرے اہلِ معاملہ کی بے عنوانیاں، غرض یہ کہ قدم قدم پر مومن کے صبر کا امتحان ہوتا ہے۔ نفس کہتا ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ بُرائی کی ہے تم بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو جو تمہارا ہمدرد نہیں تم بھی اس کے ساتھ ہمدردی نہ کرو، لیکن ایمان کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس موقع پر اونچے اخلاق کا ثبوت دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔ اَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ "جو مجھ سے کٹے میں اُس سے جُڑوں"۔ وَاُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ "جو مجھے محروم کرے میں اسے دوں"۔ وَاَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِیْ "اور جو مجھ پر زیادتی کرے میں اُسے معاف کروں"۔ اِن باتوں کے سامنے آتے ہی جذبات میں سکون پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ کے فیصلے بدل جاتے ہیں اور آپ جو کچھ کرنا چاہتے تھے وہ نہیں کرتے یہی صبر ہے۔ یہی بڑی ہمت کا کام ہے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ "جس کسی نے صبر کیا اور درگذر سے کام لیا تو یقیناً یہ بہت اونچے درجہ کا کام ہے"۔

حق اور صبر میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ آپ حق کو اختیار کریں یا حق پر قائم رہنا چاہیں دونوں صورتوں میں آپ کو صبر کی ضرورت ہے۔ حالات ناسازگار ہیں۔ کلمۂ حق منہ سے نکالنا اپنے لیے مصیبتوں کو دعوت دینا ہے۔ لیکن آپ حالات کی پروا کیے بغیر حق پر قائم ہیں، حق پر ہی قائم رہنا چاہتے ہیں۔ جو مشکلات بھی آئیں انھیں برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہی صبر ہے۔

بہت سے موقع ایسے آتے ہیں کہ حق بظاہر مغلوب دکھائی دیتا ہے حق کی حمایت میں زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں۔ حق کی مدد کرنے والے ہاتھ شل ہو جاتے ہیں۔ اِس موقع پر اگر آپ ہاتھ سے کام لیں تو اس کے لیے بھی صبر کی ضرورت ہے۔ زبان سے حق کی حمایت کریں تو یہ بھی صبر کے بغیر ممکن نہیں اور پھر اس راہ میں جو کچھ سہنا پڑے اس سب کو خوشی خوشی جھیل لیں تو اس کے لیے صبر ہی درکار ہے۔

آپ مُدتوں سے خیر کی دعوت دے رہے ہیں کہیں کوئی سُن کر نہیں دیتا۔ لوگوں میں بھلے اور بُرے کی تمیز ختم ہو گئی ہے۔ خُدا کی نافرمانی کا عام چلن ہے۔ مُنکر معروف بنتا جا رہا ہے۔ اور معروف کو کوئی جانتا ہی نہیں۔ نفس کہتا ہے کہ بھلا ایسے حالات میں کلمۂ حق کی سربلندی کا اِمکان ہی کیا ہے۔ ہمتیں پست ہونے لگتی ہیں لیکن اِس کے باوجود آپ اپنے مقام سے نہیں ہٹتے۔ دُنیا آپ کو دیوانہ سمجھتی ہے لیکن آپ اپنی دیوانگی پر شرمندہ نہیں ہیں۔ نہ حالات سے پریشان ہیں اور نہ مایوس۔ نہ کسی خوف کو آپ دھیان میں لاتے ہیں اور نہ کسی لالچ سے آپ کا رُخ موڑا جا سکتا ہے۔ یہی صبر ہے۔

غرض یہ کہ زندگی کا شاید ہی کوئی لمحہ ایسا ہو جو ہم سے صبر کا مطالبہ نہ کرتا ہو۔ ہر قدم پر صبر ہر حال میں صبر۔ یہی وجہ ہے کہ صبر کے لیے اتنا اجر ہے اور صابروں کا درجہ اتنا اونچا۔

بھائیو اور عزیزو! آج جن حالات میں ہم گھِرے ہوئے ہیں۔ وہ ہم سے صبر کا شدید مطالبہ کرتے ہیں ہمیں دُعا کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں وہ بصیرت عطا فرمائے کہ ہم ہر موقع پر صبر کے تقاضوں کو سمجھ سکیں اور یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم اِن تقاضوں کو پُورا کر سکیں۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

صبر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ - لِیُخْرِجَ بِهٖ مِنْ ظُلُمٰتِ الْجَهْلِ اِلٰی نُوْرِ الْعِلْمِ وَالْهُدٰی - اَحْمَدُهٗ سُبْحَانَهٗ وَاَشْكُرُهٗ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ - وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ - اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ - فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ - اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ - اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ - وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

بھائیو! دُنیا میں ایسا کون شخص ہے جسے کسی نہ کسی مصیبت، تکلیف اور کسی نہ کسی رنج سے دوچار ہونا نہ پڑا ہو۔ اِن مصیبتوں اور تکلیفوں کا تعلق کبھی اِنسان کی جان سے ہوتا ہے اور کبھی اس کے مال سے ۔ وہ بیمار پڑتا ہے، اس کے قریبی عزیز، دوست اور گھر والے بیمار ہوتے ہیں اور جس کا وقت آجاتا ہے وہ داغِ مفارقت دے کر ہمیشہ کے لیے رُخصت بھی ہو جاتا ہے اس کے کاروبار میں نقصان آتا ہے۔ کھیتیاں اُجڑ جاتی ہیں۔ آن کی آن میں لاکھوں کی دولت خاک میں مِل جاتی ہے۔ دیکھتے دیکھتے بڑے بڑے کھاتے پیتے، دولت اور حکومت کے مالک، دانے دانے کو محتاج ہو جاتے ہیں زندگی کے یہ اُتار چڑھاؤ اتنے عام ہیں کہ کوئی شخص ان سے بچا ہوا نہیں، ہر ایک کو ان سے واسطہ پڑتا ہے۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ۔

ایک طرف یہ صورت حال ہے۔ دوسری طرف ہمارا ایمان ہے کہ ہمارا مالک بے انتہا رحمت والا ہے، اس نے خود فرمایا ہے کہ رَبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ (تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے) مزید فرمایا۔ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (تمہارے رب نے اپنے اوپر

رحمت کو لازم کرلیا ہے۔) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے) پھر یہ مصیبتیں کیسی؟ اور یہ مصیبتیں اس کے باغیوں کے حصے میں آئیں تو ایک بات بھی ہے لیکن اس کا نام لینے والے اور اس کا کلمہ پڑھنے والے کیوں ان مصیبتوں کا شکار ہوں؟ یہ ایک سوال ہے جو لاعلمی کی وجہ سے ذہنوں میں اُبھر سکتا ہے۔ دراصل یہ سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان کی نظروں سے اس دُنیا کی زندگی کی اصل حیثیت اوجھل ہو جاتی ہے۔

دوستو! ہم سب کا ایمان ہے کہ دُنیا کی یہ زندگی آخری زندگی نہیں ہے بلکہ ایک ہمیشہ رہنے والی زندگی کی ایک منزل ہے۔ یہ ہمیشہ رہنے والی زندگی موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ موت سے پہلے ہر انسان کو جو مہلت ملی ہوئی ہے وہ تو حقیقت میں آگے آنے والی زندگی کے لیے کمائی کا زمانہ ہے۔ دُنیا کی اس زندگی میں اگر کسی کو نعمتیں ہی نعمتیں مل رہی ہیں تو ضروری نہیں کہ وہ اس کے کسی اچھے کام کا بدلہ یا اس کے حق میں انعام ہوں۔ اور اگر کوئی مصیبتوں اور دُکھوں میں مبتلا ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اس کے لیے کوئی عذاب یا اُس کے جُرموں کی سزا ہی ہے۔ یہاں تو جو حالت ہے وہ امتحان اور جانچ کے لیے ہے۔ کسی کو نعمتیں دے کر آزمایا جاتا ہے تو کسی کا امتحان سختیوں اور مصیبتوں میں لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنے بندوں پر کبھی کچھ مصیبتیں ڈالتا ہے یا اُنھیں اُس کے حکم سے کوئی جسمانی تکلیف یا مالی نقصان پہنچتا ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ اُنھیں ہلاک کرنا چاہتا ہے یا وہ انھیں عذاب دیتا ہے، بلکہ اس کی غرض کبھی تنبیہ ہوتی ہے اور کبھی امتحان۔ کبھی بندوں پر مصیبتیں اِس لیے نازل ہوتی ہیں کہ شاید اُن کی وجہ سے ان کے دل نرم ہو جائیں وہ اللہ کو یاد کریں، اُس کی طرف رجوع ہوں اپنی غلطیوں کو محسوس کریں۔ اور اپنی غلط روش سے باز آجائیں۔ اور کبھی یہ مصیبتیں اِس لیے آتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے صبر، اور ان کے توکل اور ان کے اعتماد کی جانچ فرماتا ہے۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ بندے میں برداشت کی طاقت کہاں تک ہے۔ اِس کے ایمان اور اللہ پر اس کے بھروسے اور اعتماد کی حالت کیا ہے ان مصیبتوں سے بندے کے ایمان میں ترقی ہوتی ہے، اللہ پر اس کا بھروسہ بڑھتا ہے۔ اور اس کے اندر ثابت قدمی کی قوت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر جب یہ مصیبتیں دین کی راہ پر چلنے میں پیش آتی ہیں اور جب ایمان اور اسلام کے تقاضے پورا کرنے کے نتیجے میں مومن کو تکالیف

برداشت کرنا پڑتی ہیں تو اس کا تعلق اللہ تعالےٰ سے اور زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے اللہ کی محبت اور اس کے ساتھ وابستگی میں ترقی ہوتی ہے۔ جس قدر بندہ اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے۔ اسی قدر اس کے اندر ایمانی کیفیت بڑھتی ہے جب وہ سمجھ لیتا ہے کہ جو کچھ ہے وہ میرے مولا کی طرف سے ہے اور میں جس حال میں رکھا گیا ہوں وہ میرے آقا ہی کا فیصلہ ہے تو پھر مصیبتیں آسان ہی نہیں ہو جاتی ہیں بلکہ ان میں ایک قسم کی لذّت پیدا ہونے لگتی ہے۔ یہ وہ منزل ہے جو اللہ کے مقرب بندوں کو حاصل ہوتی ہے۔

بھائیو! مصیبتوں میں صبر کرنا اور اللہ کی رضا پر راضی رہنا بڑی نعمت ہے۔ ایسی بڑی نعمت کہ اس سے زیادہ اور کسی نعمت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی بدولت بندے کی خطائیں معاف ہوتی ہیں۔ آخرت میں اس کے درجات بلند ہوتے ہیں اور ایک صبر کرنے والے مومن کے لیے مصیبتیں دراصل رحمت کا سبب بن جاتی ہیں۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر دنیا میں مصیبتیں نہ ہوتیں تو شاید ہم آخرت میں بالکل خالی ہاتھ ہوتے۔ مومن کے لیے تو راحت ہو یا مصیبت، دونوں میں خیر ہی خیر ہے۔ راحت ملنے پر وہ شکر ادا کرتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کی مزید رحمتوں کا مستحق بناتا ہے اور مصیبت پڑنے پر وہ صبر کرتا ہے اور اپنے مالک کے دربار سے اس صبر پر بڑا انعام پاتا ہے۔

بھائیو! مصیبتیں کس پر نہیں آتیں۔ کیا جو لوگ اللہ کے دین سے بے بہرہ اور اللہ کے باغی ہیں انھیں جسمانی اور مالی تکالیف نہیں پہنچتیں؟ کیا وہ بیماریاں نہیں جھیلتے؟ مالی نقصانات نہیں برداشت کرتے؟ اور حد یہ کہ کیا وہ اپنی غلط روش پر چلنے کی خاطر طرح طرح کی سختیاں اور مصیبتیں نہیں اُٹھاتے۔ پھر بھلا جس کے سامنے اس زندگی سے آگے کوئی اور زندگی ہی نہ ہو۔ جس کی نظریں موت کے اُس پار تک جاتی ہی نہ ہوں وہ اگر گھبرا جائے اور وہ اگر فوری ملنے والے فائدوں کی خاطر کچھ غلط کام کر بیٹھے تو یقیناً اُس سے کچھ بعید نہیں۔ لیکن جو شخص اِس دُنیا کی زندگی کو ایک اور ہمیشہ رہنے والی زندگی کا ایک دیباچہ سمجھتا ہو جس کی نظر میں زندگی کی یہ مہلت محض کمائی کا زمانہ ہو اور جو یہاں کھیتی اسی لیے بو رہا ہو کہ اُسے آخرت میں یہ کھیتی کاٹنا ہے اُس کی نظر میں بھلا یہاں کے عیش و آرام اور یہاں کی مصیبتوں کا مقام ہی کیا ہو سکتا ہے۔ وہ تو ہر وقت

یہی سمجھتا ہے کہ ہم سب اللہ کے ہیں جو کچھ ہم کو پیش آرہا ہے وہ اللہ کی مرضی اور اُس کے حکم سے پیش آرہا ہے اور آخر کار ایک نہ ایک دن ہمیں اپنے اُسی مالک کے حضور حاضر ہونا ہے"۔ وہ ہماری تمام باتوں کو جانتا ہے۔ وہ ہر سختی اور ہر مصیبت کے وقت یہی کہتے ہیں کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ (ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں لوٹ کر اُسی کی طرف جانا ہے) ایسے لوگوں کے لیے بڑی خوش خبری ہے۔ اور یقیناً وہ آخرت میں بڑے درجات پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اُن کے شامل حال ہوگی۔ اور ایسے ہی لوگ حقیقت میں صحیح راستے پر ہیں۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ وَاسْتَغْفِرُوْهُ۔ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمِ۔

شکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ۔ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ اَحْمَدُہٗ سُبْحٰنَہٗ وَاَشْکُرُہٗ۔ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ لِھِدَایَۃِ الْخَلْقِ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

عزیزو! اور دوستو! شکر ساری عبادتوں کی رُوح ہے۔ شکر کے اصل معنیٰ یہ ہیں کہ آپ دل سے کسی کے احسان کو مانیں۔ اس کے کرم کو یاد کریں۔ اس کے احسان مند ہو کر دل میں اس کی محبت کو جگہ دیں۔ زبان سے اس کے لُطف و کرم کا تذکرہ کریں اور عمل سے یہ ثبوت دیں کہ آپ کوئی کام یا بات اپنے احسان کرنے والے کی مرضی کے خلاف ہرگز نہ کریں گے۔

اِنسان پر سب سے بڑا کرم اللہ تعالےٰ کا ہے جو کچھ ملتا ہے اسی سے ملتا ہے۔ اسی نے انسان کو وجود بخشا۔ وہی اس زندگی کا سامان فراہم فرماتا ہے اسی کے کرم سے وہ تمام بے شمار انتظامات ہو رہے ہیں۔ جن میں سے اگر ایک بھی نہ ہوتا تو انسان کا وجود ہی ممکن نہ ہوتا۔ انسان ذرا آنکھ کھول کر دیکھے اور ذرا غور کرے تو اُسے یہ محسوس ہوگا کہ اس کا رونگٹا رونگٹا اللہ تعالےٰ کے احسان میں جکڑا ہوا ہے ہر سانس جو اندر جاتا ہے۔ زندگی کے لیے تازگی فراہم کرتا ہے اور اس پر ایک شکر واجب ہے۔ اور ہر سانس جب باہر آتا ہے زندگی کو برقرار رکھنے کا سبب بنتا ہے۔ اور اس پر بھی شکر ادا ہونا چاہیے۔ اسی طرح ہر ہر سانس ہم سے احسان مندی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سانس لینے والی اس ہوا کے علاوہ کتنی اَن گنت نعمتیں ہیں جن سے ہم ہر ہر لمحہ فائدہ اُٹھاتے رہتے ہیں غرض یہ کہ انسان کی مجال نہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کے احسانات کا تصور بھی کر سکے پھر ان احسانات کا پورا پورا شکر ادا کرنا کس طرح اس کے بس کی بات ہو سکتی ہے۔

بھائیو! اللہ تعالیٰ سے تعلق کو مضبوط بنانا ہم سب کا مقصد ہے۔ اس مقصد کے لیے ہم تمام جسمانی اور مالی عبادتوں کا اہتمام کرتے ہیں لیکن ہماری ان تمام کوششوں میں جان اسی وقت پڑ سکتی ہے۔ جب ہم بار بار شکر کے جذبے کو اپنے اندر بڑھائیں۔ شکر ہی تمام عبادات کی روح ہے۔ اس جذبے کے بغیر اللہ تعالیٰ سے تعلق میں مضبوطی نہیں پیدا ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابلے میں بندے کی طرف سے جو رَوَیہ ہونا چاہیئے۔ اُسے ہر وقت سامنے رکھیئے جو دل اللہ تعالیٰ کے احسان مندی کے جذبے سے خالی ہے وہ کبھی ایمان پر جم نہیں سکتا اور جس بندے کو اپنے آقا کے احسانات کا احساس نہیں ہے وہ کبھی اس کی وفاداری پر قائم نہیں رہ سکتا۔

بھائیو! سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم دل سے اللہ تعالیٰ کے احسانات کو مانیں۔ یہ یقین رکھیں کہ اصل کرم کرنے والا صرف وہی ہے۔ کسی دوسرے کو یہ اختیار ہی کہاں ہے کہ وہ کسی پر کچھ کرم کر سکے۔ ظاہری صورت میں اگر ہمیں کوئی چیز کسی دوسرے کی طرف سے پہنچتی ہے تو دراصل یہ بھی اللہ تعالیٰ کی منشا اور اس کے حکم سے ہی پہنچتی ہے۔

تیسری اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ جب آپ کے دل میں کسی کی احسان مندی کا احساس ہوگا اور آپ کا دل اُس کی شکرگزاری کے جذبہ سے بھرا ہوگا تو پھر یہ ممکن ہی نہیں کہ آپ اُس کی منشا اور مرضی کے مطابق کام نہ کریں۔ آپ مجبور ہیں کہ اپنے آپ کو اس کی اطاعت میں دے دیں اور جانتے بوجھتے ایک قدم بھی اس کی خوشی کے خلاف نہ اُٹھائیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ دل سے کسی کے احسانات کو مانیں۔ زبان سے اس کے انعامات کا ذکر بھی کرتے رہیں لیکن آپ اس کی اطاعت و فرماں برداری کرنے کے لیے تیار نہ ہوں۔ اطاعت تو احسان مندی کی سب سے پہلی پہچان ہے۔ جب آپ صحیح طریقے پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کو محسوس فرمائیں گے اور دل سے اس کا شکر ادا کریں گے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ جانتے بوجھتے اس کی نافرمانی کریں۔ یہ کہاں کی احسان مندی ہے کہ آپ زبان سے تو کسی کی تعریف کرتے رہیں لیکن جب وہ کسی کام کے کرنے کا حکم دے تو آپ ٹس سے مس نہ ہوں۔ اور اس کی اطاعت کے لیے کوئی سرگرمی نہ دکھائیں اور اس کا تو آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ آپ پر احسانات تو کسی کے ہوں

اور آپ اطاعت و فرماں برداری اس کے مخالفوں کی کرتے رہیں یہ تو احسان مندی نہیں۔ کھُلی ہوئی بغاوت ہے۔

عزیزو! اس اعتبار سے ہم سب کو اپنی ایک ایک حرکت اور اپنے ایک ایک کام کی جانچ کرتے رہنا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آخرت کے میدان میں ہمارا شمار اللہ کے شکرگذار بندوں میں ہونے کے بدلے اس کے ناشکروں میں ہو جائے اور ہمارے خلاف یہ الزام ثابت ہو جائے کہ ہم نے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی منشا کے خلاف استعمال کیا۔ اللہ کے حضور اس کا شکرگذار بندہ ہو کر پیش ہونا سب سے بڑی کامیابی ہے۔ جو کوئی اس طرح پیش ہو گیا وہی مُراد کو پہنچا۔ ایسا ہی بندہ اُس کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ اور اُس کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالےٰ بڑا قدر دان ہے وہ اپنے کسی شکرگزار کو اپنی رحمتوں سے محروم نہ رکھے گا۔ اُس کا ارشاد ہے

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝

"آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے۔ اگر تم شکرگزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔ اللہ بڑا قدر دان ہے، اور سب کے حال سے واقف ہے۔"

فَاتَّقُوا اللّٰهَ، عِبَادَ اللّٰهِ۔ وَاشْكُرُوْا لَهٗ۔ وَاَخْلِصُوْا لَهُ الْعَمَلَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

سچائی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی۔ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی۔ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔ وَبَعَثَ الرُّسُلَ بِالنُّوْرِ وَالْهُدٰی۔ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَاءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی وَالْمَثَلُ الْاَعْلٰی وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْكَرِیْمُ۔ الصَّادِقُ الْاَمِیْنُ۔ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا۔ وَعَلٰی اَصْحٰبِهِ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝

بزرگو اور دوستو! آپ میں سے کون ایسا ہوگا جو یہ نہ جانتا ہو کہ سچائی مومن کی بنیادی صفت ہے۔ سچائی ایک ایسی خوبی ہے کہ جس کے پسندیدہ ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ حد یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی تعلیمات سے بے بہرہ ہیں وہ بھی اسے ہر انسان کے لیے انتہائی پسندیدہ اور مطلوب صفت مانتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الصِّدْقَ یَهْدِیْ اِلَی الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ یَهْدِیْ اِلَی الْجَنَّةِ۔ سچائی انسان کی رہنمائی نیکی کی طرف کرتی ہے اور نیکی انسان کو جنت تک لے جاتی ہے۔ اس کے برخلاف جھوٹ انسان کو برائیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ برائیاں اُسے دوزخ تک پہنچا دیتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الْكِذْبَ یَهْدِیْ اِلَی الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَهْدِیْ اِلَی النَّارِ۔

بھائیو! سچائی کی اس اہمیت کو جہاں تک جاننے کا تعلق ہے ہم میں سے ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے نہ کسی کو اس بارے میں شبہ ہے اور نہ انکار لیکن اس کے باوجود یہی وہ بنیادی اخلاقی صفت ہے جس کی طرف سے انتہائی غفلت برتی جاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید

لوگوں کے ذہنوں سے یہ احساس ہی اُٹھ گیا ہے کہ اُنھیں بھی اپنے اندر یہ صفت پیدا کرنا ہے اگر دوسرے سچائی سے ہٹ کر کوئی راہ اختیار کریں تو ہم میں کوئی ایسا نہیں جو اس پر اظہار ناپسندیدگی نہ کرے لیکن خود اپنے حال پر نظر کرنے کی توفیق کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے بالی نفع نقصان کے موقع پر معمولی معمولی فائدوں کے لیے جھوٹ بول دینا تو ایک عام بات ہے ہی اس کے علاوہ کتنے ہی لوگ محض تفریح اور گرمی محفل کے لیے غلط باتیں بیان کرتے رہتے ہیں۔ ذرا توجہ کے ساتھ اگر حالات کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ اب تو جھوٹ شاید بُرائی کی فہرست سے نکل کر ایک فن کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اِس بارے میں ہمارے اخبارات، ہمارے قومی لیڈروں کے بیانات، حد یہ کہ خود حکومت کی سطح پر ذمہ داروں کی باتیں سب سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید سچ اور جھوٹ کا امتیاز کہیں باقی ہی نہیں رہا ہے۔ لوگ صرف ان مصلحتوں کو سامنے رکھتے ہیں۔ جنھیں اُنھوں نے اپنے ذہن سے گڑھ لیا ہے اور صرف وہ فائدے اُنھیں عزیز ہیں۔ جنھیں اُنھوں نے اپنے لیے نفع بخش سمجھ لیا ہے۔

بھائیو! اس صورت حال کے ماتحت مومن کی ذمہ داری انتہائی شدید ہو جاتی ہے جو لوگ ایک طرف اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اُنھوں نے اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رہنما تسلیم کر لیا ہے، اور جنھیں اس بات کا بھی دعویٰ ہے کہ اُنھیں ایک دن ربّ العٰلمین کے حضور حاضر ہونے کا یقین ہے، وہ کیسے یہ جرأت کر سکتے ہیں کہ اپنی موجودہ روش پر غور نہ کریں اور اپنے حالات کو درست کرنے کی طرف توجہ نہ کریں؟ یہ صحیح ہے کہ ماحول کا بہاؤ انسان کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے، اور حالات کے تحت اُس پر غفلتیں طاری ہو جاتی ہیں لیکن مومن کی بنیادی صفت تو یہی ہے کہ وہ بار بار اللہ کی طرف پلٹتا ہے، اپنے حالات کا جائزہ لیتا ہے، اور اپنی اصلاح کے لیے پوری پوری کوشش کرتا ہے اگر انسان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اصل نفع وہ ہے جو اُسے آخرت میں مل جائے اور صحیح معنیٰ میں کامیاب وہ ہے کہ جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کر لے تو وہ محسوس کرے گا کہ اُس کے اندر حالات سے نمٹنے کے لیے ایک نئی قوت پیدا ہو گئی ہے اور وہی چیزیں جن کا چھوڑنا بڑا دشوار نظر آتا ہے ان سے دامن بچا لینا کوئی بڑی بات نہیں رہ جاتی۔ آج صورت حال یہ ہے کہ ہم چھوٹے چھوٹے فائدوں کی خاطر اور معمولی مصلحتوں کو سامنے رکھ کر

جھوٹ بول دیتے ہیں، تعلقات کے دباؤ میں آگر جھوٹی گواہی دینے سے بھی پرہیز نہیں کرتے اور یہ بات تو ایک فن کی حیثیت اختیار کر چکی ہے کہ کاروباری لوگ کس طرح جھوٹے اندراجات کریں اور اپنے لین دین کی فرضی شکلیں خود تصنیف کریں، اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت خرید و فروخت اور دوسرے تمام مالی لین دین کے کاموں میں غلط بیانی اور فرضی کارروائی کرنا اصل معاملے کا ایک جزو بن چکا ہے، تو شاید غلط نہ ہو۔ اسی لعنت کا نتیجہ ہے کہ ہم اطمینانِ قلب اور باہمی اعتماد حسنِ ظن اور تعلقات میں اخلاص کی نعمتوں سے بالکل محروم ہو گئے ہیں۔ ہر شخص دوسروں کو مشکوک سمجھتا ہے، اور ڈرتا رہتا ہے کہ معلوم نہیں کہ کہاں دھوکا کھا جائے۔ ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ کیا یہ صورتِ حال ایک عذاب نہیں؟ اعتمادِ باہمی، اخلاص اور حسنِ ظن، یہی تو وہ دولت ہے، جسے کسی معاشرے کا حقیقی سرمایہ کہا جا سکے۔ آج ہم سب اس سے محروم ہیں۔ آپ یہ کہیں گے کہ بلاشبہ صورتِ حال کچھ ایسی ہی ہے۔ لیکن اب تنہا ہمارے کیے کیا ہو سکتا ہے یہ صحیح ہے کہ چند آدمیوں کی کوششوں سے حالات ایک دم بدل نہیں سکتے۔ لیکن ہمارے سوچنے کا انداز کچھ اور ہی ہونا چاہیے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم ہر اصلاحی کوشش کو اجتماعی مسئلے کی حیثیت میں لینے سے پہلے اسے انفرادی مسئلے کی حیثیت سے دیکھیں۔ اگر ایسا کریں گے تو اتنا ہی سوچیں گے کہ ہم خود کس طرح اس مصیبت سے اپنی جان بچائیں، اور کس طرح اپنی عاقبت، اور آخرت کے پیشِ نظر اپنے معاملے کو درست کریں۔ اس طرح سوچنے میں ہمیں بہت سے مادی فائدوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ جس کی نظر آخرت تک وسیع ہو، اُس کے لیے مادی فائدوں کی قربانی کب کوئی مہنگا سودا ہے۔؟

دوستو اور عزیزو! سخت حالات میں جو شخص اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کوئی صحیح روش اختیار کرتا ہے اُس کا اجر اتنا ہی زیادہ ہے پھر ایک اور بات بھی آپ اپنے سامنے رکھیں کہ دراصل زندگی میں سب سے بڑی اہمیت انسان کے اطمینان قلب ہی کی ہے۔ ایک ایسا شخص جو اگرچہ کسی بڑے کاروبار کا مالک نہ ہو اور نہ اُس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو لیکن اسے اطمینانِ قلب نصیب ہو تو کیا آپ کی نظر میں وہ اس شخص سے زیادہ بہتر نہیں ہے جس کے پاس اگرچہ دولت کے انبار ہیں لیکن وہ اطمینانِ قلب کی نعمت سے محروم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے ۔ اِنَّ الصِّدْقَ طُمَانِيَۃٌ ۔ ”سچائی سے اطمینان خاطر نصیب ہوتا ہے“۔

ہم میں سے ہر شخص کا ذاتی تجربہ ہے کہ جب کبھی کوئی کام سچائی سے ہٹ کر اختیار کیا جاتا ہے تو فوراً طبیعت میں ایک کھٹک اور پریشانی محسوس ہوتی ہے۔ انسان اس کھٹک کو دبا دیتا ہے اور اس کے خلاف مختلف قسم کے فائدوں یا مصلحتوں کو سامنے رکھ کر اپنے طرزِ عمل کے لیے ذہنی طور پر جواز حاصل کر لیتا ہے لیکن اگر ہم اپنے دل کی گہرائیوں میں اِس بات کو ٹٹولیں کہ کیا واقعی جو اطمینان اور سکون سچ کے اختیار کرنے میں حاصل ہوتا ہے۔ کیا سچ سے ہٹ کر بھی ہم اس کا کوئی جزو اپنے قلب میں محسوس کر سکتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ:۔ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيْبُكَ ۔ ”جو چیز دل میں کھٹک پیدا کرے اُسے چھوڑ کر وہ بات اختیار کرو جس میں کوئی کھٹک محسوس نہ ہو آپ کا ارشاد ہے اَلْكَذِبُ رِيْبَۃٌ ۔ ”جھوٹ پریشانی خاطر اور تردد کا سبب ہے۔

بزرگو اور دوستو! سچائی کی اہمیت کا ایک رُخ تو یہ ہے جو آپ کے سامنے آیا۔ اس کے علاوہ ایک اور پہلو سے یہ مسئلہ انتہائی توجہ کا محتاج ہے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے طرزِ عمل سے اللہ کے دین کا بہت کچھ غلط تعارف کرایا ہے۔ اب ہم سے ہر اُس شخص کی جو دین کے ساتھ محبت رکھتا ہے، یہ شخصی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے معاملات اور طرزِ عمل سے کسی ایسی بات کا مظاہرہ نہ کرے جو اِسلامی تعلیمات کے خلاف نہ ہو، بلکہ اس کے برخلاف ہماری کوشش یہ ہونا چاہیئے کہ ہماری باتیں اور ہمارے معاملات سب اِس بات کی گواہی دیں کہ واقعی ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کی جواب دہی کا ہم کو یقین ہے۔ آپ نے یہ واقعہ سُنا ہوگا کہ جب ہرقل کے پاس دعوت اسلامی کا پیام پہنچا اور اس نے ایک عربی قافلے کے سردار ابو سفیان سے گفتگو کرنے کے بعد اپنا اطمینان کرنا چاہا تو اس دعوت کے حق ہونے پر اسے اس لیے اطمینان ہوا کہ داعی اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو خدا کی توحید اور نماز وغیرہ کی تعلیمات کے ساتھ سچائی، پاکدامنی اور صلہ رحمی کی تاکید فرماتے ہیں۔ کچھ ایسی ہی صورت حال اس وقت بھی ہے۔ آج دعوت اِسلامی کا تعارف ہمارے موجودہ ماحول میں اِسی طرح ہو سکتا ہے کہ اسلام پر ایمان رکھنے والے اپنے قول اور عمل سے ان تمام بنیادی اخلاقی صفات کا ثبوت

دیں جو اسلام اُن کے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ایمان کی کسوٹی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ ۔ الْاَحَدِ الْفَرْدِ الصَّمَدِ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۔ اَحْمَدُہٗ سُبْحٰنَہٗ وَاَشْکُرُہٗ ۔ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ الَّذِیْ دَعَا النَّاسَ اِلٰی تَوْحِیْدِ رَبِّھِمْ وَھَدٰھُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ ۔ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ، قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ ۔

بزرگو اور دوستو! ابھی جو ایک آیت میں نے تلاوت کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اے محمدؐ! کہو میری نماز اور میرے تمام مراسم عبودیت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو ساری کائنات کا مالک ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، اور اِسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور سب سے پہلے میں اُس کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کرتا ہوں"۔ اِس کے بعد میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد آپ کے سامنے رکھا ہے اس کا مطلب ہے کہ "جس نے کسی سے دوستی و محبت کی تو اللہ کے لیے اور دشمنی کی تو اللہ کے لیے اور کسی کو دیا تو اللہ کے لیے اور کسی سے روکا تو اللہ کے لیے، اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا یعنی وہ پورا مومن ہو گیا"۔

بھائیو! قرآن کی اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی بندگی کو اور اپنے جینے مرنے کو صرف اللہ کے لیے خالص کرے اور اللہ کے سوا کسی کو اس میں شریک نہ کرے۔ یعنی نہ اُس کی بندگی اللہ کے سوا کسی اور کے لیے ہو، اور نہ اُس کا جینا اور مرنا اللہ کے سوا کسی اور غرض اور مقصد کے لیے ہو۔ پھر اِسی کی جو تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں آپ

کے سامنے آئی۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی محبت اور دشمنی اور اپنے دُنیوی معاملات میں اس کا لین دین سب خالص خُدا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس کسی میں یہ بات نہیں اس کا ایمان ہی مکمل نہیں۔ ایمان کی تکمیل کے لیے یہ صفت ضروری ہے۔ اِس صفت میں جیسی کمی ہوگی آدمی کا ایمان بھی اسی درجہ میں ناقص ہوگا۔

بھائیو! عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی کے ایمان اور اسلام کے لیے یہ بات ضروری نہیں جس کا ذکر میں نے ابھی آپ کے سامنے کیا ہے لیکن یہ غلط فہمی اِس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ فقہی اور قانونی اِسلام کو سامنے رکھتے ہیں۔ اُس حقیقی ایمان کو سامنے نہیں رکھتے جو اللہ کے نزدیک قابلِ اعتبار ہے۔ فقہی اور قانونی اسلام میں آدمی کے دل کو نہیں دیکھا جاتا اور نہ دیکھا جاسکتا ہے، وہاں تو صرف زبانی اقرار کو دیکھا جاتا ہے اور اس بنیاد پر اس کے مومن اور مُسلم ہونے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ چیز صرف دُنیا کے لیے ہے اس سے اتنا ہی فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے کہ ہم کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ کریں کہ آیا وہ مُسلمان معاشرے کا ایک فرد ہے یا نہیں اور اسی بنیاد پر ہم اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرنے پر مجبور ہیں لیکن آخرت میں اِنسان کی نجات اور اس کا مُسلم اور مومن قرار دیا جانا اور اس کا اللہ کے مقبول بندوں میں شمار ہونا اس قانونی اقرار پر مبنی نہیں ہے۔ وہاں اصل چیز آدمی کے دل کی کیفیت ہے وہاں تو یہ دیکھا جائے گا کہ کیا واقعی اس نے دل سے اقرار کیا تھا اور اپنی خوشی سے اپنے آپ کو پوری طرح اللہ کے حوالے کر دیا تھا؟ کیا اس کا جینا اور مَرنا، اُس کی تمام دوڑ دھوپ، اس کی وفاداریاں اور اس کی اطاعت اور بندگی اللہ کے لیے تھیں یا کسی اور کے لیے۔ اگر یہ سب کچھ اللہ کے لیے ہوگا تو وہ واقعی مُسلم اور مُومن قرار پائے گا لیکن اگر کسی اور کے لیے ہوگا تو نہ وہ مُسلم قرار پائے گا اور نہ مُومن۔ اس اعتبار سے جس میں جتنی کمی ہوگی، اُس کا ایمان بھی اتنا ہی ناقص اور اس کا اِسلام بھی اِتنا ہی خام شمار ہوگا۔ وہاں یہ نہ دیکھا جائے گا کہ دُنیا میں لوگ اُسے کیا سمجھتے تھے اور ایمان اور اسلام کے اعتبار سے اُسے کیا مقام دیتے تھے۔

بھائیو! اللہ کے ہاں تو قدر صرف اس چیز کی ہے کہ جو کچھ اس نے آپ کو دیا ہے وہ سب کچھ آپ نے اُس کی راہ میں لگا دیا یا نہیں؟ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو آپ کو وہی حق دیا جائے گا جو وفادار و

اور بندگی کا حق ادا کرنے والوں کو دیا جاتا ہے۔ اور اگر آپ نے کسی چیز کو خُدا کی بندگی سے الگ کر کے رکھا ہے تو پھر آپ کا یہ اقرار جھوٹا سمجھا جائے گا کہ آپ نے اپنے آپ کو بالکل خدا کے حوالے کر دیا تھا۔ یعنی یہ کہ آپ مُسلِم تھے۔

قانونی یا فقہی اِسلام اور حقیقی اسلام کا جو فرق میں نے ابھی آپ کے سامنے رکھا اس کے اعتبار سے آخرت میں تو مختلف نتائج سامنے آئیں گے ہی لیکن اگر آپ غور کریں تو آپ دیکھیں گے کہ بڑی حد تک دُنیا میں بھی اُس کے نتائج مختلف ہی ہوتے ہیں۔ دُنیا میں جو مُسلمان پائے جاتے ہیں اُن کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ایک قسم کے مُسلمان وہ ہیں جو خُدا اور اُس کے رسُول کا اقرار کرتے ہیں۔ اِسلام کو بہ حیثیت ایک مذہب کے قبول کرتے ہیں مگر وہ اپنے اس مذہب کو اپنی کُل زندگی کا محض ایک جزو اور ایک شعبہ ہی بنا کر رکھتے ہیں۔ اُن کا حال یہ ہے کہ ایک طرف تو اسلام کے ساتھ عقیدت ہے عبادتیں ہیں، تسبیح ہے، اللہ کا ذِکر ہے، رسُول کے ساتھ محبت کا دعویٰ ہے۔ کھانے پینے اور کچھ معاشرتی معاملات میں پرہیزگاری ہے، خیر کے کچھ کام ہیں۔ غرض یہ کہ وہ سب کچھ ہے جسے عام طور پر مذہبی زندگی کہا جاتا ہے مگر زندگی کے اس شعبے کے علاوہ ان کی زندگی کے کسی پہلو میں ان کے مُسلم ہونے کی حیثیت نظر نہیں آتی وہ محبت کرتے ہیں تو وہ اپنے نفس کے لیے یا اپنے فائدہ یا اپنی قوم یا اپنے مُلک کے لیے محبت کرتے ہیں۔ اور اگر دشمنی یا جنگ کرتے ہیں تو وہ بھی ایسے ہی کسی دُنیوی یا نفسانی تعلق کی بنا پر کرتے ہیں، ان کے کاروبار، ان کے لین دین، ان کے معاملات ان کے رات دن کے مشغلے، اُن کی سیاسی دَوڑ دھوپ اور اُن کی تمام دلچسپیاں بڑی حد تک دین سے آزاد ہوتی ہیں اور اُن کے سامنے دُنیاوی مفادات کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا وہ اپنے بال بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انتظام کرتے ہیں یا اپنے خاندان یا اہلِ محلہ سے تعلقات قائم کرتے ہیں یا اپنے اہلِ محلہ کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں، یا ایک زمیندار، ایک تاجر، ایک حاکم، ایک ملازم، ایک سپاہی، ایک پیشہ ور، غرض یہ کہ کسی حیثیت میں بھی وہ سامنے آتے ہیں تو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اُن کا تعلق کسی ایسے دین سے ہے جس کا مطالبہ ہی یہ ہے کہ انسان اپنی کسی حیثیت کو بھی دین سے الگ نہ رکھے۔ یہ لوگ اپنے اجتماعی ادارے بھی قایم کرتے ہیں، کچھ تحریکوں میں بھی

حصّہ لیتے ہیں۔ سیاست، تمدن، تعلیم اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں بھی دکھائی دیتے ہیں لیکن کسی جگہ وہ یہ محسوس نہیں ہونے دیتے کہ ان کا تعلق کسی دین سے ہے۔ اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں اس میں وہ دین کیا رہنمائی کرتا ہے۔

دوسری قسم کے مسلمان وہ ہیں جو اپنی پوری شخصیت اور اپنے پورے وجود کو اسلام کے اندر پوری طرح دے دیں، اُن کی ساری حیثیتیں اِس حیثیت میں گُم ہو جائیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ وہ باپ ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے، بیٹے ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے، شوہر یا بیوی ہوں تو مسلمان کی حیثیت سے۔ وہ سوچیں تو مسلمان کی حیثیت سے، کچھ کام کریں تو مسلمان کی حیثیت سے، کسی سے ملیں تو مسلمان کی حیثیت سے، کسی سے کٹیں تو مسلمان کی حیثیت سے، اُن کے خیالات، اُن کی رائیں، اُن کی پسند اور ناپسند، اُن کی دوستی اور دشمنی سب کچھ اسلام کے تابع ہو۔ وہ سوچیں تو اسلامی ذہن سے سوچیں، وہ دیکھیں تو مومن کی نظر سے دیکھیں، وہ کمائیں تو حقیقی مسلمان کی حیثیت سے کمائیں اور وہ خرچ کریں تو اسلام کی ہدایت کے مطابق خرچ کریں، نہ اُن کی محبت اسلام سے آزاد ہو اور نہ دشمنی۔ وہ ملیں تو اسلام کے لیے ملیں، وہ لڑیں تو اسلام کے لیے لڑیں، کسی کو دیں تو اس لیے دیں کہ اسلام کا حکم ہی یہ تھا، کسی سے روکیں تو اس لیے روکیں کہ ان کا اسلام یہی کہتا ہے۔ پھر اُن کی یہ حیثیت محض انفرادی نہ ہو بلکہ ان کی اجتماعی زندگی بھی سراسر اسلام پر قایم ہو۔ غرض یہ کہ وہ اپنے اِس اقرار کی پوری اور مکمل تصویر ہوں کہ ہم نے اسلام کو اپنی پوری زندگی کے لیے بہ حیثیت ایک مکمل دین کے قبول کر لیا ہے۔

بھائیو! آپ نے دیکھا کہ یہ دو قسم کے مسلمان ایک دوسرے سے کتنے مختلف دکھائی دیں گے، قانونی حیثیت سے دونوں مسلمان ہی ہیں، ایک ہی اُمت میں شامل ہیں، اور دونوں کو آپ مسلمان ہی کہیں گے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ پہلی قسم کے مسلمانوں نے کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جو تاریخِ اسلام میں قابلِ ذکر یا قابلِ فخر ہو۔ ایسے مسلمانوں کا وزن کہیں محسوس نہیں کیا گیا، ان کے وجود کا نوٹس نہ کبھی اپنوں نے لیا اور نہ غیروں نے۔ اسلام کو آج جو تنزل نصیب ہوا ہے وہ ایسے ہی مسلمانوں کی بدولت نصیب ہوا ہے۔ ایسے مسلمانوں نے اپنے مفادات کی خاطر اسلام کو ہمیشہ نقصان پہنچایا ہے، ایسے ہی مسلمانوں کی وجہ سے نظامِ زندگی کی باگیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے

نکل کر غیروں کے قبضے میں گئی ہیں، ایسے مسلمانوں نے ہمیشہ کُفر کے ہاتھ مضبوط کیے ہیں۔ ایسے مسلمان صرف ایک محدود مذہبی زندگی پر قانع ہو گئے۔ اُنھوں نے یہ سمجھ لیا کہ اگر مسجد میں سجدے کی اجازت ہے تو بس اِسلام آزاد ہے، اِس سے زیادہ ہمیں کیا چاہیے۔ لیکن بھائیو! اچھی طرح سُن رکھیے کہ خُدا کو ایسے مسلمان ہرگز مطلوب نہیں ہیں۔ اس نے اپنے انبیاء کو زمین پر بھیجا، اُس نے اپنی کتابیں نازل فرمائیں، اس نے کھُلے کھُلے احکام دیئے کہ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے اور کیا نہ کرنا چاہیئے، تو اس لیے نہیں کہ اسے اس قسم کے مُسلمان بنانا مطلوب تھے بلکہ انبیاء علیہم السّلام کے تشریف لانے اور اللہ کی طرف سے کتابیں نازل ہونے کی ایک ہی غرض تھی اور وہ یہ کہ یہاں اس قسم کے مُسلمان بنائے جائیں جن کا کچھ ذکر دوسری قسم کے مسلمانوں کے تحت میں نے آپ کے سامنے کیا ہے۔

بھائیو اور عزیزو! آج میری یہ باتیں سُن کر آپ تعجب نہ کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ میں کوئی غیر ضروری بُوجھ آپ کے ذہن پر ڈال رہا ہوں جو بات میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے وہ کچھ اِسلام ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ذرا سوچیے تو سہی، دُنیا میں کسی مسلک کا جھنڈا بھی ایسے پیرووُں کے ہاتھوں کبھی بلند ہوا ہے جنھوں نے اپنے مسلک کے اقرار اور اس کے اُصولوں کی پابندی کو اپنی کُل زندگی کے ساتھ صرف ایک ضمیمہ بنا رکھا ہو، اور جن کا جینا اور مرنا اپنے مسلک کے سوا کسی اور چیز کے لیے ہو؟ آج بھی آپ دیکھ سکتے ہیں ایک مسلک کے حقیقی اور سچے پیرو صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو دل وجان سے اس کے وفادار ہیں جنھوں نے اپنی پُوری شخصیت کو گم کر دیا ہے اور جو اپنی کسی چیز یہاں تک کہ اپنی جان اور اپنی اولاد تک کو اُس کے مقابلے میں زیادہ عزیز نہیں رکھتے۔ دُنیا کا ہر مسلک ایسے ہی پیرو مانگتا ہے اور اس کے بغیر نہ کسی مسلک کو آج تک غلبہ نصیب ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

البتہ اِسلام میں اور دوسرے مسلکوں میں فرق یہ ہے کہ دوسرے مسلک اگر انسان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اُن کی خاطر فنا ہو جائے اور پُوری وفاداری سے اس کا ساتھ دے تو اُنھیں اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ انسان سے یہ مطالبہ کریں، اُن کا یہ مطالبہ غلط اور بیجا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف اگر اسلام انسان سے اِس کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ اُس کا حق ہے۔ اسلام جس خُدا کے لیے

انسان سے وفاداری اور اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے وہ درحقیقت اس کا حق رکھتا ہے کہ وہ انسان سے یہ مطالبہ کرے۔ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے۔ انسان خود اللہ کا ہے۔ انسان کے پاس جو کچھ ہے اور جو کچھ انسان کے اندر ہے سب اللہ کا ہے۔ انسان جن چیزوں سے کام لیتا ہے وہ سب بھی اللہ کی ہیں۔ اِس لیے انصاف اور عقل کا تقاضا ہے کہ جو کچھ اللہ کا ہے وہ اللہ ہی کے لیے ہو۔ دوسروں کے لیے یا خود اپنے مفاد اور اپنے نفس کی پسند اور ناپسند کے لیے اُسے قربان کرنا دراصل خیانت ہے اور سوائے اس صورت کے کہ خود اللہ ہی اس کی اجازت دے، انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان چیزوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرے۔ خُدا کے لیے انسان جو کچھ قربان کرتا ہے وہ تو دراصل اپنا حق ادا کرتا ہے، بلکہ کہنا چاہیے کہ "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔"

بھائیو! ایمان اور اسلام کا یہ معیار جو آج قرآن پاک کی ایک آیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کی روشنی میں ہمارے سامنے آیا، ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم سب اپنے آپ کو اس پر پرکھ دیکھیں اور اپنا امتحان لیں کہ ہم اِس پر کہاں تک پُورے اُترتے ہیں۔ بھائیو! اِس بارے میں ہم سب کوتاہ ہیں، سب میں خامیاں اور کمزوریاں ہیں۔ لیکن اِس سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم پہلے صحیح بات کو سمجھیں اور پھر اس کے مطابق اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ انسان اپنے کسی غلط مقام پر مطمئن ہو جائے۔ اس مقام کو صحیح ثابت کرنے کے لیے دلیلیں نکالے اور اپنے آپ کو اور دوسروں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں وہی ٹھیک ہے۔ اِس طرح اسلام کے ایک کسی معمولی جزو پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانا دراصل اپنی دینی حیثیت کو خطرے میں ڈالنا ہے ہمیں ہر آن اِس بات پر نظر رکھنا چاہیے کہ کیا واقعی ہم نے اپنی اطاعت اور بندگی کو خدا ہی کے لیے مخصوص کر دیا ہے اور نفس کی بندگی، خاندان کی، برادری کی، دوستوں کی، سوسائٹی کی اور حکومت کی بندگی ہماری زندگی سے بالکل خارج ہو چکی ہے؟ کیا واقعی ہم نے اپنی پسند اور ناپسند کو سراسر رضائے الٰہی کے تابع کر دیا ہے؟ کیا ہم ہر معاملے میں پہلے یہ سوچ لیتے ہیں کہ اس بارے میں اللہ کی مرضی کیا ہے؟ کیا ہم جس کسی کی تائید کرتے ہیں خدا کے لیے کرتے

ہیں ؟ اور جس کی تردید کرتے ہیں صرف خدا کے لیے کرتے ہیں ؟ ہماری نفرت اور محبت میں، ہمارے مفادات اور ہمارے نفس کا کوئی حصّہ تو شامل نہیں ہوتا ؟ ہمیں کوشش کرنا چاہیے کہ ہماری ہر جدوجہد میں صرف ایک ہی بات ہمارے سامنے رہے، اور وہ یہ کہ ہم اللہ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی یہ تمنا ہم اپنے دل میں پاتے ہیں تو اس پر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور مزید کی دُعا کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر یہ کیفیت موجود نہیں ہے تو اسے پیدا کرنا چاہیے اور اپنے کاموں کے رُخ اور اپنے سوچنے کے انداز کو بدلنا چاہیے ایسی صورت میں ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم اپنی ساری فکریں چھوڑ کر پہلے اس کمی کو دُور کرنے کی فکر کریں۔ اس کمی کو دُور کیے بغیر ہم آخرت کی فلاح اور نجات نہیں پا سکتے۔ دُنیا میں ہم چاہے کچھ بھی حاصل کرلیں اور وقت کے اقتدار سے ہمیں کیسے ہی اعزاز کیوں نہ مل جائیں لیکن سب کچھ کے حاصل ہو جانے سے اس نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی جو اس کمی کی بدولت ہمیں آخرت میں اُٹھانا پڑے گا۔ لیکن اگر ہم نے یہ کمی پُوری کرلی تو چاہے ہمیں دُنیا میں کچھ بھی نہ ملے ہم ہرگز ٹوٹے میں نہ رہیں گے۔

بھائیو! ایک آخری بات اور قابل توجہ ہے یہ کسوٹی جو آج میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے اس لیے نہیں ہے کہ آپ دوسروں کو اس پر پرکھیں اور اُن کے بارے میں یہ فیصلے کرنے لگ جائیں کہ وہ کس درجہ کے مسلمان ہیں۔ بلکہ یہ کسوٹی اِس لیے ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اس پر اپنے آپ کو پرکھے اور آخرت کی عدالت میں حاضر ہونے سے پہلے خود اپنے اندر کا کھوٹ معلوم کرے اور اُسے دُور کرنے کی کوشش کرے۔ بھائیو! آپ کو اس کی ذرا پروا نہ ہونا چاہیے کہ دوسرے آپ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں اور وہ آپ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ آپ کو تو فکر صرف یہ ہونا چاہیے کہ کل وہ خدا جس کا اقتدار سب اقتداروں سے بالاتر ہے اور جو دلوں کی چھپی ہوئی باتیں بھی جانتا ہے آپ کی کیا حیثیت قرار دے گا۔ جس کی نظر موت کے اُس پار تک جاتی ہو، وہ تو جو کچھ بھی سوچے گا اِسی لحاظ سے سوچے گا کہ اس نے آنے والی اور ہمیشہ رہنے والی زندگی کے اعتبار سے کیا نفع کمایا ہے اور کیا نقصان۔ یہی وہ نقطۂ نظر کی تبدیلی ہے جس سے مؤمن کی پُوری دُنیا بدل جاتی ہے اور یہی وہ تبدیلی ہے کہ جب اجتماعی حیثیت سے اُمّت قبول کرلیتی ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کے ہاتھوں حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرماتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ - اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَ
لَکُمْ اَجْمَعِیْنَ - اِنَّہٗ ھُوَ الْبَرُّ الرَّؤُفُ الرَّحِیْمُ ط

ایمان کی قوّت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔ اَحْمَدُهٗ سُبْحٰنَهٗ وَاَشْكُرُهٗ عَلٰى نِعَمِهِ الَّتِیْ لَا تُحْصٰى۔ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَلَا نِدَّ وَلَا مُعِيْنَ۔ وَاَشْهَدُ اَنَّ نَبِيَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اَلنَّبِیُّ الْكَرِيْمُ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ۔ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

بھائیو! اللہ کا دین ایک روشنی ہے ایسی روشنی جس سے تمام جہالتوں کا اندھیرا دور ہوتا ہے۔ یہی روشنی انسان کو زندگی کی صحیح راہ دکھاتی ہے اس روشنی سے محرومی کے بعد سوائے ٹھوکریں کھانے کے اور کچھ نہیں ملتا۔ جس کسی نے اس روشنی سے آنکھیں بند کیں وہ یقیناً منزل سے بھٹک گیا انسان اپنی آخری زندگی میں صحیح منزل پر پہنچ ہی نہیں سکتا جب تک وہ اس راستے پر نہ چلے جس کی طرف اللہ کا دین رہنمائی کرتا ہے۔

بھائیو! یہ ایک حقیقت ہے۔ لیکن کم ہی لوگ ہیں جو اس حقیقت کو مانتے ہیں بہت سے لوگ ہیں جو اللہ کے دین سے بیزار ہیں، انھیں اس کی روشنی پھیلنے سے پریشانی ہوتی ہے بالکل اسی طرح جیسے سورج کی روشنی سے چمگادڑ کو پریشانی ہوتی ہے۔ وہ اگر کہیں ذرا سی بھی روشنی اللہ کے دین کی دیکھتے ہیں تو بے چین ہو جاتے ہیں۔ اِس روشنی کے خلاف اُن کے دِلوں میں ایسا تعصب بیٹھ گیا ہے کہ وہ اس کے بارے میں کچھ غور کرنے اور سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس چراغ کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ اپنے غصے اور نفرت کا اظہار کر کے لوگوں

کو اس کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔ کتنے ہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے کچھ ظاہری اقتدار اور قوت دے کر آزمائش میں ڈال رکھا ہے۔ انھیں یہ دھوکا ہوگیا ہے کہ اُن کے اوپر کوئی خُدا ہی نہیں ہے وہ اپنی قوت اور اپنے اقتدار کے نشہ میں مست ہیں۔ جو مُنھ میں آتا ہے کہہ بیٹھتے ہیں جو جی چاہتا ہے کر گزرتے اور چونکہ انھیں ابھی کچھ کہنے اور کچھ کرنے کی مہلت حاصل ہے اِس لیے وہ اس دھوکے میں پڑگئے ہیں کہ وہی سب کچھ ہیں۔

دوستو! ایسے لوگوں کی باتیں آپ کے کانوں میں بھی پڑتی ہیں۔ یہ باتیں آپ کے ایمان کی آزمائش ہیں، کمزور اور بودے ایمان والے لوگ ایسے موقع پر ڈر جاتے ہیں، وہ اقتدار کی پیشانی کی شکنوں کو برداشت نہیں کر پاتے۔ فوراً سوچنے لگتے ہیں کہ ہماری کون سی روش ان شِکنوں کو دُور کرسکتی ہے اور پھر اُسی رُخ پر مُڑ جاتے ہیں۔ یہ بڑی محرومی کی نشانی ہے، ایسا وہی کرسکتا ہے جس کے دل نے ابھی ایمان کی لذّت کا لُطف اُٹھایا ہی نہیں لیکن اللہ کے جن بندوں کا ایمان مضبوط ہے وہ ایسی باتیں سُن کر اور جم جاتے ہیں، اُن کے ایمان میں کچھ زیادہ طاقت اور قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ انھیں اللہ پر اور زیادہ بھروسہ اور اعتماد ہو جاتا ہے۔ اُن کے دلوں میں آخرت کی کامیابی کی آرزو کروٹیں لینے لگتی ہے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی تڑپ اور زیادہ بڑھ جاتی ہے وہ ہر گرم اور سرد کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ مصلحتیں اور اندیشے ان کے سامنے بھی آتے ہیں۔ انھیں بھی زمانے کی نیچ اور اونچ سمجھائی جاتی ہے۔ اہل وعیال کی ذمہ داریوں اور معاش کی اُلجھنوں کا سوال اُن کے سامنے بھی آتا ہے۔ لیکن وہ صاف کہہ دیتے ہیں کہ آخر ہمارا جرم بتاؤ کیا ہے، وہ کون سا غلط کام ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے اور جسے چھوڑ کر ہم لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر کریں۔ کیا یہ جرم ہے کہ ہم ایک اللہ کو اپنا آقا مانیں؟ کیا یہ جرم ہے کہ ہم صرف اللہ کی اطاعت کو قبول کریں اور اُس کے خلاف ہر اطاعت سے منھ موڑ لیں؟ کیا یہ جرم ہے کہ ہم اِس زندگی سے زیادہ اس آنے والی زندگی کی فکر کریں جو ہمیشہ رہنے والی ہے؟ اور کیا یہ بھی جرم ہے کہ ہم دُنیا کے ہر لیڈر اور رہنما کے پیچھے چلنے سے اِنکار کردیں اور صرف اللہ کے آخری رسُول حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو زندگی کے ہر معاملے میں اپنا رہنما تسلیم کرلیں؟ اگر ہماری یہی روش لوگوں کو ناپسند ہے تو پھر ہم اقراری مجرم ہیں ہمیں اپنا یہ قصور تسلیم

ہے اور ہم کسی قیمت پر اپنے اِس جرم سے توبہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہم نے اللہ کے دین کو سوچ سمجھ کر عقل کی روشنی میں قبول کیا ہے ہم اِس سودے بازی کے لیے تیار نہیں، کہ کچھ کام تمہاری خوشی کے لیے کرلیں اور کچھ کو اللہ کی خوشی کے لیے کرتے ہیں۔ اللہ کا دین تو پوری زندگی کا دین ہے۔ ہمیں تو حکم ہی یہ مِلا ہے کہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہوکر رہیں گے۔ جہاں تک بَن پڑے گا کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ کریں گے۔ ہمارا جینا اور ہمارا مرنا، سب کچھ اللہ کے لیے ہوگا۔ کیونکہ اس کے بغیر ہم اس ہمیشہ رہنے والی زندگی میں کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔

بھائیو! ایمان کی یہ کیفیت اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے جس دل نے اس قسم کے ایمان کی لذت پالی اس نے سب کچھ پالیا۔ ایمان کی یہی وہ روشنی ہے جسے کوئی نہیں بجھا سکتا۔ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس روشنی کو اور زیادہ چمکائے گا۔ اس کی چمک کو پوری طرح پھیلائے گا۔ چاہے کافر اس کو دیکھ کر کتنا ہی ناپسند کریں اس کے پھیلنے اور بڑھنے کا مدار ان کی پسند اور ناپسند پر نہیں ہے بلکہ اس کا مدار اہلِ ایمان کی قوت ایمانی پر ہے۔

دوستو! اللہ کا دین دُنیا میں مغلوب بن کر رہنے کے لیے نہیں آیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دُنیا میں بھیجا۔ آپ کے ذریعہ دُنیا کو آخری ہدایت ملی جو زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہے۔ آپ کے ذریعہ اللہ کا دین اللہ کے بندوں تک پہنچا وہ دین جو اِنسان کے تمام مسئلوں کا حل ہے۔ وہ دین جو دنیا اور آخرت کی مکمل کامیابی کا ضامن ہے، وہ دین جس کے ہوتے انسان کو کسی دوسری رہنمائی کی ضرورت نہیں۔ یہ دین ایمان واخلاق اور عبادات ومعاملات سے لے کر حکومت اور سیاست تک زندگی کے تمام معاملات میں مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ کا یہ دین آیا ہی اِس لیے ہے کہ دوسرے تمام دینوں پر غالب ہو کر رہے۔ اِس نظام کے ہوتے کوئی دوسرا نظام نہ چلے۔ اَب اگر کوئی چاہتا ہے کہ اللہ کا دین اس کی پسند اور ناپسند کا تابع ہوکر رہے اور دین کے نام لیوا صِرف اُن حدود میں دین کا نام لے سکیں جن میں وہ اجازت دے تو یہ بات دین کے مزاج کے خلاف ہے اور اگر کوئی دین کو ان سانچوں میں ڈھالنا چاہتا ہے تو دراصل وہ اللہ کا نہیں بلکہ دوسروں کا وفادار ہے اور اُس

کے سامنے آخرت نہیں بلکہ دُنیا کا فائدہ ہے۔

بھائیو! اِس بارے میں اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے کہ اللہ نے اپنا دین سب دینوں پر غالب کرنے کے لیے اُتارا ہے اور اس دین کو غالب ہی بن کر رہنا چاہیئے۔ چاہے یہ بات مشرکوں کو کتنی ہی ناپسند ہو۔

بھائیو! یہ ہماری کم نصیبی ہے کہ آج ہم اللہ کے دین کو تمام دینوں پر غالب نہیں دیکھ رہے ہیں، یہ ہماری اپنی خرابیوں اور خامیوں کا پھل ہے۔ آج دین کا نام لینے والوں نے خود اپنی زندگیوں کو دین کی ذمے داری سے آزاد کرلیا ہے۔ پھر وہ کس طرح دین کا غلبہ دیکھ سکتے ہیں؟ اب تو ہم میں سے ہر شخص کو جسے دین عزیز ہے خود یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کی حد تک دین کو غالب رکھے گا۔ جانتے بُوجھتے کوئی ایسا کام نہ کرے گا جو اللہ کے دین کی ہدایات کے خلاف ہو اور اس بات کی ہرگز پروا نہیں کرے گا کہ اس طرح دین کے ساتھ اس کا تعلق کس کو پسند ہے اور کس کو ناپسند، مُومن کے سامنے صرف اللہ کی پسند اور ناپسند رہنا چاہیئے دوسروں کی پسند اور ناپسند سے اُسے کیا لینا۔

بَارَكَ اللهُ لِي وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ۔ اَقُوْلُ قَوْلِي هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللهَ لِي وَلَكُمْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرُوْهُ۔ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

خُدائی ہدایت

اَلحَمدُ لِلّٰہِ۔ اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِیٓ اَنزَلَ عَلیٰ عَبدِہِ الکِتٰبَ۔ وَاَخرَجَ النَّاسَ بِہٖ مِنَ الجَھلِ وَالضَّلٰلِ۔ اِلیٰ نُورِ العِلمِ وَالھُدیٰ۔ اَحمَدُہٗ سُبحٰنَہٗ وَاَشکُرُہٗ۔ وَاَشھَدُ اَن لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ وَاَشھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبدُہٗ وَرَسُولُہٗ۔ اَرسَلَہٗ دَاعِیًا اِلَی الھُدیٰ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ عَبدِکَ وَرَسُولِکَ مُحَمَّدٍ، وَعَلیٰ اٰلِہٖ وَاَصحٰبِہٖ وَسَلِّم تَسلِیمًا کَثِیرًا ۔ اَمَّا بَعدُ:۔

عزیزو اور دوستو! ۔ جب برسات کا موسم آتا ہے تو پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں اور خوش خبری دیتی ہیں کہ اب اللہ کی رحمت نازل ہونے کا وقت آگیا ہے اس کے بعد پانی سے لدے ہوئے بادل ہوا کے کندھے پر سوار کسی مُردہ زمین کی طرف بڑھنے لگتے ہیں۔ بادلوں سے مینھ برستا ہے۔ مَری ہوئی زمین زندہ ہوجاتی ہے۔ خشک چٹیل میدان پر سبزہ لہلہانے لگتا ہے طرح طرح کے پھل اور اناج پیدا ہونے لگتے ہیں اور اس مادّی زندگی کا سامان فراہم ہوجاتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جو زمین اچھی ہوتی ہے اِس میں اللہ کے حُکم سے خوب پھل اور اَناج پیدا ہوتا ہے لیکن جو زمین خراب ہوتی ہے اس میں اس بارش کے بعد بھی یا تو کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر پیدا ہوتا بھی ہے تو بس جھاڑ جھنکاڑ۔ اسی طرح ہواؤں کا چلنا۔ بادلوں کا اُٹھنا۔ پانی کا برسنا، اور زمین کے پیٹ سے سبزہ اُگنا ایسا عجیب وغریب انتظام ہے کہ اُس کی تفصیلات پر جس قدر غور کیا جائے اسی قدر یہ یقین بڑھتا ہے کہ اس انتظام کے پیچھے یقیناً ایک سوچا سمجھا منصوبہ ہے اور اس منصوبہ کا سِرا اس ذات کے ہاتھ میں ہے جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے اور جو ساری کائنات کی پرورش اور دیکھ بھال کا کام بھی کر رہی ہے۔

یہی حال ہماری اخلاقی اور رُوحانی زندگی کا بھی ہے۔ ہماری مادّی زندگی کی طرح اللہ تعالٰی نے ہماری اخلاقی اور رُوحانی زندگی کے لیے بھی انتظام فرمایا ہے۔ انسانوں کی رُوحانی زندگی

مُردہ پڑی ہوتی ہے۔ اخلاق کی برکتوں سے زندگی محروم ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت انسانوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ رسُولوں کی آمد اور وحی کے نزول کی شکل میں رحمت کے بادل اُمڈتے ہیں۔ خُدائی تعلیمات اور ہدایات کی بارش ہونے لگتی ہے۔ مُردہ پڑی ہوئی انسانیت یکایک جاگ اُٹھتی ہے۔ رُوحانی اور اخلاقی دُنیا لہلہانے لگتی ہے، بھلائیوں اور نیکیوں کے خزانے اُبل پڑتے ہیں اور دُنیا کو زندگی مل جاتی ہے۔

لیکن بھائیو! جس طرح بارش کے ہونے سے ساری برکتیں اسی زمین کو حاصل ہوتی ہیں جو اچھی اور زرخیز ہوتی ہے اور جس کی صلاحیتیں محض پانی نہ ملنے کی وجہ سے دبی پڑی ہوتی ہیں۔ اِسی طرح رسالت اور خدائی تعلیمات کی ان برکتوں سے بھی صرف وہی فائدہ اُٹھاتے ہیں جو حقیقت میں صالح ہوتے ہیں اور جن کی صلاحیتیں محض رہنمائی نہ ہونے کی وجہ سے ظاہر نہیں ہونے پاتیں اور دبی پڑی رہتی ہے۔ رہے وہ لوگ جو شرارت پسند ہوتے ہیں، اور جن کی طبیعت میں ٹیڑھ اور ناپاکی جم جاتی ہے، تو جس طرح اُوسر زمین بارش سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتی بلکہ پانی پڑتے ہی اپنے پیٹ کے چھپے ہوئے زہر کو کانٹوں اور جھاڑیوں کی صورت میں اُگل دیتی ہے۔ اسی طرح رسالت اور خدائی رہنمائی کے ظاہر ہونے سے اُنھیں بھی کوئی نفع نہیں پہنچتا بلکہ اس کے برخلاف اُن کے اندر دبی ہوئی ساری خباثتیں اور شرارتیں اُبھر کر پُوری طرح سامنے آجاتی ہیں۔

بھائیو! اس مثال کو سامنے رکھ کر اگر دُنیا کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو صاف سمجھ میں آتا ہے کہ ہر زمانے میں نبی کی بعثت کے بعد انسانیت دو حصوں میں تقسیم ہوتی رہی ہے ایک پاکیزہ اور صالح حصہ جس نے رسالت اور تعلیمات آلہٰی سے فائدہ اُٹھایا۔ اخلاقی اور رُوحانی اعتبار سے خوب پھلا پھُولا اور کامیابی سے دوچار ہوا۔ دوسرا شریر اور ناپاک حصہ جس نے اس رحمت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ اُلٹا اس کے اندر چھُپی ہوئی خباثت اور شرارت اور زیادہ نمایاں ہوگئی۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے انسانی تاریخ کے ایسے موٹے موٹے واقعات کو بار بار دُہرایا ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ رسالت اور وحی کی شکل میں اللہ تعالےٰ کی رحمت کا نزول تو ہمیشہ ہوتا رہا ہے اب یہ انسان کی اپنی خوش نصیبی یا بدنصیبی کا سوال ہے کہ اس نے اس سے کیا اثر قبول کیا اور

کس طرح فائدہ اُٹھایا حضرت نوح علیہ السّلام تشریف لائے۔ اپنی قوم کو دعوت دی کہ بھائیو! اللہ کی بندگی اختیار کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی خُدا نہیں ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے اور اُسی کی اطاعت ہونا چاہیے۔ اگر تم ایسا نہیں کروگے تو مجھے تمھارے بارے میں ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ قوم کے سرداروں نے یہ بات سُنی تو بولے "تم بھٹک گئے۔ باپ دادا کے رستے کو چھوڑ بیٹھے۔ ہم بھلا تمھارے کہنے میں کیوں آنے لگے"۔ اللہ کے رسول نے پھر سمجھایا کہ نہیں بات اس طرح نہیں ہے۔ میں یقیناً رب العالمین کی طرف سے پیام لے کر آیا ہوں، تمھارا خیر خواہ ہوں، اور مجھے جس حقیقت کا علم ہے تم اس سے بے خبر ہو۔ لیکن کیا ہوا؟

تھوڑے سے نیک لوگوں کے سوا قوم نے انھیں جھٹلا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھیوں کو ایک کشتی میں نجات دی اور ان لوگوں کو ڈبو دیا جنھوں نے خُدائی رہنمائی سے منھ موڑا تھا۔

یہی حال قوم عاد کا ہوا۔ حضرت ہود علیہ السّلام نے وہی پیام انھیں بھی پہنچایا۔ فرمایا۔ "بھائیو! اللہ کی بندگی اختیار کرو۔ اس کے سوا تمھارا کوئی خُدا نہیں۔ وہی عبادت کے لائق ہے اور اسی کی اطاعت ہونا چاہیے"۔ قوم کے سرداروں نے کہا "ہم تو سمجھتے ہیں تمہاری عقل ماری گئی، اور تم بالکل جھوٹے ہو"۔ اللہ کے نبی نے پھر سمجھایا، کہ "بھائیو! نہیں، میں بے عقلی کی باتیں نہیں کر رہا ہوں۔ میں یقیناً رب العالمین کی طرف سے پیغامات لے کر آیا ہوں اور تمھارا سچا خیر خواہ ہوں۔ آخر تمہیں اس پر تعجب کیوں ہو رہا ہے کہ تمھارے رب نے تمہاری قوم میں سے ہی ایک شخص کو اپنا پیام دے کر بھیج دیا ہے"۔ یہ سُن کر قوم کے لوگ بولے۔ "یہ خوب رہی کہ ہم بس ایک اللہ کی عبادت کریں اور باقی اُن سب کو چھوڑ دیں جن کی پُوجا ہمارے باپ دادا سے ہوتی آئی ہے"۔ ــــ لیکن اِس انکار کا انجام کیا ہوا؟ اللہ کا عذاب آیا، حضرت ہود علیہ السّلام اور اُن کے ساتھی بچا لیے گئے اور اس قوم کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی اس کا کہیں نام ونشان باقی نہیں رہا۔

اِسی طرح قوم ثمود کا حال ہوا۔ حضرت صالح علیہ السّلام نے انھیں بھی یہی پیام دیا کہ "بھائیو! اللہ کی بندگی اختیار کرو! اس کے سوا تمھارا کوئی خدا نہیں۔ وہی عبادت کے لائق ہے

اور اس کی اطاعت ہونا چاہیے"۔ قوم کے سرداروں نے جو بڑے بنے ہوئے تھے۔ کمزور طبقے کے ان لوگوں سے جو حضرت صالح علیہ السّلام پر ایمان لے آئے تھے کہا کیا "تم واقعی یہ مانتے ہو کہ صالح اپنے رب کا پیغمبر ہے؟" انھوں نے جواب دیا "بے شک ہم اسے اور اُس کے لائے ہوئے پیام کو سچا مانتے ہیں"۔۔۔ قوم کے سرداروں نے ان لوگوں کے اس جواب کو برداشت نہیں کیا۔ نبی نے جس اونٹنی کو معجزے کے طور پر ان کے سامنے پیش کیا تھا اُسے مار ڈالا۔ آخرکار ایک دہلا دینے والی آفت کی شکل میں اللہ کے عذاب نے انھیں آلیا۔ اور حضرت صالح علیہ السلام یہ کہتے ہوئے اس بستی سے چلے گئے کہ "لوگو! میں نے تو اپنے رب کا پیغام تمھیں پہنچا دیا، اور بہت کچھ تمھاری خیر خواہی کی لیکن کیا کیا جائے کہ تمھیں اپنے خیر خواہ پسند ہی نہیں ہیں"۔

یہی حال قوم لوط کا ہوا۔ یہی حال مدین کے باشندوں کا ہوا، اور اسی طرح کا معاملہ حضرت موسیٰ اور فرعون کے ساتھ ہوا۔ غرض یہ کہ انسانی تاریخ کے بے شمار واقعات گواہ ہیں کہ اللہ کی سُنّت ہمیشہ یہی رہی ہے۔ سب سے آخر میں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا نتیجہ بھی اسی طرح برآمد ہوا۔ جن میں صلاحیت تھی انھوں نے اللہ کے رسول کی رہنمائی سے فائدہ اُٹھایا۔ یہی لوگ انسانی تاریخ کے چمکتے ہوئے تارے ثابت ہوئے اور جنھوں نے اس کی رحمت سے منھ موڑا ان کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔

بھائیو! آج بھی انسانیت کے سامنے یہی سوال درپیش ہے ایک طرف رسالت کی روشنی اور الٰہی تعلیمات کی نعمت ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ یہ نعمت اپنی اصل حیثیت میں مُردہ انسانیت کو اخلاقی اور رُوحانی زندگی بخشنے کے لیے موجود ہے۔ دوسری طرف ہدایت و رہنمائی کی پیاسی انسانیت ہے اور ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اس نعمت کی قدر جاننے والی اُمّت کا کوئی گروہ اُٹھے اور اُس کی بارانِ رحمت کو صحیح طریقے پر انسانیت کی مُردہ اور خشک زمین تک پہنچا دے اس کے بعد ہی یہ فیصلہ ہو سکتا ہے کہ اخلاق اور روحانیت کے اعتبار سے کہاں کہاں زرخیزی موجود ہے اور کون کون سے علاقے بنجر اور اُوسر ہیں۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ یہ کام ہمیشہ انبیا علیہم السّلام سے لیا گیا ہے اور اُمّتِ مُسلمہ کا یہ شرف ہے کہ اب قیامت تک یہ کام اسی اُمّت سے لیا جائے گا۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس

سعادت کو حاصل کریں اور اس کے لیے اپنا سب کچھ لگا دینے کا فیصلہ کرلیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ عِبَادَ اللّٰهِ۔ وَاهْتَدُوْا بِهَدْيِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ۔

موت کی یاد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اَحْمَدُہٗ سُبْحٰنَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ ھُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْہِ اٰمَنَّا بِہٖ وَتَوَکَّلْنَا عَلَیْہِ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہِ الَّذِیْنَ اَخَذُوْا بِسُنَّتِہٖ وَاقْتَدَوْا بِاَمْرِہٖ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ تُوْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا وَبَادِرُوْٓا اِلَی الْاَعْمَالِ الصَّالِحَۃِ قَبْلَ اَنْ تُشْغَلُوْا۔

بزرگو اور عزیزو! موت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہ کسی نے کیا ہے اور نہ کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ وہ حقیقت ہے جسے انسان اکثر بھولا رہتا ہے۔ کم ہی حقیقتیں ایسی ہوں گی جن کی طرف سے انسان غفلت برتتا ہو، لیکن موت ہم میں سے کم ہی لوگوں کو یاد رہتی ہے، اور کم ہی خوش نصیب ایسے ہیں جو زندگی میں ہر قدم اس احساس کے ساتھ اُٹھاتے ہوں کہ ایک دن مرنا بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کو یاد رکھنے کی تاکید فرمائی ہے، اس لیے کہ اگر انسان کو موت یاد رہے تو وہ سرکشی، ظلم اور گناہوں سے بچے گا، اس کے اخلاق میں بلندی اور کردار میں پختگی پیدا ہوگی۔

موت کی یاد کے لیے بہترین وقت تو وہ ہوتا ہے جب ہم اپنے میں سے کسی کو ہمیشہ کے لیے اپنے سے جدا ہوتے دیکھتے ہیں، اور وہ ساری کیفیتیں ہمارے سامنے ہوتی ہیں جن سے بہرحال ہمیں بھی گزرنا ہے۔ جنازوں کی شرکت اس مقصد کے لیے انتہائی مفید ہو سکتی ہے لیکن اس غفلت کو کیا کہیے کہ اب جنازوں کی شرکت بھی اس مقصد کے لیے کم ہی مفید ہوتی ہے۔

دوستی کے نباہنے، عزیزداری کے تعلقات قایم رکھنے، مرنے والے کے وارثوں پر احسان جتانے یا اسی قسم کے کسی دوسرے معاشرتی دباؤ کی وجہ سے جو لوگ جنازوں میں شریک ہوتے ہیں انھیں یہ توفیق نہیں ملتی کہ وہ اس سے موت کی یاد کا مقصد حاصل کر سکیں، اور کوئی حقیقی فائدہ اٹھا سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ جنازوں میں شریک بھی ہوتے ہیں، میت کے ساتھ قبرستان تک بھی جاتے ہیں، مٹی دیتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اس موقع پر بھی اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف رہتے ہیں اور اکثر بے محل اور فضول باتیں کرتے رہتے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ زندگی کے مشغلوں نے ذہن کو اتنا گھیر لیا ہے کہ ذہن میں موت جیسی حقیقت کا خیال بھی نہیں آتا۔ آپ خود کہیں گے کہ یقیناً یہ بات انتہائی توجہ کے قابل ہے اور اس سے ہمارے ایک بڑے قلبی مرض کا پتہ لگتا ہے اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ اس مرض کو دُور کرنے کے لیے کیا کوششیں کرتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ذہن کی اس خرابی کو دُور کرنے کے لیے بہت سی ہدایتیں دی ہیں۔ خود قرآن پاک کا مطالعہ اس مقصد کے لیے سب سے زیادہ کارگر علاج ہے، اس کے ساتھ ہی قبروں کی زیارت کرنا بھی ایک مؤثر طریقہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ أَلَا فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُرِقُّ الْقَلْبَ وَتُدْمِعُ الْعَيْنَ وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا[1] "دیکھو، اب تم قبروں کی زیارت کرلیا کرو، کیونکہ اس سے دل میں نرمی پیدا ہوتی ہے، آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں، اور آخرت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، اور (اس موقع پر) فضول باتوں سے پرہیز کرنا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی روشنی میں ہمیں یہ ہدایت ملتی ہے کہ قبرستانوں میں جاکر ہم اپنے اندر اس کیفیت کو پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ یہ ہمارے لیے مفید ہوگا۔ دل کی نرمی انسان کو بہت سی لغزشوں سے بچاتی ہے، اور آنکھیں جب اللہ کے خوف اور موت کی یاد سے تر ہو جاتی ہیں تو پھر انسان کے لیے اللہ کی نافرمانی کی راہ پر چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آخرت کی یاد ہماری اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے یہی وہ فائدے ہیں جو ہمیں قبرستان جاکر حاصل ہونا چاہییں۔ لیکن اگر کوئی شخص قبروں پر جاکر یہ فائدے

---

[1] مستدرک للحاکم

حاصل نہ کرسکے اور فضول باتوں میں لگ جائے تو ظاہر ہے اس کا قبروں پر جانا مفید ہونے کے بجائے مُضر ہی ہوگا۔ فضول باتوں میں یہ بھی شامل ہے کہ انسان قبرستان تو جائے لیکن وہاں اِدھر اُدھر کی فضول باتوں میں لگا رہے، یا قبروں پر جاکر وہ حرکتیں کرنے لگے جو اللہ کی ناخوشی اور ناراضی کا سبب ہیں۔ ایسی صورت میں قبروں پر جانا کبھی مفید نہیں ہوسکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد گرامی ہے فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّ فِیْهَا عِبْرَۃً[1] "قبروں کی زیارت کرو، کیونکہ اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے"۔ آپ جانتے ہیں کہ عبرت اسی کا نام ہے کہ آدمی کسی حالت کو دیکھے اور اس سے سبق حاصل کرے، اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔ مثلاً آپ کسی مشہور اور طاقتور حکمران کے مقبرے کو دیکھیں اور اس وقت آپ کو یہ یاد آئے کہ ایک وقت تھا کہ اُن کی شان وشوکت کے ڈنکے بجتے تھے، لوگ ان کے نام سے کانپتے تھے۔ لیکن اب بے بسی کا یہ حال ہے کہ ہزاروں مَن مٹی کے نیچے کب کے خاک میں مل چکے۔ اور اس وقت آپ کو یہ یاد آجائے کہ ہر بلندی کے لیے اسی طرح پستی مقدر ہے، اور ہر متنفس کو بہر حال اسی حقیقت سے دوچار ہونا ہے۔ یہ اور اسی طرح کے بہت سے خیالات ہیں، جو گورستان میں جاکر آپ کے ذہنوں میں اُبھر سکتے ہیں اور اُن سے آپ سبق لے سکتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کُنْتُ نَهَیْتُکُمْ عَنْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِی الدُّنْیَا وَتُذَکِّرُ الْاٰخِرَۃَ[2] "میں نے تم کو قبروں پر جانے سے تم کو منع کیا تھا، اب قبروں کی زیارت کیا کرو۔ اِس لیے کہ اِس سے دُنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے"۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا۔ فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَکِّرُ الْمَوْتَ[3]۔ "قبروں کی زیارت کیا کرو، اِس سے موت یاد آتی ہے"۔

عزیزو اور دوستو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اتنے واضح ہیں کہ ان کی موجودگی میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے کے سلسلے میں صحیح روش کیا ہوسکتی

---

[1] مستدرک للحاکم [2] ابن ماجہ [3] مشکوٰۃ

ہے ۔دُنیا کی رغبت اور محبت اور موت کو یاد نہ رکھنا بے شمار خرابیوں کی جڑ ہے۔ ہماری اصلاح کے لیے ہر وقت اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم دُنیا میں اتنے لت پت نہ ہو جائیں کہ ہمیں نہ خدا یاد آئے اور نہ اپنی موت ۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے قبروں کی زیارت مفید ہے ہماری اس بدنصیبی کو کیا کہیئے کہ ہم نے اس مفید چیز کو بھی اپنے لیے مضر بنالیا ہے ۔کتنے ہی مُسلمان ہیں جنھوں نے حضوؐر کی اِس اجازت کا سہارا لے کر قبروں کی زیارت کے ایسے ڈھنگ ایجاد کر لیے جس سے یہ فائدے تو کیا حاصل ہوتے جن کے لیے حضوؐر نے اس کی اجازت دی تھی ۔ اُلٹا دین و ایمان کو خطرے میں ڈالنے والی سیکڑوں باتیں رائج ہو گئیں ۔ہم میں سے ہر شخص کو کوشش کرنا چاہیے کہ وہ خود اپنی ذات کو ان خرابیوں سے محفوظ رکھے ، دوسروں پر چاہے ہمارا کوئی بس نہ چلے لیکن خود اپنے پر تو اختیار حاصل ہے اور پہلی منزل یہی ہے کہ انسان دوسروں سے پہلے خود اپنی ذات کی طرف متوجہ ہو۔

بھائیو اور عزیزو! قبروں کی زیارت کرنے کا ایک پہلو تو وہ ہے جس کی طرف اِن حدیثوں میں اشارہ ملتا ہے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے رکھیں ۔ ان کے علاوہ ایک پہلو اور بھی ہے حضوؐر نے فرمایا ۔ مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَهٗ وَكُتِبَ بَرًّا ۔ جو شخص ہر جمعہ کو اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر پر جاتا ہے اُس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اُس کے نیک ہونے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے ۔" نیز فرمایا مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ اِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِيْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُدْخِلُ عَلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ ۔" مُردہ قبر میں اُس ڈوبنے والے کی طرح ہے جو فریاد کر رہا ہو ۔ وہ ماں یا باپ یا بھائی ! یا دوست کی طرف سے دُعا کا انتظار کرتا رہتا ہے اور جب اُسے یہ دُعا پہنچتی ہے تو وہ اس دُعا کو دُنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب رکھتا ہے اور یقیناً خُدائے تعالیٰ دُنیا والوں کی دُعاؤں کو پہاڑوں کے برابر کر کے قبر والوں تک پہنچاتا ہے یاد رہے کہ دُعائے استغفار زندوں کی طرف سے مُردوں کے لیے ایک تحفہ ہے ۔"

اِن ارشادات کی روشنی میں ہمیں دوسری ہدایت یہ ملتی ہے کہ ہم اپنے مُردوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعائے مغفرت کریں اور ان میں ماں باپ کا درجہ سب سے زیادہ ہے جس طرح زندگی میں ان کے حقوق ہم پر سب سے زیادہ تھے۔ اِسی طرح مرنے کے بعد بھی اگر ہم ان کے حقوق کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے واسطے دُعائے مغفرت کا اہتمام کریں تو یہ خود ہمارے لیے خیر کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرمائے گا اور ہمیں اپنا نیک بندہ بننے کی سعادت عطا فرمائے گا۔ ہمیں اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ ہم جن لوگوں کو عزیز رکھتے ہیں یا جن بزرگوں سے ہمیں عقیدت ہے ہم ان کے لیے دُعائے مغفرت کریں۔ یہی ہماری طرف سے ان کے لیے بہترین تحفہ ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ ہر شخص اللہ کی رحمت اور مغفرت کا محتاج ہے، کوئی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے لیے مغفرت کی طلب فرماتے تھے۔ قبروں پر جانے کا یہ دوسرا پہلو ہے۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اللہ کی کتاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ۔ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ ۔ وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا ۔ اَحْمَدُہٗ سُبْحٰنَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَارَبَّ لَنَا سِوَاہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّآ اِیَّاہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔ اَمَّا بَعْدُ ۔

بھائیو! ہم پر اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں لیکن ہماری نظر میں اِن سب نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اس کی بھیجی ہوئی کتاب ہے۔ یہی وہ روشنی ہے جو ہمیں زندگی کی سیدھی راہ دکھاتی ہے وہ راہ جس پر چل کر ہم کامیاب ہو سکتے ہیں۔ اس میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ پکّی اور اٹل ہیں۔ وہ ایک دانا اور باخبر ہستی کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ اس کی ہر بات جچی اور تلی ہے یہ نہ خطابت کی ساحری ہے اور نہ تخیل کی شاعری۔ اس کے پیچھے حقیقت ہی حقیقت ہے۔ اس میں جو کچھ بیان ہوا ہے اُس کی بُنیاد علم پر ہے۔ ایسا علم جس کے سامنے ماضی، حال اور مستقبل سب روشن ہے۔ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں انسان کی سچی ہدایت اور اس کی حقیقی کامیابی کے لیے جو کچھ مطلوب تھا وہ سب اس کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کا کوئی بیان اُلجھا ہوا نہیں۔ کوئی بات گنجلک اور مُبہم نہیں۔

عزیزو! اِس کتاب کی بنیادی دعوت یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا اِلٰہ نہ بنائے۔ سوائے اِس کے کسی دوسرے کی بندگی نہ کرے عبادت اور اطاعت صرف اسی کے لیے مخصوص ہے۔ یہ کتاب اِنسانوں کو اس حقیقی مالک کی طرف بلاتی ہے جو ان کا اور سارے عالم کا خالق ہے۔ اِس کتاب کی دعوت یہ ہے کہ لوگ اپنے رَب سے معافی چاہیں اپنی غلطیوں

کو محسوس کریں اور اسی کی طرف پلٹ جائیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو اس زندگی میں بھی سُکھ پائیں گے اور پھر اس کے بعد اس سدا رہنے وَالی زندگی میں بھی ہمیشہ کا چین اور آرام انہی کے لیے ہوگا۔ قرآن زندگی کا جو نقشہ پیش کرتا ہے اُسے اگر اپنایا جائے اور سماج کی تعمیر اس کے بتائے ہوئے اُصولوں پر کی جائے تو جب تک انسان اِس دُنیا میں رہے گا اُس پر اللہ کی نعمتیں برسیں گی۔ وہ خوش حال اور فارغ البال رہے گا۔ زندگی میں اَمن اور چین نصیب ہوگا، ذلّت اور خواری کے بدَلے عزت اور شرف ملے گا۔

بھائیو! دُنیا کے ہر پرستار کے کان میں شیطان نے یہ پھونک دیا ہے کہ خُدا پرستی اور راست بازی کا طریقہ اختیار کرنے سے آدمی کی آخرت بنتی ہو تو بنتی ہو مگر دُنیا ضرور بگڑ جاتی ہے اس نے یہ بات دِلوں میں بٹھادی ہے کہ آج کل ایمانداری کا زمانہ نہیں۔ اگر کوئی سچائی، امانت اور دیانت کے اُصول برتے گا تو ضرور برباد ہو جائے گا اور یہ کہ ایسے لوگوں کے لیے دُنیا میں فاقہ مستی اور خستہ حالی کے سوا کوئی زندگی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اس بات کی تردید فرماتا ہے۔ اُس کا ارشاد ہے کہ :۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

جو شخص بھی ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے گا، چاہے وہ مَرد ہو، یا عورت ہم اُس کو پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ راہ راست اختیار کرنے سے صِرف تمہاری آخرت ہی نہیں بلکہ دُنیا بھی بنے گی۔ اگرچہ مؤمن کا اصل مقصود تو آخرت ہی ہے اور وہ اس سودے کو بھی گراں نہیں سمجھتا کہ آخرت کے فائدے کے لیے وہ دُنیا کا سب کچھ دے ڈالے لیکن اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ آخرت کی طرح اِس دُنیا کی حقیقی عزت و کامیابی بھی ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے جو سچی خُدا پرستی کے ساتھ صالح زندگی بسر کریں جن کے اخلاق پاکیزہ ہوں، جن کے معاملات دُرست ہوں جن پر ہر معاملے میں بھروسہ کیا جا سکے، جن سے ہر شخص بھلائی کا متوقع ہو اور جن سے کسی انسان یا کسی قوم کو شر کا اندیشہ نہ ہو — بھائیو! اللہ تعالےٰ کے اِس وعدے کو سامنے رکھیے لیکن ساتھ ہی ایک اور حقیقت بھی ہے جو کبھی آپ کی نظروں سے اوجھل نہ ہونے

پائے۔ قرآن مجید کی رُو سے دُنیا کا ساز و سامان دو قسم کا ہے۔ ایک تو وہ سرو سامان ہے جو خُدا سے پھرے ہوئے لوگوں کو فتنے میں ڈالنے کے لیے دیا جاتا ہے، یہ ساز و سامان اُنھیں بالکل مست اور اندھا کر دیتا ہے۔ اُن پر ہدایت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور انھیں سیدھی راہ دکھائی نہیں دیتی۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے اُن کے حق میں یہ نعمت ہے مگر اصل میں یہ اُن پر آنے والے عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ دوسرا وہ سرو سامان ہے جسے پاکر ایک مومن اپنے خُدا کا اور زیادہ شکرگزار بنتا ہے وہ اس سے خدا اور بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے۔ خُدا کے دیئے ہوئے وسائل پاکر وہ خیر کو پھیلاتا ہے اور شر کو مٹاتا ہے، یہ ایسا سرمایہ ہے جس کا فائدہ دُنیا سے لے کر آخرت تک وسیع ہے۔ اِس سے مومن یہاں بھی آرام پاتا ہے اور اس کے نتیجے میں اُسے آخرت کا عیش بھی مِلتا ہے۔

بھائیو! ایمان اور عمل صالح بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی کی طرف میں آپ کو متوجہ کرتا ہوں اور اسی کے اختیار کرنے کے لیے آپ کو دعوت دیتا ہوں ـــــ اللہ مجھے اور آپ کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے۔ یہی اس کا سب سے بڑا کرم ہے اور یہی ہم اس سے طلب کرتے ہیں۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِي وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ۔ وَغَفَرَ لِي وَلَكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔
اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

شیطان کا شر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ خَالِقِ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ۔ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَايَاْتِيْ بِالْحَسَنٰتِ اِلَّا هُوَ، وَلَايَدْفَعُ السَّيِّاٰتِ اِلَّاهُوَ، عَزَّجَارُهٗ وَجَلَّ ثَنَاءُهٗ۔ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ هَدْيُهٗ خَيْرُ الْهَدْيِ وَاُمَّتُهٗ خَيْرُ الْاُمَمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَسَلَّمَ ــــ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ۔

عزیزو اور دوستو! اپنے جس دشمن کو آپ پہچانتے ہیں اور اُس کی تدبیروں سے باخبر ہو جاتے ہیں، اس کے شر سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے آپ کچھ نہ کچھ صورتیں بھی پیدا کر لیتے ہیں لیکن اگر دشمن چھُپا ہوا ہو، اور اُس کی تدبیروں کا آپ کو پتہ نہ چلے تو آپ کے لیے زیادہ نقصان اُٹھانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یہ بات تو آپ سب جانتے ہیں کہ ہمارا اور آپ کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے۔ کیونکہ یہ ہماری اس زندگی کو برباد کرنے کے پیچھے پڑا ہوا ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔ پھر یہ دشمن ہماری نظروں سے چھُپا ہوا بھی ہے۔ اور اُس کی تدبیروں کا علم ہمیں کم ہی ہو پاتا ہے ــــ انسان کے لیے سب سے بڑا مسئلہ اسی دشمن کی زد سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ یہ مسئلہ کئی وجہ سے انتہائی اہم بن گیا ہے۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ انسان اپنی نادانی اور غفلت کی وجہ سے اور اپنے نفس کی خواہشوں سے مجبور ہو کر اپنے اس سب سے بڑے دشمن کو مانتا ہی نہیں۔ کیونکہ یہ دشمن اُس کی بربادی

کے لیے جو صُورتیں تجویز کرتا ہے ان میں اِنسان کے لیے بڑی لذت ہے انسان کا نفس چاہتا ہے کہ اُسے ہر طرح چھوٹ ملے، وہ ذمہ داریوں سے بھاگتا ہے۔ مستقبل اور انجام کا سوال اُسے پسند نہیں۔ چنانچہ ہمارا سب سے بڑا دشمن ہماری بربادی کے لیے جو صُورتیں اختیار کرتا ہے۔ اُن میں نفس کی ان تمام خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور اس طرح یہ دشمن بڑے اطمینان سے اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ آپ کی اُنگلی میں وہ پھانس جو آپ کو تکلیف دیتی ہے آپ کو متوجہ کر لیتی ہے کہ آپ اسے دُور کریں، لیکن اگر اِسی پھانس کے لگنے میں آپ کو کچھ مزا آنے لگے تو پھر یہ آسان کام نہیں کہ آدمی اُنگلی کے آیندہ پک جانے اور سڑ جانے کا خیال کرکے اِس مزا دینے والی پھانس کو بھی دُور کرنے کے لیے بے چین ہو جائے۔

بھائیو! ہمارے دُشمن شیطان کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ یہ ہمارا ایسا چُھپا ہوا دشمن ہے جس کی چالیں بڑی مزے دار ہیں اور جس کے مشوروں میں ہمارے نفس کے لیے لذتیں ہی لذتیں ہیں۔ ایسے سخت دشمن سے بچنے کے لیے انسان کو سمجھ دی گئی ہے۔ اللہ کے رسول نے ہمیں شیطان کی تمام چالوں سے خبردار کر دیا ہے، اور ہمارے نفع اور نُقصان کے تمام پہلوؤں کو ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم عقل سے کام لیں اور اپنے اس دشمن کو کامیاب نہ ہونے دیں۔

یوں تو شیطان کی چالیں بے شمار ہیں، اور ہزاروں طریقوں سے وہ انسان کی بربادی کا انتظام کرتا ہے۔ لیکن اگر ہم اُس کی چالوں کو بڑی بڑی قسموں میں تقسیم کرنا چاہیں تو اُس کی چھ قسمیں ہو سکتی ہیں، ان کو اچھی طرح پہچان لینے کا ایک فائدہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اس کے شر سے محفوظ رہنے کی کوشش میں کامیاب ہو جائیں۔

شیطان کے شر کی پہلی صورت تو کفر اور شرک اور اللہ اور اُس کے رسول کی دشمنی ہے، جب شیطان کسی بندے کو اس شر میں مبتلا کر دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اُس کی مسرّت کی انتہا نہیں ہوتی یہی وہ چیز ہے جس کا وہ سب سے زیادہ خواہش مند ہے اور اس کے لیے وہ مُسلسل اپنی کوشش جاری رکھتا ہے، اگر وہ اس کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر اس شخص کو وہ اپنی فوج میں شامل کر لیتا ہے۔ اب یہ شخص خود شیطان کا کام کرتا

ہے اور اُس کا بہترین مددگار ثابت ہوتا ہے۔

لیکن اگر وہ اپنی اِس کوشش میں ناکام رہتا ہے تو اب اپنے دوسرے شر میں مبتلا کرنے کی کوشش شروع کر دیتا ہے۔ یہ بدعت ہے۔ یعنی دین میں کسی ایسی نئی بات کا اضافہ جو اللہ اور اُس کے رسوؐل نے نہ بتائی ہو، شیطان کی نظر میں یہ کام ہر قسم کے گناہ اور بدکاری سے زیادہ عزیز ہے، کیونکہ بدعت کا نقصان براہ راست دین کو پہنچتا ہے اور یہ ایک ایسا نقصان ہے جس کی چھوت ایک سے دوسرے کو لگتی رہتی ہے، اور یہ ایک ایسا گناہ ہے جس سے توبہ کرنے کی توفیق کم ہی نصیب ہوتی ہے، کیونکہ انسان اس گناہ کو ثواب سمجھ کر کرتا رہتا ہے۔ بدعت دراصل کفر اور شرک کا دروازہ ہے، جب کوئی شخص یہاں تک پہنچ جاتا ہے تو وہ بھی شیطان کے مددگاروں میں شامل ہو جاتا ہے۔

اب اگر شیطان اس کوشش میں بھی ناکام رہتا ہے تو پھر وہ بندے کو ایک تیسرے درجہ کے شر میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے یہ کبیرہ گناہ ہیں جس کی بے شمار قسمیں ہیں۔ شیطان کی بڑی خواہش ہوتی ہے کہ بندہ ان میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے خاص طور پر اگر وہ بندہ عالم ہے اور لوگ اس کے کہنے پر چلتے ہیں تو وہ انتہائی کوشش کرتا ہے کہ ایسے شخص کو کبیرہ گناہ میں مبتلا کرے تاکہ جن لوگوں کو اس کی بدولت ہدایت مِل رہی ہے وہ اس سے نفرت کرنے لگیں اور دُور بھاگیں۔ اب اگر کسی سے ایسا گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو پھر شیطان اُسے لوگوں میں اچھی طرح مشہور کرنے کی صورتیں پیدا کرتا ہے۔ اس کام کے لیے اُسے بہت سے لوگ مِل جاتے ہیں جو بُری باتوں کو اِدھر اُدھر پھیلانے میں لُطف لیتے ہیں ان لوگوں کو یہ یاد بھی نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے گندی باتوں کو اِدھر اُدھر پھیلانے کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔

اب اگر شیطان کسی بندے کو اِس شر میں مبتلا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا تو پھر وہ چوتھے درجے کے شر میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور یہ صغیرہ گناہ ہیں، کیونکہ یہ بھی جب زیادہ ہو جاتے ہیں تو بندے کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے اِیَّاکُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ۔ تم لوگ ان گناہوں سے

بھی بچو نہیں جنہیں معمولی سمجھا جاتا ہے۔"

اب اگر کوئی بندہ اس سے بچ جاتا ہے تو پھر اُسے پانچویں درجے کے شر میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے یعنی وہ اُسے ایسے جائز کاموں میں پھنسا دیتا ہے جن کے کرنے میں نہ ثواب ہے اور نہ عذاب - اور اس طرح وہ بندے کو ثواب کے کاموں سے محروم کر دیتا ہے۔

اور آخری درجہ یہ ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ کوئی بندہ انتہائی محتاط ہے، اور وہ کسی غلط راہ پر قدم اُٹھاتا ہی نہیں، تو پھر وہ اُسے نیکی کے اُن کاموں میں لگائے رکھنے کی کوشش کرتا ہے جو کم درجہ کے ہیں اور اس طرح نیکی کے اعلیٰ کاموں سے اُسے روک دیتا ہے مثلاً کسی بندے سے نوافل کا اہتمام اتنا زیادہ کراتا ہے کہ فرائض چھوٹ جاتے ہیں اور بندہ یہ سمجھ بھی نہیں پاتا کہ اس وقت نوافل کے اہتمام کے لیے جو دل میں ایک خیال پیدا ہو رہا ہے یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے۔ کیونکہ اُسے یہ خیال ہوتا ہے کہ شیطان بھلا نیکی کے کام پر کیوں اُبھارنے لگا؟

اب اگر شیطان کسی بندۂ مومن کے بارے میں اپنی ان چھوٹی تدبیروں میں ناکام ہو جاتا ہے تو پھر وہ ایک آخری حربہ استعمال کرتا ہے، اور وہ یہ کہ وہ اپنی فوج کے بہت سے سپاہیوں کو جو انسان بھی ہو سکتے ہیں اور جن بھی - اِس کام پر لگا دیتا ہے کہ وہ سب اس بندۂ مومن کو طرح طرح ستائیں، اس پر کفر، گمراہی اور بدعت کے الزام لگائیں، اِس طرح لوگوں کو اس سے دُور رکھیں اور اُس کی باتیں نہ سُننے دیں۔ اس طوفان سے اس بندۂ مومن کا دِل پریشان ہونے لگتا ہے۔ اور وہ ان فتنوں کے دُور کرنے میں لگ کر اپنے اصل کام سے غافل ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی شیطان کو اِس بارے میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ بندۂ مومن اس طوفان میں بہہ جائے اور اپنا مقام چھوڑ کر ان لوگوں کی سطح پر اُتر آئے جو اُسے بدنام کرنے کے لیے اُس کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر ایک سچا مومن اِس طوفان سے بچنے کے لیے صبر اور تحمل کی روش اختیار کرتا ہے اور مرتے دم تک اِس روش پر قائم رہتا ہے۔ بس یہی ایک صورت شیطان کی ناکامی کی ہے

بھائیو اور عزیزو! یہ تفصیلات اگر ہمارے سامنے رہیں تو ہم یہ محسوس کریں گے کہ گویا ہم ہر وقت حالتِ جنگ میں ہیں، ایک بہت زبردست دشمن ہمارے سامنے ہے جو ہمارے دائیں سے بائیں سے، آگے سے پیچھے سے غرض ہر طرف سے ہم پر وار کر رہا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ آخرت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کا دروازہ اسی شخص پر کھلتا ہے جو اِس جنگ میں کامیاب رہے، اللہ اور اُس کے رسولؐ نے شیطان کی اس جنگ میں کامیاب ہونے کے لیے کچھ تدبیریں بتائی ہیں، اور ہمارے ہاتھوں میں ایسے ہتھیار دیئے ہیں کہ اگر ہم اُن سے کام لیتے رہیں تو انشاء اللہ اس جنگ میں ہماری جیت ہوگی۔ ان میں سے کچھ تدبیریں میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

سب سے اہم تدبیر تو یہ ہے کہ انسان ہر وقت شیطان کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگتا رہے، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ "جب کبھی تمھیں شیطان کسی بُرے کام پر اُکسائے تو تم اللہ کی پناہ مانگو، یقیناً وہ سُننے والا اور جاننے والا ہے۔" اس قسم کی ہدایات قرآن میں کئی جگہ آئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کی تاکید فرمائی ہے۔

دوسری تدبیر ہے کہ انسان ایسے موقعے پر قرآن کے کچھ مخصوص حصّے سوچ سمجھ کر پڑھے اس بارے میں قُل اَعوذ برب الفلق، قُل اعوذ برب النّاس۔ پڑھنے کی تاکید آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ شیطان سے بچنے کے لیے ان دو سورتوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح اور شام سورۂ اخلاص تین تین بار پڑھنے کی بھی ہدایت فرمائی ہے۔ اِس مقصد کے لیے آیۃ الکرسی پڑھنا یا سورہ بقرہ کا آخری رکوع پڑھنا یا سورۂ مؤمن کی ابتدائی آیتیں اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ تک پڑھنا بھی مفید بتایا گیا ہے اور یہ تسبیح بھی بہت مفید بتائی گئی ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اِسے اگر آدمی روزانہ سَو بار پڑھے تو شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔

شیطان کے شر سے بچنے کے لیے سب سے اہم بات یہ ہے کہ بندہ کثرت کے ساتھ اللہ

تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے جو دل اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے اسی میں شیطانی وسوسے آسکتے ہیں، شیطان کے شر سے بچنے کے لیے یہ سب سے بڑی ڈھال ہے پھر نماز پڑھنا جو اللہ کے ذکر کی سب سے مکمل صورت ہے۔ اس غرض کے لیے بہت ہی کارگر ہے۔ شرط یہی ہے کہ بندہ پوری توجہ کے ساتھ دل لگا کر اللہ کا ذکر کرے اور نماز پڑھے۔

آخری تدبیر یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اپنے قول اور فعل پر سختی کے ساتھ نظر رکھے، اور کسی ایسی چیز میں اپنے کو مشغول نہ کرے جس سے منع کیا گیا ہو، یا جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ خاص طور پر اپنی آنکھوں اور اپنی زبان کی سخت نگرانی کرے۔ شیطان کی کامیابی کے لیے یہ دو راستے بہت زیادہ عام ہیں۔

اَقُولُ قَوۡلِیۡ هٰذَا وَاَسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ لِیۡ وَلَکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ۔ وَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ۔ اَعُوۡذُ بِهٖ مِنۡ شَرِّ کُلِّ ذِیۡ شَرٍّ هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهٖ اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ۔

نماز

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ - اَلَّذِیْ تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ - اَحْمَدُہٗ وَاَسْتَغْفِرُہٗ - وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْكَ لَہٗ - سَخَّرَلَنَا مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْنَا نِعْمَتَہٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً - فَلَا نَعْبُدُ اِلَّآ اِیَّاہُ - لَہٗ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ - وَاِلَیْهِ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ - وَنَرْجُوْ رَحْمَتَہٗ وَنَخْشٰی عَذَابَہٗ - وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ - سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامُ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَاقْتَدٰی بِاَمْرِهٖ فَقَدْ رَشَدَ وَاهْتَدٰی وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْہُ فَقَدْ ضَلَّ وَغَوٰی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا -

بھائیو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے -

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِیْنَ - "اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو، خصوصاً ایسی نماز کی جس میں نماز کی تمام خوبیاں موجود ہوں اور اللہ کے آگے اس طرح کھڑے ہو جیسے فرمانبردار غلام کھڑے ہوتے ہیں۔"

نیز ارشاد فرمایا - وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ - "جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اُن کا حال یہ ہے کہ اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا - قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ - یقیناً فلاح پائی ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔"

اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ حَافَظَ عَلَی الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ رُكُوْعِهِنَّ وَسُجُوْدِهِنَّ وَمَوَاقِیْتِهِنَّ وَعَلِمَ اَنَّهُنَّ حَقٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ - جو شخص پانچوں وقت کی نمازوں کی نگہداشت رکھے صحیح طریقے پر رکوع کرے

ٹھیک ٹھیک سجدہ کرے، نماز کے اوقات کی پابندی کرے اور اسے یہ یقین ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے عائد کیا ہوا ایک فرض ہے تو وہ جنّت میں داخل ہو گا۔

عزیزو! اور دوستو! ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان نمازوں کو ان کے مقررہ وقتوں میں ادا کریں۔ اور اس طرح ادا کریں جس طرح انھیں ادا کرنا چاہیے اور اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ ہم کسی وقت کی نماز ضائع نہ کریں اور نہ وقت ٹال کر پڑھیں۔ یہ حکم اللہ کی کتاب میں جگہ جگہ موجود ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے بھی یہ حکم بار بار دیا گیا ہے۔ آپ یہ بھی مانتے ہیں کہ نمازوں کے سلسلے میں ہم پر یہ ذمہ داری بھی ڈالی گئی ہے کہ ہم نماز نہایت عاجزی، دل کے جھکاؤ اور اطمینانِ خاطر کے ساتھ ادا کریں۔ اسی بات کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور عمل سے دی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔ اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔" آج ہمارے سامنے بے شمار صحیح احادیث موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نماز کس طرح ادا فرماتے تھے حضورؐ کی نمازیں انتہائی خشوع اور اطمینان کے ساتھ ہوتی تھیں اور حضور اسی کی تلقین فرماتے تھے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا۔ یہ شخص نہ رکوع ٹھیک سے کرتا تھا اور نہ سجدہ حضور نے اُسے دیکھ کر فرمایا اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ "جاؤ واپس جاؤ اور نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی"۔ وہ شخص واپس گیا اور پھر نماز پڑھی۔ لیکن حضورؐ نے پھر وہی ارشاد فرمایا۔ یہ واقعہ تین بار ہوا۔ اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ آپ مجھے سکھا دیجئے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَکَبِّرْ ثُمَّ اقْرَءْ مَا تَیَسَّرَ مَعَکَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْکَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ رَاکِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِکَ فِیْ صَلٰوتِکَ کُلِّھَا۔ جب تم نماز پڑھنے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو پھر جتنا قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھو

پھر رکوع میں جاؤ اور اتنی دیر ٹھہرو کہ اطمینان کے ساتھ رکوع ہو جائے پھر رکوع سے سر اُٹھاؤ یہاں تک کہ بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ، اس کے بعد سجدے میں جاؤ اور اتنا ٹھہرو کہ اطمینان کے ساتھ سجدہ ہو جائے پھر سجدے سے سر اُٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ پھر سجدہ کرو اور اتنا ٹھہرو کہ سجدہ اطمینان کے ساتھ ہو جائے پھر اپنی پوری نماز میں ایسا ہی کرو۔

اِس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ نماز کس طرح سکون اور اطمینان کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ ایسی ہی نماز صحیح ہے اور اسی کے مقبول ہونے کی اُمید کی جاسکتی ہے رہیں وہ نمازیں جو اطمینان کے ساتھ نہ پڑھی جائیں وہ نمازیں صحیح نہیں ہیں۔ ایسی ہی نماز کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جاؤ پھر سے نماز پڑھو۔ تم نے نماز نہیں پڑھی ہے۔

اِس طرح وہ نمازی جو نہ رکوع ٹھیک سے کرتا ہے اور نہ سجدہ اور نہ اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔ اس کے بارے میں یہی سمجھنا چاہیے کہ اس نے نماز کی حفاظت نہیں کی۔ ایسے شخص کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "چور" کہا ہے بلکہ بدترین چور بتایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایسے شخص کو دیکھا جو نہ رکوع ٹھیک سے کرتا تھا اور نہ سجدہ۔ اسے دیکھ کر فرمایا لَوْ مَاتَ هٰذَا عَلٰى حَالَتِهٖ مَاتَ عَلٰى غَيْرِ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ۔ اگر یہ اِسی حال میں مرجاتا تو اس کا خاتمہ ملت محمدی پر نہ ہوتا۔" اِسی طرح جو شخص بلا کسی صحیح عذر کے نماز کا وقت ٹالتا رہتا ہے، اِس کے بارے میں یہی کہا جائے گا اس نے نماز کی حفاظت نہیں کی۔

بھائیو اور عزیزو! نماز اللہ تعالیٰ کے احکام میں سب سے زیادہ اہم حکم ہے۔ مُومن کسی حال میں اُسے نہیں چھوڑ سکتا۔ نماز مُسلمان کی پہچان ہے اور حضرت مسیح علیہ السّلام کے الفاظ میں نماز نفس کی دَوا ہے۔ نماز دل کی حفاظت ہے۔ نماز ایمان کا ہتھیار ہے۔ نماز خواہشات کی لگام ہے۔ نماز بدن کا وہ نمک ہے جو اس کو گناہ کے سبب سے بگڑنے نہیں دیتا۔ نماز ہماری زندگی کے وہ دو ہاتھ ہیں جن کے ذریعہ نمازی قیامت کے دن اپنے آپ کو بچائے گا۔ انسان خطا کرتا ہے، اور ہمارا اللہ ہمارے گناہوں کو نماز کے ذریعہ محو کر دیتا ہے۔

حضرت مسیحؑ نے ایک بار اپنے حواریوں کو نماز کی اہمیت بتاتے ہوئے ایک مثال سے سمجھایا کہ جس طرح کسی مادر زاد اندھے کے آگے ایک گونگا شخص اپنے آپ کو موجود ثابت کرنے پر قدرت نہیں رکھتا اسی طرح انسان بغیر نماز کے یہ قدرت نہیں رکھتا کہ وہ نیک کاموں والا آدمی بن سکے۔

بھائیو! اصلاحِ حال کے لیے نماز قایم کرنا ضروری ہے۔ یہودی اللہ کی نعمتوں کو بھلا بیٹھے تھے۔ اللہ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کو توڑ بیٹھے تھے۔ اور بہت سی ذہنی اور اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اُن کی تمام بیماریوں کا علاج تجویز فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ”نماز قایم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور جو لوگ میرے آگے جھک رہے ہیں اُن کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔“ یوں تو اصلاح حال کا طالب ہر شخص ہے۔ ہم میں سے کون یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ اپنی اصلاح نہیں چاہتا لیکن اس کے باوجود ہم اور آپ سب یہ جانتے ہیں کہ لوگوں کے لیے نماز پڑھنا بڑا سخت کام ہے۔ آج تو ایسے مسلمانوں کی بھی کمی نہیں جو سرے سے نماز پڑھتے ہی نہیں اور جو پڑھتے بھی ہیں ان میں بھی تھوڑے ہی لوگ نماز کا حق ادا کر پاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز انسان کے ایمان کا پیمانہ ہے جس درجہ میں ہمارا ایمان مضبوط ہوگا اتنا ہی ہمیں نماز سے تعلق ہوگا۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ”بلاشبہ نماز ایک سخت اور مشکل کام ہے مگر ان فرمانبردار بندوں کے لیے مشکل نہیں ہے جنھیں یہ یقین ہے کہ انھیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔“

نماز پر قایم رہنے کے لیے ایک طرف تو اللہ، یوم آخرت اور رسالت پر پختہ یقین اور ایمان کی ضرورت ہے دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ انسان کی زندگی برائیوں سے پاک ہو زندگی کا اثر نماز پر پڑتا ہے۔ اگر زندگی برائیوں سے پاک ہوگی تو نماز پڑھنا اور اس کا حق ادا کرنا مشکل کام نہ رہے گا اور اگر نماز اچھی ہوگی تو زندگی بھی برائیوں سے پاک ہوتی چلی جائے گی شیطان جب یہ چاہتا ہے کہ انسان کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو وہ انسان کو برائیوں

میں پھنساتا ہے۔ خاص طور پر گناہ کبیرہ نماز کے لیے بڑی رکاوٹ بنتے ہیں۔

بھائیو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اپنی نمازوں کی حفاظت کرو، ہر نماز ٹھیک وقت پر ادا ہو، جماعت کے ساتھ پڑھی جائے۔ اور جہاں تک ہو سکے، ان تمام شرائط کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے مقرر فرمائی ہیں۔ اس بات کی کوشش ہونا چاہیے کہ نماز میں دھیان اِدھر اُدھر نہ جائے۔ نماز کے الفاظ پر غور کرتے رہنا چاہیے اور اس بات کا دھیان رکھنا چاہیے کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں، اُس سے عرض معروض کر رہا ہوں وہ مجھے دیکھ رہا ہے میری باتیں سُن رہا ہے۔ اُسے میرے دل کے حالات کا علم ہے۔

بھائیو! شیطان ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ بندے کو نماز سے غافل کر دے۔ اس کی پہلی کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ بندہ اپنے رب کو بھولا رہے اور نماز نہ پڑھے اور اگر پڑھے بھی تو اُس کی نماز نہ ہونے پائے اور ہمیں دراصل اپنے اسی دشمن سے مقابلہ کرنا ہے اسی کی کوششوں کو ناکام بنانا ہے۔ اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب آپ ہر وقت ذہن کو حاضر رکھیں اور جب یہ محسوس ہو کہ خیالات اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہیں تو فوراً اللہ کی طرف دھیان لگانے کی کوشش کریں۔ بار بار کوشش کرنے سے کچھ نہ کچھ کامیابی ضرور حاصل ہو گی۔ بندہ جب اللہ کے حضور کھڑا ہو کر عرض معروض کرتا ہے اور اس حال میں اس کا دھیان اِدھر اُدھر بھٹکتا رہتا ہے تو پھر اللہ تعالےٰ بھی اپنے کرم اور مہربانی کے ساتھ بندے کی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

بھائیو! اللہ سے ڈرو، نمازوں کی حفاظت کرو، اپنے بے نمازی بھائیوں کو محبت اور پیار کے ساتھ نماز کی طرف متوجہ کرو اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا اہتمام کرو۔ پوری کوشش اس بات کی ہونا چاہیے کہ نماز نماز کی طرح پڑھی جائے۔ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نابینا صحابی نے اپنا یہ عذر پیش کیا کہ میں نابینا ہونے کی وجہ سے جماعت کے لیے حاضر نہیں ہو سکتا تو کیا میرے لیے اس کی گنجائش ہے کہ میں جماعت میں شرکت نہ کروں، حضورؐ نے پوچھا کہ کیا تم اذان کی پکار سنتے ہو، اُنھوں نے کہا ہاں تو حضورؐ نے فرمایا تو پھر

تو اس کے جواب میں تمھارے لیے مسجد کی حاضری ضروری ہے میں تمھیں اجازت دینے کی کوئی گنجائش نہیں پاتا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے جماعت کی حاضری کتنی ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی مسلمان اس کا تصور نہیں کر سکتا تھا کہ وہ مسلمان رہتے ہوئے بھی جماعت سے غیر حاضر رہ سکتا ہے۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ۔ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ۔ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۔

زکوٰۃ کی ادائیگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وَلَہُ الْکِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا وَّ سُبْحٰنَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہُ الَّذِیْ اَرْسَلَ اِلَی النَّاسِ کَآفَّۃً بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا لِیَکُوْنَ حُجَّۃً عَلَی الْعٰلَمِیْنَ وَرَحْمَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا ـــــ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ ۔ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِکُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ اللّٰہِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۔

بزرگو! اور دوستو!

اللہ کا دین اُس کی سب سے بڑی نعمت ہے، اور شریعت کے احکام ہمارے لیے ایسی رحمت ہیں جس میں ہماری فلاح اور بہبود کے لیے بے شمار پہلو ہیں۔ یہ بات شریعت کے ہر حکم کے بارے میں سچی ہے، اور ذرا غور کیا جائے تو آسانی سے سمجھ میں آتی ہے۔ شریعت کا ایک حکم زکوٰۃ بھی ہے۔ نماز کے بعد اسی کی اہمیت ہے یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ایک فرض ہے۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا سخت گناہ گار ہے۔ اور آخرت میں اللہ کے سخت عذاب سے دوچار ہوگا، اور اس کا اِنکار کرنے والا کافر ہے۔ زکوٰۃ کا اِنکار کر دینے کے بعد ایک شخص کا مقام اِسلام کے اندر نہیں۔ اُس کے باہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اور صدقات کی ادائیگی کا حکم دیتے ہوئے ایک جگہ اس کی علّت بھی بیان فرما دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج آپ اِس علّت پر غور کریں اور سمجھیں کہ شریعت کے اِس حکم میں ہمارے لیے کیا کیا خیر و برکت موجود ہے۔ یوں تو بنیادی طور پر بات یہی ٹھیک ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی صِرف اِسی لیے کرتا ہے کہ اُسے اس بات کا حکم دیا گیا ہے۔ اور صرف اِس لیے کرتا ہے کہ اس کا مالک اس سے راضی ہو جائے، اور اس کے نتیجے میں اُسے آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا گھر ملے، وہ گھر ملے جس کا نام جنت ہے۔ مومن کی ساری دَوڑ دھوپ اپنی اسی آخری کامیابی کے لیے ہے۔ وہ اللہ کو خوش کرنا چاہتا ہے اور اس کی سب سے بڑی تمنا یہی ہے کہ وہ جب کل قیامت کے دن اپنے مالک کے حضور پیش ہو تو ایک وفادار اور اطاعت شعار بندے کی حیثیت سے پیش ہو۔ اس کا مالک اس سے راضی ہو جائے اور اُسے اپنی کبھی نہ ختم ہونے والی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔

لیکن بات صرف اِتنی ہی نہیں ہے، بلکہ شریعت کے احکام کا کچھ فائدہ اس دنیا میں بھی مِلتا ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی علّت بیان فرماتے ہوئے اس کے بے شمار فائدوں میں سے ایک فائدہ یہ بھی بتایا ہے کہ کَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ "تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف دولت مندوں کے گروہ میں ہی گھر کر رہ جائے"۔

بھائیو! اِس سے یہ معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے ان تمام رُوحانی اور اخلاقی فائدوں کے علاوہ جنھیں ہم سب جانتے ہیں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے دولت پھیلتی ہے۔ کسی ایک گروہ کے ہاتھ میں گھر کر نہیں رہ جاتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد بھی فرمایا ہے کہ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ "جو لوگ سونا چاندی خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں نہایت دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ دولت سمیٹ سمیٹ کر رکھی جائے، اور انسان دولت کا سانپ بَن کر اس کی حفاظت کرتا رہے۔ بلکہ اسلام اسے پسند کرتا ہے

کہ دولت چلتی پھرتی رہے کسی خاص گروہ کے قبضے میں اگر قید ہو کر نہ رہ جائے وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں میں تقسیم ہو اور ہمیشہ گردش میں رہے۔ اسلام کا یہ مقصد اس کے قانون وراثت سے بھی حاصل ہوتا ہے، اور زکوٰۃ کے نظم سے بھی۔ اسلام نے دوسروں کے برخلاف یہ قانون نہیں بنایا کہ ایک شخص کے مرنے کے بعد دولت خاندان کے کسی ایک ہی شخص کے پاس منتقل ہو جائے۔ بلکہ اس میں اس نے تمام لڑکوں کو حق دار بنایا، لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کا بھی حصہ مقرر کیا، بیوی کو بھی حصہ دلوایا، اور اسی طرح بہت سے دوسرے رشتہ داروں تک میراث کے حصے پہنچائے۔

پھر اسلام کا دوسرا سخت حکم دیکھیے اس نے سُود کو بالکل حرام کر دیا۔ صاف صاف بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں وہ جذبہ نہیں پیدا کرنا چاہتا جو سُود سے پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے بدلے ان میں وہ جذبہ پیدا کرنا چاہتا ہے جو صدقات اور زکوٰۃ سے پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ۔

بھائیو اور بزرگو! اس ارشاد سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ سود اور زکوٰۃ سے دو مختلف قسم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ان سے دو الگ الگ قسم کے ذہن تیار ہوتے ہیں، جس قوم میں سود کا جذبہ اُبھرے گا اُس کے افراد محبت، ہمدردی اور ایثار کے جذبات سے محروم ہو جائیں گے۔ ان کے اندر سخت دلی، دولت کی محبت اور حرص پیدا ہوگی۔ اس کے مقابلے میں زکوٰۃ سے جو فضا تیار ہوتی ہے اور زکوٰۃ سے جو ذہن پرورش پاتا ہے اِس میں ہمدردی، محبت، ایثار اور نرم دِلی پیدا ہوتی ہے اور انسان ان بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے، جو دولت کی محبت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

اِنسان کوتاہ نظر ہے وہ صرف قریب کی چیز دیکھتا ہے۔ وہ جب اپنے ایک بھائی کو سو روپے قرض دے کر اس سے ایک سو دس وصُول کر لیتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس نے نفع کمایا، اس کی دولت بڑھ گئی، اور اس کے مقابلے میں جب وہ سو روپے پر زکوٰۃ سے نکالتا ہے تو سوچتا ہے کہ اس کی رقم گھٹ گئی، حالانکہ اپنی کمائی کا ایک حصہ جماعت کے دوسرے لوگوں کو دے دینا دراصل کھونا نہیں بلکہ پانا ہے۔ اور جماعت کے لوگوں کو اُن کی کمائی سے محروم کر کے

اپنی جیب میں اضافہ کرلینا اپنی اصل کے اعتبار سے کھونا ہے، پانا نہیں۔ اِس نکتہ کو سمجھنے کے لیے کچھ حکمت کی ضرورت ہے، اور مومن سے بڑھ کر صاحبِ حکمت کون ہوسکتا ہے؟ دیکھیے اس بات کو دو پہلوؤں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک پہلو تو یہ ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنا اپنی اصل کے اعتبار سے جمع کرنا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنے ذمہ قرض حسنہ فرمایا ہے۔ گویا جب آپ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کا قرضدار ہو جاتا ہے، اور وہ فرماتا ہے کہ "میں تم کو اتنا ہی واپس نہ کروں گا جتنا تم نے دیا ہے، بلکہ اس سے بہت زیادہ دوں گا۔" اب سوچیے کہ زمین اور آسمان کے مالک کو اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ وہ آپ سے قرض لے؟ سب کچھ تو اسی کا ہے ہم سب اسی کی بخشش پر تو پل رہے ہیں، ہماری کیا طاقت کہ ہم اسے قرض دیں؟ دراصل یہ اس کی شان کریمی ہے کہ وہ ہم سے خود ہماری بھلائی کے لیے خرچ کرنے کو کہتا ہے، اور اپنے کرم سے اُسے اپنے ذمہ قرض قرار دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ تم اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرو، تاکہ وہ بھی سوسائٹی میں آرام سے زندگی بسر کریں، وہ بھی چین کی نیند سوئیں، وہ خود پریشان ہو کر سوسائٹی کی پریشانی کا سبب نہ بنیں۔ لیکن اُن کے پاس کیا ہے کہ وہ تمھارے احسان کا بدلہ چکائیں۔ لہٰذا تم اُن سے کسی احسان یا بدلے کی اُمید نہ لگاؤ۔ ان کے بدلے اس احسان کا بدلہ میں دوں گا۔ تم اپنے یتیموں، بیواؤں اور غریب رشتہ داروں اور مصیبت زدہ بھائیوں کو جو کچھ دیتے ہو، وہ تم انھیں ان کا حق سمجھتے ہوئے دو، اور اس سب کو میرے نام لکھ لو، اُسے میں اَدا کروں گا، یہ سب میرے ذمہ ہے، اور میں اُسے بڑھا چڑھا کر تمھیں لوٹا دوں گا، تم اُنھیں قرض دے کر اُن سے سود نہ مانگو، اپنا قرض وصول کرنے کے لیے انھیں پریشان نہ کرو، تم اُنھیں جو کچھ دیتے ہو اُس کا جماعتی فائدہ اگرچہ تمھیں ہی ملتا ہے لیکن تمھاری نظریں دُور تک نہیں دیکھتیں، اِس لیے تم یقین رکھو کہ تمھارے خرچ کیے ہوئے مال کی پائی پائی منافع سمیت میں تمھیں لوٹا دوں گا۔

اب بھائیو! ذرا سُود کی حقیقت پر غور کرو۔ آدمی سمجھتا ہے کہ وہ سود پر روپیہ قرض دے کر اپنا روپیہ بڑھاتا ہے، یقیناً روپیہ کچھ بڑھتا ہے لیکن اس سے سوسائٹی کے اندر جس طرح

ہمدردیوں کی جڑ کٹ جاتی ہے، اور خود غرضی جس طرح پنپتی ہے، باہمی محبت کے بدلے نفرت اور رقابت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اور خلوص و یگانگت کے بدلے بے اعتمادی اور بے تعلقی بڑھتی ہے، وہ اجتماعی زندگی کے لیے زہر سے زیادہ خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سُود کی لعنت سے چمٹے رہنے والوں کے لیے فرمایا ہے کہ "یہ لوگ گویا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہیں، اور اس ناپسندیدہ چیز کو نہیں چھوڑتے، جس سے باز رہنے کے لیے انھیں حکم دیا جا رہا ہے"۔

عزیزو اور دوستو! اب آپ غور کریں کہ اگر کوئی شخص اپنے رَویّہ سے اللہ اور اس کے رسولؐ کو ناخوش کر رہا ہے اور اس نعمت سے محروم ہو رہا ہے کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے تو وہ کھو رہا ہے یا پا رہا ہے؟ یقیناً آپ یہی کہیں گے کہ یہ تو سراسر نقصان ہے، کھونا ہی ہے، اس میں پانے کی کوئی بات نہیں۔

اب دوسرے پہلو سے دیکھیے، جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ اِنسان کی نظریں دُور تک نہیں جاتیں، وہ دل کا چھوٹا ہے خود غرض ہے اور جلد باز ہے، چاہتا ہے کہ ہر چیز کا نتیجہ فوراً ہی سامنے آجائے۔ وہ ہر چیز میں اپنے ذاتی فائدے کو دیکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ میرا ہے اس میں کسی کا حصّہ نہیں، اُسے میری ضروریات، میری خواہشات اور میرے آرام اور میری لذتوں پر خرچ ہونا چاہیے یا پھر میں اسے اس طرح خرچ کروں کہ میرا مال کچھ زیادہ ہو کر میرے پاس جلد ہی لوٹ آئے، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو کم سے کم میرا نام ہو، میری عزت بڑھے، میری شہرت ہو، مجھے کوئی عہدہ مِل جائے، لوگوں پر حکومت کرنے کا موقع ہاتھ آئے، ہر جگہ میرا ہی چرچا ہو ـــــــ لیکن اگر مجھے ان میں سے کوئی بات حاصل نہیں ہوتی تو میں اپنا روپیہ کسی بیوہ، کسی یتیم اور کسی محتاج پر کیوں صرف کروں؟ وہ اگر بھوکا مر رہا ہے تو میں کیا کروں؟ اگر اس کی تعلیم کا بندوبست نہیں ہے، اگر علاج کے لیے اس کے پاس کچھ نہیں ہے، اگر اس کا مکان گرا پڑا ہے، اگر وہ مصیبت کے دن کاٹ رہا ہے، تو مجھے کیا؟ یہ بات تو اس کے شوہر یا اس کے باپ کے دیکھنے کی تھی۔ وہ اگر اس کے لیے کچھ چھوڑ جاتا، کوئی جائداد اُن کے نام کر جاتا، تو آج یہ دن کیوں دیکھنا پڑتے۔؟

بھائیو! انسان میں جب اس قسم کی ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ انتہائی خودغرض ہو جاتا ہے۔ اب وہ اپنی دولت پر سانپ بن کر بیٹھتا ہے۔ یا تو کچھ خرچ ہی نہیں کرتا، اور اگر کرتا ہے تو اپنا مال یوں ہی واہی تباہی میں اُڑاتا ہے۔ فضول خرچیاں کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ اپنی لذت نفس کے لیے گانا سُنے، اور اس پر روپیہ خرچ کرے۔ اس کے نتیجے میں سوسائٹی میں ناچنے گانے والے پیدا ہوتے ہیں اور لوگوں کے اخلاق بگڑتے ہیں، وہ عیاشی پر روپیہ اڑاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں سوسائٹی میں وہ لوگ پیدا ہوتے ہیں جن کا وجود ہی سوسائٹی کے لیے باعثِ ننگ ہوتا ہے۔ وہ سینما سے دل بہلانا چاہتا ہے اور اس کے نتیجہ میں مُلک میں اس صنعت کو ترقی ملتی ہے جس سے بڑھ کر اخلاقی گندگی پھیلانے والی شاید ہی کوئی چیز آج تک وجود میں آئی ہو۔ غرض یہ کہ جو روپیہ غلط طریقہ پر خرچ ہوتا ہے اس کا نقصان اتنا ہی نہیں ہوتا کہ خرچ کرنے والے پر غلط اثرات پڑتے ہیں، بلکہ اس کا اثر بہت دُور دُور تک پھیلتا ہے اور ساری سوسائٹی کا مزاج ہی غلط ہونے لگتا ہے پھر جب دولت کے مصرف کا یہ غلط چکر چل پڑتا ہے تو اُس کے نتیجہ میں سُوسائٹی کا ایک حصّہ اپنی ضرورت سے کہیں زیادہ دولت پانے لگتا ہے اور ایک حصّہ غریب ہوتا چلا جاتا ہے، اُن کی زندگی اور تنگ ہوتی چلی جاتی ہے، اور وہ تمام خرابیاں اُبھرنے لگتی ہیں جو غریبی اور محتاجی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اُن میں اخلاقی خرابیاں بھی شامل ہیں اور جسمانی خرابیاں بھی۔ اس صورت حال سے ایک طرف بداخلاقیاں عام ہو جاتی ہیں، بدامنی اور بدکرداری پھیلتی ہے اور دوسری طرف لوگوں کی جسمانی صحت خراب ہوتی ہے اور بیماریاں پھیلتی ہیں۔ لوگوں میں کام کرنے کی قوت کم ہو جاتی ہے۔ قومی پیداوار کا معیار تیزی سے گرنے لگتا ہے کیونکہ نہ تو وہ نادار جو اخلاقی خرابیوں اور بیماریوں کا شکار ہے قومی پیداوار میں مُناسب حصّہ لے پاتا ہے، اور نہ وہ دولت منداس مقصد کے لیے ہاتھ بٹانے کے کام کا رہ جاتا ہے جو ہر وقت اس عیاشی، تفریح اور فضول خرچیوں کے لیے پروگرام بنایا کرتا ہے۔ آخر یہ جاگیردار، نواب، راجے اور دولت مند کب قومی دولت کے اضافہ کا باعث ہوئے ہیں؟

پھر اسی کے ساتھ دولت کی اس غلط تقسیم کے نتیجہ میں جہالت بڑھتی ہے، اخلاق گرتے

ہیں، لوگ جرائم پیشہ ہونے لگتے ہیں، اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ عام امن برباد ہوجاتا ہے۔ فسادات ہوتے ہیں، ڈکیتیاں پڑتی ہیں، قتل و غارت کا بازار گرم ہوتا ہے اور عام لوٹ مار شروع ہوجاتی ہے۔

بھائیو اور عزیزو! غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر آپ اپنی دولت اپنے غریب بھائیوں تک نہیں پہنچاتے، تو یہ نتیجہ کے اعتبار سے کھونا ہے یا پانا؟ اگر آپ اپنے غریب بھائیوں کی مدد کریں گے اور انھیں بھی شریفانہ طور پر زندہ رہنے کا موقع دیں گے تو اس کا نتیجہ یہی تو ہوگا کہ آپ انھیں جو کچھ دیں گے وہ دولت پھر چکّر لگاتی ہوئی آپ ہی کے پاس پہنچے گی۔ ان کی قوت خرید بڑھے گی۔ اس کی وجہ سے جائز ضرورتوں والی چیزیں زیادہ تیار ہوں گی اور قومی پیداوار پر ایک نہایت خوش گوار اثر پڑے گا۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ اگر آپ کی قوم میں ناکارہ اُچکے اور بداخلاق لوگ بڑھیں گے تو یہ آپ کے لیے مُفید ہے یا اس کے بدلے اگر ہُنرمند اور بااخلاق لوگوں کا اضافہ ہوگا تو یہ بہتر ہے؟ سماج اچھا ہوگا تو آپ کی ذاتی زندگی بھی خیر اور فلاح کا حصہ پائے گی، اور اگر سماج بُرا ہوگا تو آپ اپنی ذاتی زندگی میں بھی چین اور سُکھ نہ پا سکیں گے۔

بھائیو! اس نکتہ کو یاد رکھیئے کہ جو شخص بے غرضی کے ساتھ، بلکہ یوں کہیئے کہ خالص اللہ کی رضا کے لیے جماعت کی بھلائی کے کاموں پر روپیہ صرف کرتا ہے تو یوں دیکھنے میں تو اس کا روپیہ اس کی جیب سے نکل جاتا ہے لیکن وہ باہر جا کر بڑھتا اور پھلتا پھُولتا ہے اس کی وجہ سے سماج کا معاشی ڈھانچہ قوت حاصل کرتا ہے اور آخر کار اس کی وجہ سے جو فائدے مرتب ہوتے ہیں اُن سے وہ شخص خود بھی حصّہ پاتا ہے۔

دوستو اور عزیزو! انسان اپنی جہالت اور تنگ نظری کی وجہ سے یہ بات سمجھ نہیں پاتا کہ اصل اعتبار سے کھونا کس چیز کا نام ہے اور پانے کا مطلب کیا ہے؟ اسی جہالت کا نتیجہ ہے کہ دُنیا کے ایک حصّہ میں سرمایہ داروں نے اپنے سارے معاشی ڈھانچے کو سُود کی بنیادوں پر اُٹھایا، اور ایک طبقے میں دولت کی کثرت نے وہ ہزاروں خرابیاں پیدا کردیں جن کا مزا آج ہم سب چکھ رہے ہیں۔ وہاں دولت بڑھ رہی ہے۔ لیکن اُس کے ساتھ مصیبتیں اور پریشانیاں بھی بڑھ رہی ہیں۔ دوسری طرف اسی جہالت کے نتیجے میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو رہا ہے جس

کے دل میں حسد کی آگ جل رہی ہے۔ وہ سرمایہ داروں کو دیکھ دیکھ کر انگاروں پر لوٹ رہا ہے۔ اور جب موقع پاتا ہے اُن کے خزانوں پر ڈاکے ڈالنے سے نہیں چوکتا۔ پھر چونکہ یہ گروہ بھی اس حکمت سے بے بہرہ ہے جو صرف خدائی ہدایات کی پیروی سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے ہاتھوں سرمایہ داروں ہی کی نہیں بلکہ انسانیت، شرافت، تہذیب، تمدن، نیکی، تقویٰ اور خدا پرستی کی جو مٹی پلید ہو رہی ہے وہ خود ایک عذاب ہے جو انسانوں کی غلط رَوِش کی وجہ سے اُن پر مُسلط ہو گیا ہے۔

بزرگو اور دوستو! اس گتھی کو سُلجھانے کی ایک ہی صورت ہے، اور وہ یہ کہ انسان اِس دُنیا کے اور اپنے خالق کو پہچانے، اس کی ہدایت سے رہنمائی حاصل کرے، اُس کے حضُور حاضر ہونے کے یقین کی بُنیاد پر اپنی زندگی کے لیے کوئی راہ متعین کرے۔ وہ اللہ کی دی ہوئی دولت کو اسی کی ہدایت کے بموجب خرچ کرے۔ اسی خرچ کا ایک جزو زکوٰۃ ہے، جو ہر مالدار مُسلمان پر فرض ہے۔ زکوٰۃ مال کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ اور مال ہی نہیں، بلکہ انسان کے دل کی پاکیزگی کے لیے بھی یہ ایک کارآمد نسخہ ہے۔ آخرت کی زندگی کے لیے بیش قیمت سرمایہ ہے، اور دُنیا کی زندگی کے سُدھار کے لیے ایک نہایت کارآمد اور آزمایا ہوا طریقہ ہے۔

اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں دین کے اس فریضہ کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم میں سے جو لوگ صاحب نصاب ہیں انھیں اِس فریضہ کی ادائیگی کی سعادت نصیب فرمائے۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ وَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی رَبُّکُمْ قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝

اللہ سے معاہدہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ۔ اَحْمَدُہٗ سُبْحٰنَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ۔ لَارَبَّ سِوَاہُ، وَلَا نَعْبُدُ اِلَّآ اِیَّاہُ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

برادرانِ اِسلام! ایمان کی حقیقت بس اتنی ہی نہیں ہے کہ کچھ چیزوں کا اقرار زبان سے کرلیا جائے اور دل سے انھیں سچا مان لیا جائے اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایمان ایک معاہدہ ہے جو بندہ اپنے خدا سے کرتا ہے۔ اس معاہدے کی رُو سے بندہ اپنی جان، اپنا مال غرض کہ اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور اُس کے بدلہ میں وہ اللہ کے اس وعدے کو قبول کرلیتا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اُسے جنت عطا فرمائے گا۔

بھائیو! جہاں تک اصل حقیقت کا تعلق ہے اس لحاظ سے تو انسان کا اپنا ہے ہی کیا جو وہ اُسے خدا کو دے اور اُس کے بدلے میں جنت حاصل کرے۔ اِنسان کے پاس تو جو کچھ ہے اللہ کا ہے۔ اس کی جان اس کا مال غرض کہ اس کی ہر چیز اللہ ہی نے پیدا فرمائی ہے اور وہی اُس کا مالک ہے۔ دُنیا کی کوئی چیز اللہ کی ملکیت سے خارج نہیں۔ جو کچھ ہے اسی کا ہے لیکن ایک چیز ایسی بھی ہے جو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف سے انسان کو دے دی ہے اور وہ ہے اختیار اور ارادے کی آزادی۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو یہ آزادی دے دی ہے کہ وہ اگر چاہے تو اپنی ذات، اپنے ذہن، اپنے جسم اور اپنے مال و دولت پر اللہ تعالےٰ کے حقوق کو تسلیم کرے یا پھر آپ ہی اِن تمام چیزوں کا مالک بَن بیٹھے اور خُدا کے حقوق کا اِنکار کرکے یہ سمجھے کہ مجھے حق حاصل ہے جس طرح چاہوں ان چیزوں کو کام میں لاؤں۔ مجھے کسی کی مرضی اور کسی کی خوشنودی

کی ضرورت نہیں۔ میں تو وہ کروں گا جو میرا دل چاہے۔ اگر انسان اپنی غلطی سے سوچنے اور عمل کرنے کا یہ طرز اختیار کرلے تو وہ کرسکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اُسے اس بات سے زبردستی روکے گا نہیں۔ ساتھ ہی انسان کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو اصل حقیقت کا اقرار کرے اپنی جان، اپنے مال اور اپنی تمام صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی ملک تسلیم کرے اور اپنی مرضی کو چھوڑ کر ہر معاملے میں اللہ کی مَرضی کا تابع ہو جائے۔ بس یہیں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان اپنی جان اور مال کو اللہ کے ہاتھ بیچ دے یعنی باوجود اختیار حاصل ہونے کے یہ طے کرلے کہ میں اب اپنی مَرضی کے بَدلے اللہ کی مرضی کو سامنے رکھوں گا اور ہر معاملے میں وہ کروں گا جس کا مجھے حکم ملے گا۔

بھائیو! یہ ہے وہ مطالبہ جو اسلام کرتا ہے ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کی امانت ہے۔ اللہ نے ہمیں یہ اختیار دے دیا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو اس امانت میں خیانت بھی کرسکتے ہیں۔ اصل مالک کو بھُول کر خود اپنے کو ہر چیز کا مالک سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے ایمان لانے کا مطلب اور تقاضا یہ ہے کہ ہم اصل کو ہی مالک جانیں اور اپنی اس حیثیت کو نہ بھولیں کہ ہم محض امین ہیں مالک نہیں ہیں۔ بس یہی حقیقت ہے ایمان اور کفر کی جو کوئی اپنے اختیار کو چھوڑ کر سب کچھ اللہ کے حوالے کردے وہ مؤمن ہے۔ اور جو کوئی اپنے اختیار پر اصرار کرے اور اللہ کی مرضی کے بدلے اپنی مرضی پر چلنا چاہے وہ کافر ہے۔

اللہ تعالےٰ نے انسان کو اختیار اور ارادے کی یہ آزادی دے کر بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے اس کی پہلی آزمائش تو یہی ہے کہ آیا وہ مالک کو ہی مالک سمجھتا ہے یا کمینہ بن کر نمک حرامی پر اُتر آتا ہے اور خود مالک بن بیٹھتا ہے دوسری آزمائش یہ ہے کہ آیا وہ خُدا کے اس وعدے پر یقین کرتا ہے یا نہیں کہ اگر وہ آج اپنی خود مختاری سے باز آجائے گا تو کل قیامت کے دِن اسے اس کا بدلہ ملے گا۔

بھائیو! یہی وہ نقطۂ نظر ہے جو ایک مؤمن اور ایک کافر کی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق پیدا کردیتا ہے۔ مؤمن کی نظر ہر معاملے میں آخرت کے انجام پر ہوتی ہے اور کافر جو کچھ سوچتا ہے اسی زندگی کو سامنے رکھ کر سوچتا ہے۔ انسان جب اس زندگی کو ہی اپنا مقصود بنا لیتا ہے

تو چاہے وہ زبان سے خُدا پرستی کا دعویٰ کرتا رہے لیکن وہ اصل میں دُنیا پرست ہو جاتا ہے
دُنیا پرست جو کچھ کرتا ہے اپنی خوشی کے لیے کرتا ہے وہ دُنیا کے کچھ مقاصد کے حاصل کر لینے کو اپنا
نصب العین بنا لیتا ہے۔ مثلاً دولت کا حصول، کھیتی اور کاروبار کی ترقی، اقتدار پر قبضہ،
شہرت اور نام و نمود وغیرہ وغیرہ جب اُسے یہ مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں تو وہ پھُول جاتا ہے
اور اگر حاصل نہ ہوں تو اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کا سہارا مادّی اسباب پر ہوتا ہے
اُسے یہ اسباب مل جائیں تو پھُولا نہیں سماتا۔ اور اگر چھن جائیں تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا
رہتا ہے۔ اِس کے برخلاف خُدا پرست مُومن جو کچھ کرتا ہے۔ اللہ کی خوشی کے لیے کرتا ہے۔ اس
کا بھروسہ اللہ کی ذات پر ہوتا ہے وہ چاہے جس حال میں ہو یہی سمجھتا ہے کہ یہ سب اللہ کی طرف
سے ہے۔ اسی لیے نہ مصیبتوں سے اس کا دل ٹوٹتا ہے اور نہ آسانیوں میں وہ آپے سے باہر ہو جاتا
ہے۔ بھائیو! جس کسی نے اپنی اِس حیثیت کو سمجھ لیا اس نے ایمان کی لذت پا لی ہم میں سے
ہر شخص کو اسی روشنی میں اپنے ایمان کا جائزہ لینا چاہیے اور جو کچھ کمی ہو اُسے پُورا کرنے کی
کوشش کرنا چاہئے۔ ایمان کی دولت سب سے بڑی دولت ہے۔ اور یہی وہ سرمایہ ہے جو آخرت
میں کام آئے گا۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِالْمُسْلِمِیْنَ ۝

اللہ سے معاہدہ بیع

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَمَنَّ عَلَیْنَا بِالْاِیْمَانِ وَاخْتَارَنَا لِاُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَفْوَۃِ خَلْقِہٖ وَاَکْرَمِ عِبَادِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

عزیزو اور بھائیو! ایمان دراصل ایک معاملہ ہے جو خدا اور بندے کے درمیان طے ہوتا ہے۔ ابھی جو آیت آپ کے سامنے پڑھی گئی اس میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ایمان محض اس بات کا نام نہیں ہے کہ آدمی کچھ بن دیکھی حقیقتوں کو مان لے بلکہ دراصل وہ ایک معاہدہ ہے جس کی رُو سے بندہ اپنا نفس اور اپنا مال خُدا کے ہاتھ بیچ دیتا ہے اور اس کے بدلے میں خدا کی طرف سے اِس وعدے کو قبول کر لیتا ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں اللہ تعالیٰ اسے جنّت عطا کرے گا۔

بھائیو! جہاں تک اصل حقیقت کا تعلق ہے، اس کو اگر سامنے رکھا جائے تو انسان کے پاس جو کچھ ہے اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہماری یہ جان اور ہمارا یہ مال اور اسباب اپنی اصل کے اعتبار سے سب کچھ اللہ ہی کا ہے کیونکہ وہی ان سب چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے اور ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ سب اسی کا دیا ہوا ہے۔ لہٰذا اس حیثیت سے تو خرید و فروخت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انسان کے پاس اس کا اپنا ہے ہی کیا جو اسے بیچے اور وہ کون سی چیز ہے جو خُدا کی ملکیت سے خارج ہے کہ وہ اُسے خریدے لیکن انسان کے اندر اللہ

تعالیٰ نے ایک ایسی چیز رکھ دی ہے جو پوری کی پوری اُسی کے حوالے کر دی گئی ہے اور وہ ہے اس کا اختیار۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو ایک حد تک ارادے اور عمل کی آزادی دی ہے، اگرچہ ارادے اور عمل کی اس آزادی کے باوجود حقیقت یہ تو نہیں ہو جاتی کہ انسان واقعی کسی چیز کا مالک ہو گیا۔ اور کوئی چیز خدا کی ملکیت سے خارج ہو گئی اور انسان کو یہ حق مل گیا کہ وہ اللہ کی دی ہوئی چیزوں کو جس طرح چاہے استعمال کرے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ آزادی دے دی ہے کہ اگر وہ خُدا کی بخشی ہوئی کسی چیز پر خدا کے مالکانہ حقوق تسلیم نہ کرے اور آپ ہی ان چیزوں کا مالک بن بیٹھے تو کوئی طاقت زبردستی اسے ایسا کرنے سے روکے گی نہیں وہ اس بارے میں آزاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات کے دائرے میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں کو جس طرح چاہے کام میں لائے۔ بس یہی وہ مقام ہے جہاں خرید و فروخت کا سوال پیدا ہوتا ہے لیکن بھائیو! یہ خرید و فروخت ایسی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو لینا چاہتا ہے جو اس کی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جو چیز خدا کی ہے اور جسے اس نے امانت کے طور پر انسان کے حوالے کر دیا ہے اور ساتھ ہی انسان کو یہ آزادی دے دی ہے کہ وہ چاہے تو اس چیز کو خدا کی مرضی کے مطابق کام میں لائے اور چاہے تو اپنی من مانی کر سکے، اس کے بارے میں اللہ تعالےٰ یہ چاہتا ہے کہ بندہ اللہ کی دی ہوئی آزادی سے اس طرح کام لے کہ کسی چیز میں اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی تصرف نہ کرے اور وہ رویّہ اختیار کرے جو ایک نمک حلال اور وفادار غلام کا رویّہ ہوتا ہے اور اس روش سے بچے جو ایک نمک حرام اور باغی کی روش ہوتی ہے۔ اِس طرح گویا بندہ اپنی خود مختاری کو اللہ کے حوالے کر دینے کا اقرار کرتا ہے اور اسی کو خرید و فروخت کی حیثیت دی گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ یہ وعدہ فرماتا ہے کہ اگر بندہ اپنی اس خود مختاری کو جو اصل میں میری ہی دی ہوئی ہے۔ میرے حوالے کر دے گا تو میں اُسے اُس کی قیمت دوں گا اور وہ قیمت میری وہ جنت ہے جو اس ہمیشہ رہنے والی زندگی میں بندے کو دی جائے گی۔ اب جو شخص اللہ کی مرضی کے مقابلے میں اپنی خود مختاری سے دست برداری قبول کر لیتا ہے وہ مومن ہے اور اسی بیع کا دوسرا نام ایمان ہے اور جو شخص اس سے انکار کر دیتا ہے یا اقرار کرنے کے باوجود وہ رویّہ

اختیار نہیں کرتا جو بیع کرنے کی صورت میں اختیار کرنا چاہیے تو وہ کافر ہے اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ یہ معاملہ نہ کرنے کا نام ہی کفر ہے۔

بھائیو اور عزیزو! اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم سب مؤمن ہیں ہم سب نے اللہ تعالیٰ سے یہ اقرار کیا ہے کہ ہم اس کی بخشی ہوئی آزادی کو ٹھیک اسی طرح کام میں لائیں گے جس طرح اس کی مرضی ہوگی ہمیں اِس بات کا اقرار ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کا ہے اور ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا ہے کہ ہم کسی چیز کو اس کے اصل مالک کی منشا کے خلاف کام میں لائیں، چاہے وہ ہماری جان ہو یا ہمارا مال

بھائیو! جس حقیقت کی طرف اوپر کی آیت میں اللہ تعالےٰ نے اشارہ فرمایا ہے اور جس کی کچھ تشریح ابھی میں نے آپ کے سامنے رکھی اس میں تمام انسانوں کے لیے بہت بڑی آزمائشیں ہیں۔ پہلی آزمائش تو انسان کی شرافت کی آزمایش ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ میری طرف سے تھوڑی سی آزادی مِل جانے کے بعد انسان یہ شرافت دِکھاتا ہے یا نہیں کہ مالک کو مالک سمجھے اور نمک حرامی اور بغاوت پر نہ اُتر آئے اور دوسری آزمائش یہ ہے کہ آیا بندہ اپنے خدا پر اتنا اعتماد کرتا ہے یا نہیں کہ کل قیامت کے دن مِلنے والے بدَلے کے وعدے پر آج اپنی خود مختاری سے ہاتھ کھینچ لے اور جو عارضی فائدے اور مزے اُسے فوراً مِل سکتے تھے اُنھیں چھوڑ دے۔

بھائیو! یہاں آپ کو یہ دھوکا نہیں ہونا چاہیے کہ جو شخص اللہ تعالےٰ سے کیے گئے خرید و فروخت کے اس معاملہ میں کوتاہی برتتا ہے یا ان کی طرف سے غافل ہے میں اسے مومنوں کے دائرے سے خارج کر رہا ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ دُنیا میں ہر وہ شخص جو ایمان کے ان تمام عقیدوں کا اقرار کرے جن کی رُو سے کوئی شخص مسلمان ہوتا ہے وہ شریعت اور قانون کی نظر میں مؤمن ہے اور اسلامی سوسائٹی میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو مومنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن میں جس بات کی طرف آپ کو متوجہ کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ خدا کے یہاں وہی ایمان معتبر ہے کہ بندہ اپنے خیال اور عمل دونوں میں اپنی آزادی اور خود مختاری کو خُدا کے ہاتھ بیچ دے اور خدا کے حق میں اپنی ملکیت کے تمام دعووں سے دستبردار ہو جائے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کلمے کا اقرار کرتا ہے، نماز روزہ اور دوسرے اِسلامی احکام کا پابند ہے۔ لیکن وہ اپنے جسم و جان، اپنے دل و دماغ، اپنے بدن کی قوتوں اور اپنے مال اور وسائل

اور اسی طرح ان تمام چیزوں کا جو اس کے قبضے اور اختیار میں دی گئی ہیں اپنے آپ ہی کو مالک سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ ان چیزوں کو میں جس طرح چاہوں استعمال کروں تو ایسا شخص ہو سکتا ہے کہ دنیا میں مُومن ہی سمجھا جاتا رہے لیکن خدا کے یہاں ایسے شخص کا شمار مومنوں میں نہیں ہو سکتا کیونکہ اس نے خُدا کے ساتھ بیع کا وہ معاملہ ہی نہیں کیا جسے قرآن میں ایمان کی اصل حقیقت بتایا گیا ہے بھلا جو شخص اِن موقعوں پر اپنی جان اور اپنا مال کھپانے سے جان چرائے جہاں خُدا کی مرضی ہو اور اپنی جان اور اپنا مال اِن کاموں میں کھپاتا رہے جو خدا کی مرضی کے خلاف ہیں تو اس کے بارے میں یہی تو سمجھا جائے گا کہ یہ شخص اپنے ایمان کے دعوے میں سچا نہیں ہے۔ اس نے خدا کے ساتھ خرید و فروخت کا وہ معاملہ دل سے نہیں کیا جسے ایمان کی شرط بتایا گیا ہے بلکہ اُس نے محض زبان سے ایک ایسا دعویٰ کر لیا ہے جس کی تصدیق اس کے عمل سے نہیں ہوتی۔

دوستو اور عزیزو! ایمان کی یہ حقیقت انسانی زندگی کو الگ الگ دو قسموں میں تقسیم کر دیتی ہے ایک وہ زندگی جو صحیح معنیٰ میں مُومنانہ زندگی ہو، اس زندگی کا ہر کام خُدا کی مرضی کے تابع ہوتا ہے، اس کے کسی رویّے میں خود مختاری کا رنگ نہیں آنے پاتا، ہاں اگر کبھی بھُول چوک میں کوئی بات اس معاہدے کے خلاف ہو جاتی ہے تو وہ فوراً ہی اِس روش سے پلٹتا ہے اور پھر صحیح رُخ اختیار کر لیتا ہے اور دوسری کافرانہ زندگی جس میں خُدا کی مرضی اور اُس کی فرمانبرداری کا کوئی سوال ہی نہیں اُٹھتا۔ اِنسان جو کچھ کرتا ہے اپنی مرضی یا اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی مرضی کے ماتحت کرتا ہے۔ زندگی کی یہ دونوں قسمیں انفرادی زندگیوں میں بھی نظر آتی ہیں اور اجتماعی زندگی میں بھی۔ اللہ سے قول و قرار کرنے والے بندوں کا جب کوئی گروہ کسی تنظیم یا کسی حکومت کی شکل اختیار کرتا ہے تو وہاں بھی ہر چیز خدا کی مرضی کے موافق اور اس کی ہدایات کے مطابق عمل میں آتی ہے لیکن اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر اجتماعی زندگی میں خدا کی مرضی کے بدلے کسی اور کی مرضی چلتی ہے، یہ کوئی اور چاہے کوئی بادشاہ ہو یا ڈکٹیٹر یا جمہور کا بنایا ہوا کوئی ادارہ۔ اس طرح انفرادی زندگی کی طرح اجتماعی زندگی مومنانہ بھی ہو سکتی ہے اور کافرانہ بھی اور یہ بالکل ممکن ہے کہ کسی اجتماعی زندگی کی روش تو کافرانہ ہو لیکن اس

پر چلنے والے لوگ مسلمان ہی کہلاتے ہوں۔ اس کے لیے غیر مسلم ہونا ضروری شرط نہیں۔

بھائیو! یہاں یہ سوال بھی بڑا اہم ہے کہ بندہ جب خدا کی مرضی پر چلنے کا فیصلہ کرے تو وہ خدا کی مرضی اسے کون بتائے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ بندہ خود یہ تجویز کرلے کہ خدا کی مرضی کیا ہے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو یہ دراصل خدا کی مرضی پر چلنا نہیں بلکہ اپنی ہی مرضی پر چلنے کا ایک دوسرا ڈھنگ ہے۔ خدا کی مرضی پر چلنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مرضی خدا ہی خود بتائے اور یہیں سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ خدا کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی ہدایت کے بغیر انسان خود یہ طے نہیں کرسکتا کہ خدا کی مرضی کیا ہے اور کیا نہیں۔

دوستو اور عزیزو! ہم سب کو پھر ایک بار اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہم نے ایمان کا اقرار کرکے اللہ سے یہ معاملہ کرلیا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ معاملہ محض زبانی جمع خرچ کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی اصل قیمت یہ ہے کہ آدمی زندگی بھر اپنے کیے ہوئے اقرار پر قایم رہے۔ اسی لیے اللہ تعالے نے اس کا معاوضہ دنیوی زندگی ختم ہو جانے کے بعد ادا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے کیونکہ درحقیقت اس معاملے کی تکمیل ہی اس وقت ہوتی ہے جب آدمی اپنی پوری زندگی سے یہ بات ثابت کردے کہ اس نے اللہ کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا وہ اس نے پورا کر دکھایا اور اب وہ حق اور انصاف کی رُو سے اس بدلے کے پانے کا مستحق ہے جس کا وعدہ اس سے دنیوی زندگی میں کیا گیا تھا۔ ہم میں سے ہر شخص یہ غور کرسکتا ہے کہ دراصل ایمان کا اقرار کیسا سخت امتحان ہے۔ ہمیں قدم قدم پر اس بات کا ثبوت دینا ہے کہ واقعی ہمیں اللہ کی مرضی عزیز ہے۔ اس کی مرضی کے مقابلے میں ہم کسی کی مرضی کی پروا نہیں کرتے۔ اگر دین کا تقاضا ہو تو ہم اپنا وقت، اپنا مال، اپنا مفاد اور اپنی جان سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں ہم نے سوچ سمجھ کر یہ اقرار کیا ہے کہ خدا ہی ہماری جان اور ہمارے مال کا مالک ہے اور اب کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی جان اور مال کو خدا کے حکم پر قربان کرنے سے جی چرائیں لیکن اگر خدانخواستہ ہم اپنی قوتوں، اپنے مال اور ذرائع کو خدا کی منشا کے خلاف استعمال کرتے ہیں یا خدا اور اس کے دین کی خدمت کے بدلے ہم اسے خدا کے باغیوں اور اس کے نافرمانوں کی خدمت میں صرف کرتے ہیں تو کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہوگی کہ ہم اپنے اقرار میں جھوٹے ہیں ہمارے اقرار کا کھلا

ہو اتقاضا یہ ہے کہ ہماری قوتوں کا کوئی ایک جز بھی خدا کی منشا کے خلاف استعمال نہ ہو۔

دوستو اور عزیزو! یہ بڑا نازک سوال ہے اور ہمیں ہر وقت اسی اعتبار سے اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیے اور ساتھ ہی خدا سے مدد مانگتے رہنا چاہیے کہ وہ ہمیں اس اقرار کو صحیح طریقے پر نبا ہنے کی قوت عطا فرمائے۔ اس کی قوت اور مدد کے بغیر بندہ کر ہی کیا سکتا ہے۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنِيْ وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَادٌ كَرِيْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

نیکی کی طرف دعوت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَ لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَۃِ۔ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ اَحْمَدُہٗ سُبْحٰنَہٗ وَاَشْکُرُہٗ۔ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ ـــــ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: "وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" ۝

برادرانِ اسلام! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہییں جو نیکی کی طرف بُلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور بُرائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔" اسی بنیاد پر ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے حسب حال اور اپنی استطاعت کی حد تک بھلائی کا حکم دے اور بُرائی سے روکے۔ بھلی باتوں کا حکم دینا اور بُرائیوں سے روکنا دین کی اہم ضروریات میں سے ہے۔ اس کے بغیر نہ دین کے کام کی تکمیل ہو سکتی ہے اور نہ ہم دین پر قایم رہ سکتے ہیں۔ یہی ایک کام ایسا ہے جس کی بدولت اُمّت کو خیر اور فلاح مِل سکتی۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک دوسرے کو نیکی کے کاموں پر اُکسائے، بُرائیوں سے روکے۔ بھلائی اور خیر کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دے۔ ظالموں کو ظلم سے باز رکھے۔ اور ایسے نادانوں کو جو اپنی حرکتوں سے دین کو نقصان پہنچاتے ہیں غلط کام کرنے سے روک دے اس میں ان کے لیے اور ہم سب کے لیے خیر ہے۔ اللہ کے احکام کی پابندی اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق عمل یہی ایک صورت ہے خیر اور فلاح کی۔ اور ہم سب پر لازم

ہے کہ اپنے لیے خیر اور فلاح کی صورتیں پیدا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اسے بدل دے۔ لیکن اگر وہ ایسا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اُسے چاہیے کہ اپنی زبان سے کام لے کر اُسے درست کرنے کی کوشش کرے اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے وہ یہ بھی نہ کر سکے تو اس کا دل تو اس برائی کے مٹانے کے لیے بے چین ہو جائے۔ اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے"۔

بھائیو! اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے اس کی اپنی استطاعت کی حد تک لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ اگر کہیں کسی برائی کو دیکھے تو اُسے مٹاتے اور اس کی جگہ نیکی اور بھلائی کو قائم کرنے کی انتہائی کوشش کرے۔ اب اگر کوئی کسی برائی کو مٹانے کی قوت رکھتا ہے اور اسے اپنی طاقت سے دبا سکتا ہے تو اُسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔ لیکن اگر اپنی کسی مجبوری یا حالات کے دباؤ کے تحت وہ ایسا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو پھر اسے زبان سے کام لینا چاہیے اور لوگوں کو سمجھا بجھا کر برائی سے روکنے اور بھلائی اختیار کرانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اور اگر حالات ایسے بگڑ گئے ہوں کہ برائی کے خلاف زبان کھولنے کی بھی گنجائش باقی نہ رہی ہو تو پھر ظاہر ہے ایسی صورت میں مومن کا دل انتہائی بے چینی محسوس کرے گا۔ وہ دل جسے برائیوں کے پھلنے پھولنے اور اچھائیوں کے مٹنے پر بے چینی بھی محسوس نہ ہو تو سمجھنا چاہیے کہ اس دل میں ایمان کی گرمی باقی نہیں رہی ہے کمزور سے کمزور ایمان بھی اللہ کی نافرمانیوں اور اس کے خلاف بغاوت کو برداشت نہیں کر سکتا ہر وہ بات برائی ہے جس میں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہو رہی ہو اور سب سے بڑی برائی کفر، شرک اور اللہ کے مقابلے میں انسان کی اپنی فرمانروائی اور حاکمیت کا اعلان ہے۔ جو مسلمان یہ طاقت رکھتا ہو کہ وہ کسی برائی کو مٹا کر اس کے بدلے اللہ کی اطاعت کے کام کرا سکے لیکن اس کے باوجود وہ برائی کو برداشت کرے اور طاقت کا استعمال نہ کرے وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک گنہ گار ہے۔ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے تمام مسلمانوں کے لیے باعثِ ننگ ہے، اور انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اسلام کی نظر میں اللہ کی نافرمانی انسانی تباہی کا سب سے بڑا سبب ہے جو کوئی اس سبب کو دور کرنے کی طاقت رکھتے ہوئے اُسے دور نہ کرے

وہ اللہ کی نظر میں بڑا مجرم ہے۔ یہ ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا آخرت میں تو جو بلنا ہے وہ مل کر ہی رہے گی لیکن اس دنیا میں بھی اس کا وبال بھگتنا پڑتا ہے۔ برائیاں جب پھیلتی ہیں تو صرف وہی لوگ اس کا خمیازہ نہیں بھگتتے جو برائیاں کرتے ہیں۔ بلکہ برائیاں پورے معاشرے کو گندہ کر دیتی ہیں۔ اور پھر وہ لوگ بھی نہیں بچتے جو خود نیک ہوتے ہیں' اور برائیوں سے بچتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً۔ "لوگو! اس فتنے سے بچو جس کی شامت خاص طور پر صرف ان ہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو"۔

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تم ضرور ضرور نیکیوں کا حکم دیتے رہو گے۔ اور برائیوں سے روکتے رہو گے ورنہ یہ بہت ممکن ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیج دے پھر تم اس سے دعاؤں پر دعائیں مانگو گے لیکن تمھاری دعائیں مقبول نہ ہوں گی"۔

بھائیو! اللہ کا شکر ہے کہ آپ مسلمان ہیں۔ اللہ کے دین پر چلنے اور اللہ کو راضی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آخرت میں اس کے عذاب سے بچنا چاہتے ہیں۔ اور اس کی رحمتوں سے سرفراز ہونے کی آرزو رکھتے ہیں۔ آپ کے لیے لازم ہے کہ زندگی کے ہر کام میں اللہ کے احکام کی پیروی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل کریں۔ جہاں جس حد تک ممکن ہو بھلائیوں کا حکم دیں۔ لوگوں کو اللہ کے احکام کی اطاعت کرنے پر آمادہ کریں۔ برائیوں سے روکیں اور اللہ کے خلاف انسان کی بغاوت اور سرکشی کو دنیا سے مٹانے کے لیے جو کوشش ممکن ہو وہ کرتے رہیں۔ اگر ہو سکے تو ظالموں کو ظلم سے روکنے کے لیے ان کا ہاتھ پکڑ لیجیے۔ جہالت اور نادانی کی وجہ سے اپنے پیروں پر خود کلہاڑی مارنے والوں کی آنکھیں کھولنے کی کوشش کیجیے۔ ایک دوسرے کی خیر خواہی کے لیے کمر باندھ لیجیے ایک دوسرے کو حق کی تلقین کیجیے۔ نیکی پھیلانے اور اللہ کے کلمے کو بلند کرنے والوں کا ہاتھ بٹائیے اور یقین رکھیے، اگر آپ خلوص کے ساتھ اس مقصد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اس کام کو

نرمی، محبت اور ایمانداری کے ساتھ کرنے کا ارادہ کرلیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپ پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل نہ ہوں اور دین اور دُنیا کی خیر اور فلاح آپ کو نصیب نہ ہو۔ یہی ایک ایسا کام ہے جس کے نتیجے میں عمومی خیر، اُمن اور عافیت میسر آسکتی ہے اور یہی وہ کام ہے جسے چھوڑ دینے کی وجہ سے اللہ کی رحمتیں دُور ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ط ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ۔ کَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ۔ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۔ (مائدہ)

"بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤدؑ اور عیسٰی ابن مریمؑ کی زبان سے لعنت کی گئی۔ کیونکہ وہ سرکش ہوگئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے انھوں نے ایک دوسرے کو بُرے کاموں کے کرنے سے روکنا چھوڑ دیا تھا۔ بُرا طریقہ تھا جو انھوں نے اختیار کیا۔"

بھائیو! یہ ہے آپ کا اور میرا مقام، اور یہ ہے وہ ذمے داری جو آپ پر اور مجھ پر ڈالی گئی ہے۔ اللہ آپ کو اور مجھے توفیق عطا فرمائے کہ ہم اِس ذمے داری کو پُورا کریں۔ اور ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کے دن اس کے حضور شرمندہ ہونا پڑے۔ اللہ آپ کو اور مجھے نیکی کا حکم کرنے، بُرائیوں سے روکنے اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانے کی سعادت عطا فرمائے۔

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو۔ جہاں تک ہوسکے بھلائی کا حکم دو۔ بُرائی سے روکو، خود اللہ کی مکمل فرماں برداری کرو۔ اور دوسروں کو اس کی نافرمانی کی لعنت سے نکالو۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ہاتھ بٹاؤ اور کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے بدی کو تقویت حاصل ہو۔

بَارَکَ اللّٰهُ لِیْ وَلَکُمْ فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ۔ اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا۔ وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمِ ۝

دین کی خدمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْغَنِیِّ الْحَمِیْدِ۔ اَلْمُبْدِئُ الْمُعِیْدِ۔ ذِی الْعَرْشِ الْمَجِیْدِ۔ اَلْفَعَّالِ لِمَا یُرِیْدُ۔ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ۔ اَحْمَدُهٗ وَاَشْکُرُهٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ الْعَزِیْزُ الْحَمِیْدُ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُهٗ اَفْضَلُ مَنْ دَعَا اِلَی الْاِیْمَانِ وَالتَّوْحِیْدِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

عزیزو اور دوستو! آپ اور ہم سب یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔ اب قیامت تک اللہ کسی کو اپنا رسولؐ بنا کر نہیں بھیجے گا۔ اِس لیے اس نے اِس بات کا ذمّہ لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس نے جو آخری ہدایت بھیجی ہے وہ قیامت تک اس کی حفاظت فرمائے گا اور اللہ کا دین اپنی صحیح شکل میں موجود رہے گا۔ لیکن ہدایت کی موجودگی کے ساتھ ساتھ اس کی بھی ضرورت ہے کہ اس کی طرف لوگوں کو بُلایا جائے اور اس کی ہدایت کو تمام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ یہ ذمہ داری اللہ تعالےٰ نے اسی اُمت پر ڈالی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کو اللہ کا دین مانتی ہے یہ اُمّتِ مسلمہ ہے۔ اللہ تعالےٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس امت میں پیدا فرمایا اور اپنے دین کی اس خدمت کی سعادت سے نوازا۔

بھائیو! دین کی یہ خدمت ہر مسلمان پر فرض ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے جتنی صلاحیت دی ہے اسی کے اعتبار سے وہ اِس خدمت کو انجام دینے کا ذمّہ دار ہے۔ کسی کے کام کرنے کا دائرہ اگر پُورا ملک ہے تو کوئی اپنی بستی تک اِس خدمت کو انجام دے سکتا ہے۔ کوئی اگر اپنی

برادری اور محلے میں یہ کام کرسکتا ہے تو کوئی اپنے گھر والوں کی اصلاح اور تربیت ہی کی حد تک صلاحیت رکھتا ہے پھر کسی کو اللہ تعالےٰ نے تحریر اور تقریر کی صلاحیت دی ہے تو وہ اِس سے کام لیتا ہے اور اگر بات چیت سے ہی اپنی بات سمجھا سکتا ہے تو وہ یہی کام کرتا ہے' اور ایک پہلو تو ایسا ہے جس میں سب ہی شریک ہیں اور وہ ہے اپنے عمل سے دین کی گواہی دینا۔ یعنی اپنی پوری زندگی کو اِسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوشِش کرنا اور اپنے اخلاق اور معاملات اور تعلقات کو ایسا بنا لینا کہ جو کوئی بھی دیکھے اس کے سامنے اللہ کے دین کی صحیح تصویر آجائے۔ اور ساتھ ہی ہر ایسی بات سے پرہیز کرنا جس سے کوئی ایسا نمونہ سامنے آئے جو دین کے خلاف ہو۔

دین کی خدمت کا یہ کام اگرچہ بالکل ابتدائی کام ہے لیکن پھر بھی آسان کام نہیں۔ دین کی خدمت کے لیے وہ وقت بھی آتا ہے جب اِنسان کو اپنی جان اور مال سب کچھ اس کے لیے لگا دینا پڑتا ہے لیکن اس منزل تک پہنچنے سے پہلے دعوت کا کام پوری طرح اور صحیح طریقے پر انجام دینا لازمی ہے۔ دعوت کا کام کرنے کے لیے پہلی صفت اور انتہائی ضروری صفت یہ ہے کہ داعی کا تعلق اللہ سے درست ہو۔ حق کی دعوت میں قوت اسی سے آتی ہے۔ حضرات انبیأ علیہم السلام کے پاس یہی ایک طاقت ایسی ہوتی تھی جس سے وہ تنہا پوری دُنیا کے مقابلے میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ جو لوگ انبیاء علیہم السّلام کے طریقے پر دعوت کا کام کرنے اُٹھیں اُن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس اعتبار سے اپنی حالت پر برابر غور کرتے رہیں۔ دین کی دعوت کے لیے مادّی وسَائل سے پہلے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ دین کا کام کرنے والوں کو اللہ تعالےٰ کی قدرت اور طاقت پر پورا ایمان ہو وہ اسی کی مدد پر بھروسہ رکھتے ہوں۔ اسی کی خوشنودی ان کے سامنے ہو۔ صرف اس کو راضی کرلینے کی آرزو اس قوت کے ساتھ ان کے دلوں میں بیٹھ گئی ہو کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز ان کا مقصود نہ بن سکے۔ دُنیا کی دولت، اقتدار، حکومت اور آسایش و آرام کوئی چیز بھی ان کا مقصود نہ ہو۔ وہ جو کچھ کریں اللہ کی جنت حاصل کرنے کے لیے کریں۔ وہ اگر دُنیا کا انتظام سنبھالنے کی کوشِش کریں تو صرف اِس لیے کہ دُنیا سے خدا کی نافرمانی کا فساد دُور ہو۔ وہ اگر مادّی وسَائل کی طلب کریں تو صِرف اِس لیے کہ خیر

کا بول بالا ہو۔ اور شر دُنیا سے مٹے۔ غرض یہ کہ دین کی دعوت کا کام اپنے مزاج اور اپنی خصوصیات کے لحاظ سے دُنیا کے ہر کام سے بالکل مختلف ہے۔ اس کو مادی تحریکات کی طرح کوئی انقلابی تحریک سمجھنا صحیح نہیں۔ یہ تحریک جس طرح کا انقلاب لانا چاہتی ہے وہ آپ ہی اپنی مثال ہے۔

اِسلامی انقلاب کا کام دراصل دِلوں سے شروع ہوتا ہے۔ اس دعوت کا اصل مقام دل ہے۔ سب سے پہلے آپ کو دل کی گرہیں کھولنا ضروری ہیں۔ اور بھائیو! آپ یہ جانتے ہیں کہ دل کی گرہیں کھولنے کے لیے انتہائی نرمی، محبت اور ہمدردی کی ضرورت ہے۔ طاقت سے سر جھکائے جا سکتے ہیں۔ لیکن دلوں کو مٹھی میں لینے کے لیے کچھ اور ہی طرح سے کام کرنا پڑتا ہے۔

عزیزو! ہم سب کا ایمان ہے کہ اللہ کا دین تمام اِنسانوں کے لیے رحمت بن کر آیا ہے اور اس اعتبار سے ضروری ہے کہ اُسے ہر انسان تک پہنچایا جائے لیکن دوستو! اِس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ موجودہ اُمّتِ مُسلمہ بھی انتہائی اصلاح کی محتاج ہے، یہ بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم اس اُمّت کے زیادہ سے زیادہ حِصّے کو جلد سے جلد ٹھیک کریں۔ اِسی سے ہماری آگے کی راہ کھلتی ہے اور اس کو چھوڑ کر ہم کسی طرح آگے قدم نہیں بڑھا سکتے۔ ہم جانتے ہیں کہ اُمّت کا ایک بہت بڑا حِصّہ اسلام سے دُور ہو گیا ہے۔ اخلاق اور عادات میں انتہائی گِر گیا ہے۔ لیکن ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ میخانوں اور جہالت و گمراہی کے دوسرے اڈّوں میں نہ جانے کِتنے نوجوان ایسے مل جائیں جن کی صلاحیتوں سے اِسلام کو فائدہ پہنچ سکے اور جن کی تبدیلی سے دعوت کو بہت بڑا فائدہ پہنچ جائے۔

دوستو! دعوت کے کام میں روڑا اٹکانے کے لیے شیطان کا ایک کامیاب ہتھیار ہمارے آپس کے اختلافات ہیں جو لوگ اللہ کے دین کا کام کرنے اُٹھیں۔ انھیں اِس میدان میں شیطان کو نیچا دکھانے کی پُوری کوشش کرنا پڑے گی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ تمام اختلافی چیزوں سے بچیے۔ دین کی بُنیادی باتوں پر لوگوں کو جمایئے۔ فقہی اور کلامی اختلافات کا زمانہ بیت گیا۔ اگر آپ اِن اختلافات کو حل کرنے کے پیچھے پڑیں گے تو سوائے اس کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا کہ آپ ایک اور مزید اختلافی راہ کو پیدا کرنے کا سبب بن جائیں اور اُمّت کے بے شمار گروہوں میں ایک اور نئے گروہ کا اضافہ کر دیں۔ آپ ہمیشہ اختلافی مسائل سے بچ کر نکلیے۔ دین

کی بنیادی باتوں کی طرف لوگوں کو بُلائیے۔ اُن کے اندر ایمان کی روشنی پیدا کیجئے۔ اللہ کی محبت اور آخرت کا خوف دلوں میں بٹھائیے۔ اخلاق اور معاملات کو اسلامی اُصولوں کے مطابق ڈھالنے کی دعوت دیجئے۔ فرائض کی پابندیوں پر اُبھاریئے۔ اور اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے کا جذبہ پیدا کیجئے۔ یہ وہ بنیادی باتیں ہیں جن میں آج تک کوئی اختلاف نہیں ہوا ہے ان پر خود عمل کیجئے اور دوسروں کو ساتھ لے کر چلنے کے لیے ہمدردی اور محبت سے ان کا ہاتھ پکڑیئے۔ ملامت کرنے اور الزام دینے سے کام نہیں بنے گا۔ ضرورت خلوص اور ہمدردی کی ہے۔ دوسروں کی کمزوریوں پر طعنہ دینے میں نفس کی لذّت ضرور ہے لیکن اس سے کام نہیں بنتا۔ آپ دوسروں کی کمزوریوں کے لیے خود ہی عذر تلاش کیجئے۔ اور اپنی تمام طاقتیں اُصولی اور بنیادی باتوں پر لگا دیجئے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ اَيُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ ۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا ۔ اَقُوْلُ قَوْلِيْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ فَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔

امر بالمعروف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ تَبْصِرَةً لِّذِي الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ وَتَذْكِرَةً لِّاُولِي الْاَلْبَابِ وَالْاِعْتِبَارِ۔ اَحْمَدُهٗ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْهَادِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ، وَالدَّاعِيْ اِلٰى دِيْنٍ قَوِيْمٍ، صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى سَائِرِ النَّبِيِّيْنَ، وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ "وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ۔ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ، اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

عزیزو اور دوستو!

شاید ہم میں سے کم ہی لوگ اپنی اس اہمیت سے واقف ہوں کہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں وہ دوسرے انسانوں پر اپنا اثر ڈالتے رہتے ہیں، کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرے انسانوں پر وہی حضرات اثر ڈالتے ہیں جو تقریریں کرتے ہیں، مضامین لکھتے ہیں یا تحریکوں میں حصہ لے کر کچھ کام کرتے ہیں۔ باقی جو لوگ اِن کاموں سے دُور رہتے ہیں وہ بھلا دوسروں پر کیا اثر ڈالیں گے میں آج آپ کی اِس غلط فہمی کو دُور کرنا چاہتا ہوں اور آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص دوسروں پر اثر ڈالتا رہتا ہے، ہم اپنی باتوں سے، اپنے خاموش کاموں سے اپنے اُٹھنے بیٹھنے، کھانے کمانے، لوگوں سے ملنے جُلنے سے، انتہا یہ ہے کہ اپنے چہرے کے اُتار چڑھاؤ اور آنکھوں کی حرکتوں تک سے دوسروں پر اثر ڈالا کرتے ہیں۔ ہمارے آس پاس جو لوگ موجود ہیں

اور جن سے صبح سے شام تک ہمارا واسطہ پڑتا ہے سب ہم سے اثر قبول کرتے ہیں اور اسی طرح ہم دوسروں سے اثر قبول کرتے ہیں۔ یہ اثر اچھا بھی ہوتا ہے اور بُرا بھی۔ اس طرح اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ ہم میں سے ہر شخص ایک حیثیت سے داعی ہے تو میرا کہنا غلط نہ ہوگا۔ ہم میں سے ہر شخص دوسروں کو کسی نہ کسی طرف دعوت دیتا رہتا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص اپنی باتوں، اپنے کاموں اور اپنی نقل و حرکت سے دوسروں کو کچھ نہ کچھ قبول کرنے پر آمادہ کرتا رہتا ہے، یا ان کے اندر کسی چیز سے نفرت اور بے تعلقی پیدا کرتا رہتا ہے۔ آپ اگر ذرا غور کریں گے تو میری اس بات سے ضرور اتفاق کریں گے آپ دوسروں پر اثر ڈالتے ہیں اور دوسروں کا اثر آپ خود قبول کرتے ہیں یہ اثر اچھا بھی ہوسکتا ہے اور بُرا بھی بس یہی پہلو ہم سب کے لیے انتہائی قابلِ غور ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں چاہتا کہ دوسروں پر کوئی بُرا اثر ڈالے یا دوسروں کا کوئی بُرا اثر خود قبول کرے لیکن صرف چاہنے سے کیا ہوتا ہے اس کے لیے تو کوشش کرنا پڑے گی۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے آپ سے کوئی غلط اثر قبول نہ کریں تو اس کے لیے آپ کو اپنی ہر بات اور اپنی ہر حرکت، اور اپنے ہر کام پر بڑی گہری نظر رکھنا پڑے گی۔ کیا معلوم کس وقت آپ بے خبری میں ایک بات کہیں یا کوئی کام کر بیٹھیں اور دوسروں پر اس کا غلط اثر پڑ جائے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اگر آپ اپنی اِس اہمیت کو محسوس کرنے کے بعد اس خیال سے اپنے ہر قول اور اپنے ہر عمل پر نظر رکھنے کی کوشش کریں گے کہ دوسرے آپ سے کوئی غلط اثر قبول نہ کریں تو یہ ایک طرح سے مصنوعی کوشش ہوگی اس میں آپ زیادہ کامیاب نہیں ہوسکیں گے اس کے لیے صحیح طریقہ یہی ہے کہ آپ صرف اِس بات پر نظر رکھیں کہ آپ کی اپنی کوئی بات حق کے معیار سے ہٹی ہوئی نہ ہو اور آپ کا کوئی کام غلط نہ ہو اگر آپ اِس کوشش میں کامیاب ہو جائیں گے تو پھر یہ بات آپ سے آپ حاصل ہو جائے گی کہ دوسرے آپ سے اچھا ہی اثر قبول کریں۔

بھائیو اور عزیزو! اِس حقیقت کے سامنے آنے کے بعد آپ خود محسوس کریں گے کہ ہماری رفتار اور گفتار کی اہمیّت کس قدر زیادہ ہے۔ ایک طرف تو یہ خود ہمارے لیے کسی مستقل نفع یا نقصان کا سبب بنتے ہیں۔ انہی کے نتیجے میں ہمیں اچھے یا بُرے پھل ملتے ہیں اور انہی کی

بدولت دوسرے ہم سے اچھا یا بُرا اثر قبول کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ اِس طرح سوچ سکتے ہیں کہ ہمارے لیے تو اصل مسئلہ اپنی ذات کا ہے۔ دوسرے کیا اثر قبول کرتے ہیں اس سے ہمیں کیا تعلق؟ لیکن نہیں، بات دراصل یہ ہے کہ دوسروں پر آپ کا جو اثر پڑتا ہے اس کی ذمہ داری سے بھی آپ بری نہیں ہیں۔ وہ اگر اچھا اثر قبول کریں گے تو نتیجے کے اعتبار سے یہ بات خود آپ کے لیے اچھی ہوگی اور اگر آپ کی ذات سے برُے اثرات مُرتب ہوں گے تو اس کا نتیجہ بھی آپ ہی کو بھگتنا پڑے گا۔ اِس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بنیادی بات کی تعلیم دی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ مَنْ دَعَا اِلٰی ھُدًی کَانَ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَہٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَۃٍ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَہٗ۔ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اٰثَامِھِمْ شَیْئًا۔ "جس شخص نے کسی کو کسی صحیح بات کی طرف دعوت دی اس کے لیے اتنا ہی اَجر ہوگا جتنا اس کی پیروی کرنے والوں کے لیے ہوگا۔ بغیر اس کے کہ پیروی کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی ہو اور جس شخص نے کسی گمراہی کی طرف دعوت دی اس پر اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا اُس کی پیروی کرنے والوں پر ہوگا، بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کمی ہو۔" حضورؐ کے اس ارشاد کی روشنی میں ہمیں اِس بات کی اہمیت کا اندازہ کرنا چاہیے کہ اگر ہماری وجہ سے کوئی شخص کوئی اثر قبول کرتا ہے تو وہ خود ہمارے اپنے لحاظ سے کتنا اہم ہے۔ جو لوگ ارادہ کرکے اپنی تقریروں اور تحریروں اور تحریکوں کے ذریعہ لوگوں کو کسی خاص بات کی طرف دعوت دیتے رہتے ہیں ان کا معاملہ تو ظاہر ہی ہے۔ ان کی کوششوں سے جتنے لوگ صحیح رَاہ اختیار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو تو اپنے اجر سے نوازے گا ہی لیکن اس دعوت دینے وَالے کے حصے میں بھی ان تمام نیکیوں کا حساب لکھا جائے گا جو اس کے دعوت دینے کے نتیجے میں کی جائیں گی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو نیک باتوں کی طرف دعوت دینا آخرت پر ایمان رکھنے والوں کے لیے ایک زبردست سرمایہ ہے اور اس کے برخلاف جب یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ جو لوگ دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں ان کی کوششوں کے نتیجے میں جتنے لوگ غلط رَاہ اختیار کریں گے وہ خود اللہ کے عذاب کے مستحق ہوں گے ہی لیکن ساتھ ہی اُن کو بُری راہ پر لگانے والے کے حصے میں بھی اتنا ہی عذاب آئے گا تو کون سا ایسا شخص ہوگا

جسے آخرت پر یقین بھی ہو اور وہ اس خبر کو سن کر کانپ نہ اُٹھے ۔ یہ جو کچھ کہا گیا ہے اس میں صرف وہی لوگ شامل نہیں ہیں جو اپنے ارادے سے لوگوں کو کسی اچھی یا بُری بات کی طرف بُلاتے ہیں بلکہ حقیقت میں یہ بات اُن سب لوگوں کے حق میں دُرست ہے جو اپنے کسی قول یا عمل سے دوسروں پر اثر ڈالتے ہیں ۔ آپ چاہے باقاعدہ دعوت دیں یا نہ دیں لیکن اگر آپ اپنی باتوں اور اپنے کاموں سے دوسروں پر اچھا اثر ڈال رہے ہیں تو نیکی آپ کے حصے میں آئے گی اور آپ اس اَجر سے محروم نہ رہیں گے جس کا ذکر حضورؐ نے فرمایا ہے ، اور اگر آپ کے قول یا عمل سے دوسرے لوگ غلط راہوں پر جائیں گے تو اُس کی ذمہ داری سے بھی آپ بچ نہ سکیں گے اور وہ حصہ آپ کو ضرور ملے گا جس کا ذکر حضورؐ نے فرمایا ہے ۔

بھائیو اور عزیزو! یہ ہے وہ ہماری اہمیت جس کی طرف میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں ۔ ہم میں سے ہر شخص ہر وقت اپنے لیے کوئی نہ کوئی سرمایہ جمع کر رہا ہے ۔ اچھا یا بُرا ۔ اور اس سرمایہ کے جمع کرنے کا تعلق صرف اس کی اپنی ہی ذات تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں وہ سب لوگ اضافہ کر رہے ہیں جن پر اُس کے اثرات پڑ رہے ہیں ۔ آپ نے اگر میری بات سمجھ لی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد کے پیشِ نظر جو میں نے ابھی آپ کے سامنے رکھا ۔ آپ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوں گے کہ ہم میں سے ہر شخص کو ہر آن اپنی ہر بات اور اپنے ہر فعل پر بڑی گہری نظر رکھنی چاہیئے ۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرف سے غفلت کرنے کے نتیجے میں ہم کسی لغزش کا شکار ہو جائیں اور اپنے نامۂ اعمال میں ایک بُرائی کا اضافہ کر لیں یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور چاہے کوئی کیسا ہی خطاکار کیوں نہ ہو جب شرمندہ اور نادم ہو کر اُس کی طرف پلٹتا ہے تو اُسے اپنی رحمت کے دامن میں لے لیتا ہے ۔ لیکن ذرا تصور تو کیجئے کہ اگر آپ کی کسی لغزش کی وجہ سے دوسروں نے کوئی بُرا اثر قبول کر لیا ہے اور وہ مسلسل اس غلطی پر قائم ہیں تو ان کی اس گمراہی کی وجہ سے آپ کے حصے میں جو مصیبت آتی رہے گی اس کا کیا ٹھکانا ہے ۔ تو ایک اعتبار سے یہ بات کہ دوسرے بھی ہم سے اثر قبول کرتے ہیں ہمارے لیے انتہائی اہم ہو جاتی ہے جو شخص اس اہمیت کو محسوس کرے گا ، ممکن نہیں کہ اس کی باتوں اور اس کے کاموں پر اس تصور کا اثر نہ پڑے ۔ بس شرط یہی ہے کہ آخرت میں ملنے والے نتیجوں کی

اہمیت اس کی نظر میں ویسی ہی ہو جیسی کہ ہونا چاہیے۔ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ سے فرمایا کہ اگر اللہ تعالےٰ تمھیں یہ سعادت نصیب کرے کہ کسی ایک شخص کو تمھاری وجہ سے ہدایت نصیب ہو جائے تو یہ بات اِس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ تمھیں کہیں سے بہت سے سُرخ اونٹ ہاتھ آجائیں۔ مُومن کا سب سے بڑا سرمایہ یہی ہے کہ وہ خود نیکی پر عمل کرتا رہے اور اُس کی ذات سے نیکیاں پھیلیں۔ مومن نہ خود بدی کے کام کرتا ہے اور نہ اُسے گوارا کر سکتا ہے کہ اُس کی وجہ سے بُرائیوں کو پھلنے پھُولنے کا کوئی موقع ملے۔ اس حقیقت کے پیش نظر ہم سب کو اپنا جائزہ لینا چاہیئے اور ہر وقت یہ سوچتے رہنا چاہیے کہ ہم خود کیا کر رہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں اور اس کی وجہ سے دوسروں پر کیا اثر پڑ رہا ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں کا ذکر فرماتے ہوئے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "یہ لوگ کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر تم انھیں دیکھو تو اللہ یاد آجائے"۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اُن کی بات چیت ان کی صورت شکل، ان کے مشاغل یہ سب چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ اِنسان پر ان کا بہترین اثر پڑتا ہے اور اس کی توجہ اللہ کی طرف ہو جاتی ہے۔ یہی وہ سعادت ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے ہم میں سے ہر شخص کو اپنے مقدور بھر ہر آن کوشِش کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ ہم سب کو اِس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم خود نیک رَاہوں پر چلیں اور ہماری وجہ سے نیکیوں کو پھلنے پھُولنے کا موقع ملے، اور ہم سب اِس بات سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں کہ ہم خود شیطان کے پھندوں میں پھنسیں اور کسی طرح بھی ہماری ذات دوسروں کے لیے بُرائیاں اختیار کرنے کا سبب بنے۔

اَقُوْلُ قَوْلِی ھٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ اَجْمَعِیْنَ وَاسْتَغْفِرُوْہُ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ۔

اجتماعی زندگی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ، عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ، ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَلَہُ الْکِبْرِیَاءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ النَّاصِحُ الْاَمِیْنُ "اٰمُرُکُمْ بِخَمْسٍ، اَلْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ"۔

بھائیو! ابھی جو حدیث میں نے آپ کو سُنائی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں تمھیں پانچ باتوں کا حُکم دیتا ہوں۔ جماعت، سُننا، کہنا ماننا، ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مُسلمانوں کو صاف صاف یہ حکم دیا ہے کہ وہ اجتماعی زندگی بسر کریں۔ اجتماعی زندگی کے لیے بُنیادی چیز یہ ہے کہ اُن کے اندر ایک ہستی ایسی ضرور ہونا چاہیئے جو اُن کی زندگی کے بارے میں احکام جاری کرے اور لوگ اس کی اطاعت کریں۔ ایسی زندگی جس میں حکم دینے اور اطاعت کرنے کا کوئی انتظام نہ ہو، حضورؐ کے ارشاد کی روشنی میں اسلامی زندگی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث صاف طور پر یہ بتاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو یہ حُکم دیا ہے کہ وہ ہرگز منتشر زندگی نہ گزاریں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ مسلمانوں کا اپنا کوئی اجتماعی نظم نہ ہو۔

پہلی چیز جس کی ہدایت دی گئی ہے جماعت ہے۔ جماعت افراد کے مجموعے کا نام ہے لیکن ایسا مجموعہ نہیں کہ جسے ہم بھیڑ کہتے ہیں اگر یوں ہی کسی جگہ لوگ اکٹھے ہو جائیں تو انھیں ہم جماعت نہیں کہتے۔ جماعت لوگوں کے ایک ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جس کے اندر کسی ایک مقصد پر اتحاد ہو گیا ہو۔

اگر اُن کی زندگی کے کاموں میں انتشار ہے اور وہ کسی ایک مقصد پر متحد نہیں ہیں تو انھیں جماعت نہیں کہہ سکتے۔ دوسری ضروری چیز جو جماعت بننے کے لیے مقصد اتحاد سے بھی زیادہ ضروری ہے یہ ہے کہ لوگوں میں ایک دوسرے کے ساتھ وابستگی ہو، محبت اور رواداری ہو اور صاف طور پر یہ محسوس ہو کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، اُن کی راہیں ایک ہیں اور یہ مِل جُل کر ایک ہی منزل کی طرف بڑھنا چاہتے ہیں۔ "جماعت" کے ایک لفظ میں وہ پوری تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے جس شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری اُمّت کو دیکھنا چاہتے تھے۔

جماعت کا تصور سامنے آتے ہی یہ ضرورت آپ سے آپ سامنے آجاتی ہے کہ کوئی اس جماعت کا سربراہ ہو جو اللہ تعالےٰ کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں اُمّت کی رہنمائی کرے اور اُمّت کے افراد اس کی بات سُنیں اور اطاعت کریں۔ اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظوں میں سمع اور طاعت کہا گیا ہے یعنی سُننا اور کہنا ماننا۔ یہ سمع اور طاعت اسلامی زندگی کی جان ہے۔ سمع اور طاعت کے بغیر جماعت کا کوئی تصور نہیں ہو سکتا اور یہی وہ الفاظ ہیں جن سے واضح طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ اُمتِ مسلمہ اپنے مزاج اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے اس بات کی محتاج ہے کہ اس میں ایک امر وطاعت کا نظام ہو۔ ایسا نظام جو کسی دوسرے نظام کے تابع نہ ہو، کسی کے زیرِ اثر نہ ہو اور اپنے حدود اور اختیارات میں بالکل آزاد ہو، سمع وطاعت کے الفاظ احادیث میں کثرت سے استعمال ہوئے ہیں اور اگر ان سب کو سامنے رکھا جائے تو بات یہی بنتی ہے کہ ایک ایسے نظام کو قایم کرنا اُمتِ مسلمہ کی ایک لازمی اور فطری ذمہ داری ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ امر وطاعت کا کوئی نظام نہ کبھی آپ سے قایم ہوا ہے اور نہ قایم ہو سکتا ہے۔ اس کے قایم کرنے کے لیے بھی کوشش شرط ہے اور اس کے کے قایم رکھنے کے لیے بھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ یہ ہمیشہ انسانی گروہ کی کوششوں سے ہی قایم ہوا کرتا ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے بموجب یہ نظام بھی اس وقت تک قایم نہیں ہو سکتا جب تک اُمّت مسلمہ خود اس ذمہ داری کو محسوس نہ کرے اور اس کے لیے ضروری کوشش انجام نہ دے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے جیسا کہ آپ سب بھائی جانتے ہی ہیں کہ اس نظام

کی اطاعت صرف معروف میں ہے، معصیت میں نہیں، یعنی صرف ان باتوں میں اطاعت فرض ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اسلامی شریعت کے خلاف نہ ہوں۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اطاعت صحیح نہیں۔

بھائیو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی جماعت، سمع اور طاعت کے الفاظ سے جو نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے اس کا خلاصہ میں نے اوپر کے الفاظ میں آپ کے سامنے رکھا لیکن یہ چیز ایسی نہیں ہے کہ صرف خواہشوں سے حاصل ہو جائے یا بار بار اس کا تذکرہ کرنے سے کام بن جائے۔ دُنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ آج تک کوئی نظام چاہے وہ حق ہو یا باطل، اس وقت تک قایم ہی نہیں ہوا جب تک اس کے لیے کوششیں نہیں کی گئیں۔ اسلام جس قسم کی سمع و طاعت کا نظام قایم کرنا چاہتا ہے اس کے لیے بھی کوشش شرط ہے اور اس کوشش کے بھی دو عنوانات ہیں ایک ہجرت اور دوسرا اللہ کی راہ میں جہاد، افسوس یہ ہے کہ ان دونوں الفاظ کا صحیح مفہوم ہمارے سامنے نہیں آیا پھر غیروں نے اِن الفاظ میں جو رنگ بھر دیا ہے اس سے تصویر اور بھی غلط ہو گئی ہے۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو آج دُنیا کی کوئی تمدنی ترقی ان دو لفظوں کی حقیقت سے خالی نہیں ہے۔ ہر نظام جو آج قایم ہے یا جسے قایم کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں لازماً اپنے خیرخواہوں سے وہی مطالبہ کرتا ہے جو اسلام ہجرت اور جہاد کی صورت میں اپنے پیرووں کے سامنے رکھتا ہے۔

ہجرت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اعلیٰ مقاصد کی خاطر کم تر فوائد کو قربان کر دے اور مقصد حاصل کرنے کی راہ میں جو چیزیں بھی حائل ہوں اُنھیں چھوڑ دے، آرام و راحت، مال و دولت، مُلک و وطن، اہل و عیال سب اس میں شامل ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ دُنیا کے تمام نظام جب اپنے پیرووں سے "ہجرت" کا مطالبہ کرتے ہیں تو اُن کے سامنے جو بھی اعلیٰ سے اعلیٰ مقصد رہتا ہے جس کی خاطر وہ قربانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں اُس کا تعلق صرف اسی زندگی سے ہوتا ہے وہ اگر چاہتے ہیں کہ لوگ آج اپنے آرام و آسائش کو چھوڑ دیں یا اپنا مال و دولت قربان کریں تو صرف اس لیے کہ کل انھیں اور اگر انھیں نہیں تو اُن کے بعد آنے والی نسلوں کو بہت زیادہ آرام و راحت اور مال و دولت ملنے کی اُمید ہے۔ لیکن اسلام جس ہجرت کا مطالبہ کرتا ہے اس کے

بدلے کے طور پر وہ اس زندگی کی نعمتوں کو رکھتا ہے جو اس زندگی کے بعد یقیناً آنے والی ہے اور جو ہمیشہ رہے گی۔ یہاں اس تفصیل کا موقع نہیں کہ میں آپ کے سامنے اس فرق کی وضاحت کروں جو نقطۂ نظر کے اس اختلاف سے اِسلام کی خاطر جد و جہد کرنے والے اس گروہ اور دوسرے نظاموں کی خاطر جان کھپانے والے لوگوں میں فطری طور پر واقع ہو جاتا ہے لیکن آپ یقین کیجئے کہ اسلام کا اپنے مقصد کے لیے ہجرت کا مطالبہ نہ کوئی انوکھا مطالبہ ہے اور نہ کسی پچھلے غیر ترقی یافتہ دَور کی یادگار۔ یہ ایک فطری مطالبہ ہے اور ایک لازمی شرط۔ بشرطیکہ اُمتِ مُسلمہ اس زندگی کو اپنانے کا فیصلہ کرے جو اللہ کے رسُولؐ نے پسند فرمائی ہے اور جس کا نقشہ قرآن کے ایک ایک صفحہ پر ہمارے سامنے ہے۔

اَبْ دوسری چیز جہاد کو لیجئے۔ اس کا نقشہ تو غیروں ہی نہیں بہت سے اپنوں کی نظروں میں بھی اور بھی بھیانک ہے۔ جہاد کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ انسان جس مقصد کو عزیز رکھتا ہے، اس کو حاصل کرنے اور اسے اس کے دشمنوں سے بچانے کے لیے اپنی جان اور مال سے انتہائی درجے کی کوشِش کرے اور اس کی خاطر اپنا سب کچھ لگا دے، ذرا غور کیجئے کہ کیا دُنیا میں کوئی قوم کوئی ملک، کوئی جماعت، کوئی قبیلہ، کوئی گھرانہ یا یہ کہ کوئی وجود کیا اس کوشِش کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے۔ اگر آپ اپنے دشمنوں کو دَفع کرنا جُرم سمجھ لیں، اگر آپ اپنے وجود کو باقی رکھنے کی کوششوں کو غلط سمجھنے لگیں تو کیا اس زمین کے اوپر کوئی ایسی قوت ہے جو آپ کے وجود کو برقرار رکھ سکے۔ یہ کام تو ہر قوم کر رہی ہے اور کرتی رہتی ہے۔ ہر مُلک اسے اپنے لیے ضروری سمجھتا ہے اور ہر جماعت اپنی بقا کے لیے ہی سہارا لیتی ہے۔ بس فرق صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ اگر کوئی قوم اپنے وجود کو برقرار رکھنا چاہتی ہے یا اپنے دشمنوں کے ہاتھوں مٹنے کے لیے تیار نہیں ہوتی تو اس کے سامنے سوائے اپنی قومی برتری کے اور کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح ملکوں کا حال ہے، اور یہی رُوح جماعتوں، قبیلوں اور افراد سب میں کام کر رہی ہے۔ البتہ اِسلام جس جہاد کے لیے ہمیں تیار کرتا ہے اس کی ایک لازمی شرط فی سبیل اللہ قرار دیتا ہے اس شرط کے سامنے آتے ہی کیفیت بالکل بدل جاتی ہے۔ اَب نہ کسی قوم کو دوسری قوم پر غالب کرنے کا سوال باقی رہتا ہے اور نہ کسی مُلک کی حدود کو بڑھانے یا اس کا لوہا منوانے کی خواہش سامنے آتی ہے اور

نہ کسی جماعت یا کسی قبیلے پر دوسری جماعتوں اور دوسرے قبیلوں کی بالادستی قایم کرنے کا کوئی خیال دل میں باقی رہتا ہے بلکہ اس کے برخلاف جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کھپا کر کمال درجے کی سعی و محنت کرنے کے لیے اُٹھتے ہیں۔ ان کے سامنے صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے۔ وہ اپنے لیے کچھ نہیں چاہتے، وہ اِنسانیت کے دُکھوں کو دُور کرنا چاہتے ہیں، بھٹکے ہوئے انسانوں کو صحیح راستہ دِکھانا چاہتے ہیں اور جن لوگوں کی نظریں صرف اِسی دُنیا میں اُلجھ کر رہ گئی ہیں۔ اُنھیں اس ہمیشہ رہنے والی زندگی میں کامیاب کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ جب وہ اپنے لیے کچھ نہیں چاہتے تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اپنی جان اور مال کو کھپا کر کمال درجے کی سعی و محنت کرنا قبول کرلیں لیکن جب میں یہ کہتا ہوں کہ وہ اپنے لیے کچھ نہیں چاہتے تو اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ وہ اِس دنیا میں ملنے والے کسی نفع یا کسی بدلے کی خاطر یہ پاپڑ نہیں بیلتے۔ ان کے دِلوں میں یہ حقیقت بہت اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے کہ اصل معاملہ اِس زندگی کا ہے جو موت کے بعد شروع ہوتی ہے اور جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ وہ جو کچھ چاہتے ہیں اسی زندگی میں چاہتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں اسی زندگی کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں۔

نقطۂ نظر کی یہ تبدیلی دونوں قسم کے جہادوں میں یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں اور جہاد فی سبیل غیراللہ میں زمین و آسمان کا فرق پیدا کر دیتی ہے۔ ایک میں خلوص، محبت، ہمدردی اور اصلاح کے جذبات کام کرتے ہیں اور دوسرے کی بنیاد مفاد پرستی، نفرت اور ذاتی، قومی اور ملکی برتری کے سوا کچھ نہیں۔

بھائیو اور عزیزو! یہ حضورؐ کی صرف ایک حدیث ہے، آپ جانتے ہیں کہ حدیثوں میں بھی یہ مضمون بار بار آیا ہے اور قرآن کی دعوت کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ ہم وہی زندگی گزاریں جو اسلام نے ہمارے لیے پسند کی ہے اور جس کے نتیجے میں ہماری ہمیشہ رہنے والی زندگی سُدھر سکتی ہے اس بات کی ضرورت نہیں کہ ان احکامات کے مقابلے میں مَیں اُمتِ مسلمہ کی موجودہ حالت آپ کے سامنے پیش کروں ہم اور آپ سب جانتے ہیں کہ ہم اس منزل سے دُور ہی نہیں ہیں بلکہ اب تو شاید ہم نے اس منزل کو بھلا ہی دیا ہے، یہی سب سے بڑی بدنصیبی ہے یقین جانئے،

کہ اُمت مسلمہ پر تو فرض نہیں کیا گیا ہے کہ وہ اگر کبھی غیر اسلامی زندگی کا شکار ہو جائیں تو وہ اسے آناً فاناً بدل کر ہی رکھ دیں لیکن یہ یقیناً ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے صحیح مقام کو ہمیشہ نظروں کے سامنے رکھیں اور اس کے لیے مسلسل کوشش کرتے رہیں۔ ان کوششوں کی ابتدا جماعت اور سمع وطاعت ہے اور آخری منزل ہجرت اور جہاد۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنِيْ وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۔

اہل و عیال کی تربیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ۔ لَا رَبَّ لَنَا سِوَاهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّآ اِیَّاهُ۔ وَاَشْهَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ:۔ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَزَّوَجَلَّ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا۔

بھائیو! مسلمان کی دُہری ذمے داری ہے۔ ایک طرف تو اُسے اپنے بچاؤ کی فکر کرنا ہے، زندگی کی اس مہلت میں وہ کام کرنا ہیں جو اُسے آخرت میں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچا سکیں، دوسری طرف اُسے دوسروں کو بھی دوزخ کی آگ سے بچانا ہے۔ اللہ کے احکامات اور اس کی ہدایات لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اِس بارے میں خاص طور پر اس کے اہل و عیال کی ذمے داری اس پر بہت سخت ہے۔ ہر شخص اپنے خاندان کا نگراں اور ذمے دار بنایا گیا ہے۔ اُس کی بیوی، اس کے بچے، اس کے ماتحت اس کے چھوٹے اور وہ تمام لوگ جن پر اسے کچھ بڑائی حاصل ہے سب اس کی نگرانی میں دیئے گئے ہیں۔ اور وہ اس بات کا ذمہ دار بنایا گیا ہے کہ انھیں دوزخ کی آگ سے بچائے۔

بہت سے لوگ تو ایسے ہیں جو اپنی اِس ذمے داری کو محسوس ہی نہیں کرتے۔ وہ خود اپنی اصلاح کی طرف سے بھی غافل ہوتے ہیں۔ خود اللہ تعالےٰ کے احکام کے خلاف کام کرتے رہتے ہیں ایسے لوگوں کی تو یہ ہمت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اپنے گھر والوں کو نیکی کی کوئی تلقین کر سکیں۔ ایسے بھائیوں کو سب سے پہلے اپنی حالت کی طرف توجہ کرنا چاہیے۔ کون جانتا ہے کہ زندگی کی یہ مہلت کب ختم ہو جائے اور انسان اپنے مالک کے حضور خالی ہاتھ شرمندہ اور گنہ گار بن کر پیش

ہو۔ توبہ کے لیے ہر وقت موقع ہے اللہ تعالےٰ کی رحمت بے پایاں ہے۔ لیکن صرف ان کے لیے جو وقت سے پہلے آنکھیں کھول لیں۔ اپنی پچھلی زندگی پر انھیں افسوس ہو۔ آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری میں وقت گزارنے کا فیصلہ کرلیں اور اپنی زندگی کے رُخ کو خوب سوچ سمجھ کر فوراً صحیح رُخ کی طرف موڑ دیں۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی اپنی زندگیاں کچھ بہتر ہیں، ان کے زیادہ تر کام اللہ کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں، وہ فرائض کی پابندی کرتے ہیں۔ بڑے بڑے گناہوں سے بچتے ہیں اور اُن کی زندگیوں میں خیر کا پہلو زیادہ ہوتا ہے لیکن یا تو وہ اپنے اہل وعیال کی اصلاح کی طرف سے غافل ہوتے ہیں اور یا وہ اس کام کو ایسے بھدّے طریقے سے کرتے ہیں کہ وہ بہت جلد مایوس ہو جاتے ہیں اور پھر اپنے متعلقین کو اُن کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اُن میں ایسے لوگ بھی ہیں جو گھر کے باہر دعوت و تبلیغ کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں لیکن گھر کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی۔ گھر کی طرف سے وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔ یہ صورت حال بڑی توجہ کی مستحق ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑی ذمے داری سے فرار ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت سخت ہے۔

بھائیو! گھر کے لوگوں کی اصلاح کے لیے بڑے ٹھنڈے دل کی ضرورت ہے یہ کام بہت صبر چاہتا ہے اور بڑی حکمت سے اسے کرنا چاہیے۔ عام طور پر گھروں میں جو لوگ اصلاح کا کام کرتے ہیں وہ نماز کی تاکید سے کام کی ابتدا کرتے ہیں۔ پہلے کسی قدر نرمی سے اور پھر ایک دم سختی سے کام لیتے ہیں۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ گھر میں اس کے احکام کی تعمیل بے چون چرا کی جائے، چنانچہ دینی اصلاح کے بارے میں بھی وہ یہی چاہتا ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل بلا حجت کی جائے اور اگر اس میں کچھ کمی ہوتی ہے تو وہ جھنجلاہٹ اور مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔

بھائیو! یہ طریقہ حکمت کے خلاف ہے۔ گھر والوں کے دلوں میں بھی پہلے ایمانیات کو پختہ کریں۔ عقائد کی اصلاح کریں۔ ہر مناسب موقع پر اسلامی عقیدے اُن کے دلوں میں بٹھائیں اُن کی تعلیم و تربیت کا انتظام کریں۔ آج کل باہر کی تعلیم میں آپ کے مقصد کے لیے کچھ نہ ملے گا۔ ایک وقت تھا کہ بچوں کے دینی عقائد اور ایمانیات کی تعلیم کا انتظام ان درس گاہوں اور اُن کے مدرسوں میں ہو جاتا تھا۔ اس وقت اتنی بات کافی تھی کہ گھر پر والدین نماز اور دوسرے اخلاقیات کی

نگرانی کریں۔ لیکن آج یہ سب کام آپ کو کرنا ہے۔ آج گھر کے باہر کی تعلیم نہ صرف یہ کہ اسلامی تعلیمات سے کوری ہے بلکہ اس میں تو اس کے خلاف بہت سی باتیں ذہنوں میں اُتاری جاتی ہیں ایسی صورت میں یہ کام اور بھی سخت ہو گیا ہے۔ آپ کو صرف اسلامی عقائد ہی اپنے بچوں کے ذہنوں میں بٹھانا نہیں ہیں بلکہ آپ کو اس زہر کا اُتار بھی کرنا ہے جو غیر اسلامی عقائد اور غیر اسلامی تعلیمات کے نتیجے میں ذہنوں میں گھولا جاتا ہے۔

بھائیو! آپ کے اہل وعیال براہ راست آپ کی ذمے داری میں دیئے گئے ہیں۔ آپ اُن کے لیے کھانا اور کپڑا فراہم کرنے کے ذمے دار ہیں۔ آپ اِس ذمے داری کو جیسے تیسے پُورا بھی کرتے ہیں۔ لیکن آپ پر بہت بڑی ذمہ داری انھیں مسلمان بنانے کی ہے۔ آپ سے اس بارے میں پُوچھ گچھ ہوگی۔ یہ آپ سے آپ مسلمان نہیں بن جائیں گے۔ اس کے لیے آپ کو دینی تعلیم کا بندوبست کرنا ہوگا۔ اسلامی عقائد، اسلامی تعلیمات، اسلامی اخلاق اور اسلامی اعمال انھیں سکھانے ہوں گے۔ آپ اس ذمے داری کو محسوس کیجیے۔ مِل جُل کر سوچیے۔ دو دو، چار چار افراد مل کر اپنے بچوں کے لیے کوئی انتظام کریں یا تنہا اپنے طور پر اس ذمہ داری کو پُورا کرنے کی کوئی صُورت پیدا کریں۔ بہر صورت یہ کام کرنے کا ہے اور کرنے سے ہی اس کے لیے راہیں پیدا ہوں گی۔

اَقُولُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللهَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ. فَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

راہ حق کی مشکلات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْغَنِیِّ الْحَمِیْدِ۔ اَلْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ۔ ذِی الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ۔ اَلْفَعَّالُ لِّمَا یُرِیْدُ۔ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا وَّھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ۔ اَحْمَدُہٗ سُبْحٰنَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَلَانِدَّ وَلَا مُعِیْنَ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ــــــ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

بھائیو! اسلام کے ابتدائی دور کی بات ہے مکہ معظمہ میں جو شخص بھی اسلام قبول کرتا اُس پر آفتوں اور مصیبتوں کا ایک طوفان ٹوٹ پڑتا۔ کوئی غلام یا غریب ہوتا تو اُس کو بُری طرح مارا پیٹا جاتا تھا۔ کوئی دوکاندار یا کاریگر ہوتا تو اس کی روزی کے دروازے بند کر دیئے جاتے یہاں تک کہ وہ بھوکوں مرنے لگتا۔ کوئی اونچے خاندان کا ہوتا تو اس کے اپنے خاندان والے اس بُری طرح تنگ کرتے کہ اس کی زندگی اجیرن کر دیتے اِن حالات نے ایک سخت خوف اور دہشت کا ماحول پیدا کر دیا تھا اور اس کا اثر یہ تھا کہ بہت سے لوگ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے قائل ہو جاتے تھے لیکن اس کے باوجود ایمان لانے کا اقرار کر کے اہل ایمان کی جماعت میں شامل ہوتے ڈرتے تھے۔ اِدھر جو لوگ ایمان لے آئے تھے ان میں بھی کچھ لوگوں میں انسانی فطرت کے اعتبار سے کبھی کبھی بے چینی اور پریشانی کی کیفیت پیدا ہونے لگتی تھی۔ اور یہ سوال اُبھر کر زبانوں تک آجاتا تھا کہ اب اللہ کی مدد کب آئے گی؟

عزیزو! اِن سخت حالات سے جن اہلِ ایمان کو گزرنا پڑا ہے وہ اپنے ایمان اور اسلام کے اعتبار سے ہم جیسے آج کل کے مسلمانوں سے کہیں زیادہ اونچا مقام رکھتے تھے بلکہ اگر سچ پوچھا جائے تو آج کل جو ہمارا حال ہے اس کے اعتبار سے تو اللہ کے ان محبوب بندوں کے مقابلے میں اپنے کو مسلمان کہنا ہی مشکل ہے لیکن اس کے باوجود ان سخت حالات میں ان مسلمانوں سے جو کچھ کہا گیا وہ یقیناً ہمارے لیے بڑا ہی قابل غور ہے۔ قرآن پاک کی سورۂ عنکبوت اسی زمانہ

میں نازل ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب انتہائی سخت حالات کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اسی زمانے میں فرمایا گیا:۔

الٓمّٓ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ٥ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ٥

"ا۔ل۔م۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے؟ اور ان لوگوں کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گذرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے جو مومنوں سے دُنیا اور آخرت کی کامیابیوں کے وعدے کیے ہیں، وہ ایسے نہیں ہیں کہ کوئی شخص محض ایمان کا زبانی دعوےٰ کر کے اُن کا حق دار بن جائے۔ اس کے لیے امتحان اور آزمایش کی سخت منزلوں سے گزرنا پڑے گا اور اپنے دعوے کی سچائی کا ثبوت دینا ہوگا۔ ہماری خوشنودی کا حاصل کرنا اور جنّت کا ملنا اتنا آسان نہیں ہے کہ بس زبان سے ایک دعویٰ کیا اور جنت کے مستحق ہو گئے اس کے لیے تو مصیبتیں اُٹھانا ہوں گی۔ جان اور مال کا نقصان برداشت کرنا ہوگا۔ مصیبتوں اور مشکلوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ تم خوف سے بھی آزمائے جاؤ گے اور لالچ سے بھی۔ ہر چیز جو تمہیں عزیز ہے، اُسے ہماری رضا کی خاطر قربان کرنا پڑے گا اور ہر تکلیف جو تمہیں ناگوار ہے اُسے ہمارے لیے برداشت کرنا ہوگا تب کہیں جاکر یہ بات کھُلے گی کہ تم نے جو ایمان کا دعوےٰ کیا ہے وہ سچا ہے یا جھُوٹا۔

مکّے کے یہ حالات اور زیادہ سخت ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام ساتھیوں سمیت اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ مسلمانوں نے مکّے کو چھوڑ کر مدینے کو اپنا مقام بنایا۔ لیکن یہاں بھی حالات کچھ کم صبر آزمانہ تھے۔ ہجرت کے بعد مدینے کی ابتدائی زندگی انتہائی معاشی مشکلات، عرب قبیلوں کی طرف سے خطرات، یہودیوں کی مخالفتوں اور منافقوں کی

اندرونی شرارتوں نے اہل ایمان کو سخت پریشانیوں میں مبتلا کر رکھا تھا اسی پریشانی کے دور میں فرمایا گیا:۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ (البقرہ۔ رکوع ۲۶)

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالاں کہ ابھی تم پر وہ حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے گزرے ہوئے (اہلِ ایمان) پر گزر چکے ہیں۔ ان پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں اور وہ ہلا مارے گئے۔ یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے لوگ پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی (اس وقت انھیں یہ خوش خبری سنائی گئی کہ) خبردار ہو، اللہ کی مدد قریب ہے۔"

اِس کے بعد مدینے ہی کی زندگی میں جنگ اُحد کے بعد پھر مصائب اور مشکلات کا ایک سخت دور آیا۔ اس موقع پر ارشاد ہوا:۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (آل عمران۔ رکوع ۱۴)

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالاں کہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے جہاد میں جان لڑانے والے اور پامردی دکھانے والے کون ہیں۔"

بھائیو! اللہ تعالیٰ کے اِن ارشادات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی سنت ہمیشہ یہی رہی ہے کہ وہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کی آزمایش فرماتا ہے، ان کو سخت حالات سے دوچار کرتا ہے، طرح طرح کی مصیبتیں اور مشکلیں ان پر پڑتی ہیں اور حالات صاف طور پر یہ بتا دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ صرف اسی لیے ہو رہا ہے کہ انھوں نے ایمان کا دعویٰ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن پاک میں اس حقیقت کو بیان فرما دیا ہے کہ اس طرح کی جو آزمایشیں آتی ہیں ان کی اصل وجہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ بات اچھی طرح ایمان والوں کے ذہنوں میں بٹھانا چاہتا ہے کہ دراصل آزمایش ہی وہ کسوٹی ہے جس سے کھرا اور کھوٹا پرکھا جاتا ہے۔ جب آزمایشیں آتی ہیں تو کھوٹا خود ہی اللہ کی راہ سے ہٹ جاتا ہے اور صرف کھرا ہی

باقی رہ جاتا ہے۔ اس طرح یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ کون اللہ تعالیٰ کے انعامات اور جنت کا مستحق ہے اور کون اس کا حق دار نہیں ہے۔ ہمیشہ سے اللہ کی سنت یہی رہی ہے۔ قرآن پاک میں پچھلی قوموں کے ایسے واقعات بار بار بیان ہوئے ہیں اور اہلِ ایمان کی آزمائشوں کا ذکر کتنی ہی جگہ آیا ہے۔

عزیزو! اور دوستو! ایک طرف ان حالات کو رکھیے اور دوسری طرف اپنی صورت حال پر نظر ڈالیے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ ہمیں ان جیسی مشکلات کا ایک سواں حصہ بھی پیش نہیں آتا۔ بلکہ عام طور پر ایمان اور اسلام کے تعلق سے ہمیں کسی دُشواری کا سامنا کرنا ہی نہیں پڑتا۔ یوں زندگی میں جو اُتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں وہ تو مسلموں اور غیر مسلموں سب ہی کے لیے ہیں۔ لیکن ہمیں ایسی مشکلات کا تجربہ کم ہی کرنا پڑتا ہے جن کی وجہ ہمارا ایمان یا اِسلام ہو کبھی آپ نے سوچا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا ہمارے ایمان کا دعویٰ ایسا پکّا دعویٰ ہے کہ ہماری آزمائش کی کوئی ضرورت ہی نہیں؟ کیا ہم صحابۂ کرامؓ کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں یا اس کی وجہ کچھ اور ہے؟

اگر آپ غور فرمائیں گے تو اس بات سے اتفاق کریں گے کہ دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم گرچہ ایمان اور اسلام کا دعوےٰ کرتے ہیں لیکن ایمان کے تقاضے یا تو پورے ہی نہیں کرتے، اور اگر کرتے ہیں تو صِرف اسی حد تک جہاں تک کسی سے کسی طرح کوئی کشمکش ہونے ہی نہ پائے۔ مثلاً اِسلام کا مطالبہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں اور جماعت کا اہتمام کریں۔ لیکن یا تو ہم اس تقاضے کو پُورا ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو صرف اسی صورت میں کہ نہ تو ہمیں کسی افسر کی مرضی کے خلاف دفتر کا کام چھوڑ کر نماز کے لیے جانے کی ضرورت پیش آتی ہے اور نہ کاروبار چھوڑ کر نماز کے لیے جانا پڑتا ہے کہ ہماری آمدنی پر کوئی اثر پڑے۔ ہم ہر قدم پر لوگوں کی خوشی اور ناخوشی کا لحاظ رکھتے ہیں چاہے اس طرح ہمیں اسلام کا کوئی بھی مطالبہ کیوں نہ چھوڑنا پڑے۔ مثلاً جب ہمارے ہاں کوئی تقریب ہوتی ہے تو ہم رسم ورواج کی پابندی میں برادری اور خاندان کے مطالبوں کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں اور اگر اس طرح اسلام کے کسی مطالبے کو چھوڑنے کی ضرورت آن پڑتی ہے تو ہم بلا تکلف اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح ہم برادری یا خاندان کو ذرا

بھی ناخوش ہونے کا موقع نہیں دیتے ۔ رہے ایمان اور اسلام کے تقاضے، تو وہ ہم اسی حد تک پورے کرتے ہیں جس حد تک برادری اور خاندان کو گوارا ہوتے ہیں۔ یہی حال ہمارا وقت کی حکومت اور نظام کے تعلق سے رہتا ہے۔ ہم پوری احتیاط برتتے ہیں کہ اسلام اور ایمان کے ان تقاضوں کو منھ سے نہ نکالیں اور نہ ان پر عمل کرنے کی جرأت کریں جو وقت کی حکومت اور ملک کے چلتے ہوئے نظام کو ناپسند ہوں۔ ہم اپنے ایمان اور اسلام کے تقاضوں کو ان حدود کے اندر رکھتے ہیں جو حکومت نے طے کردی ہیں یا جو اس کی مرضی کے موافق ہیں۔ ایسی صورت میں اس کا موقع ہی کیا باقی رہتا ہے کہ کسی سے کوئی کش مکش ہو۔ ہم اپنی اولادوں کو بے دریغ ان تعلیمی اداروں کے حوالے کردیتے ہیں، جہاں حکومت کے اپنے پلان کے تحت آنے والی نسلوں کے ذہنوں کو ایک خاص رنگ میں ڈھالا جارہا ہے۔ ہم دین اور دُنیا کی تقسیم کے نظریہ کو کم سے کم عملی طور پر قبول ہی کرلیتے ہیں۔ ہم زندگی کے ہر اس حصے کو دین کی گرفت سے آزاد کردیتے ہیں جسے حکومت اپنے اختیار میں لے لینے کا فیصلہ کرتی ہے۔ ہم اس نظریئے کی تائید کردیتے ہیں جسے حکومت حق کہتی ہے چاہے اس بارے میں اسلام کا فیصلہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ہم ہر اس معاشی اسکیم کو قبول کرلیتے ہیں جسے حکومت چلانا چاہتی ہے۔ اور ہم ہر اس سماجی قانون کو گوارا کرلیتے ہیں جسے حکومت لاگو کرنا چاہتی ہے بلالحاظ اس بات کے کہ ان کا تصادم اسلامی اُصولوں سے ہوتا ہے یا نہیں ایسی صورت میں آپ ہی بتائیں کہ آخر کش مکش کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے اور اسلام اور ایمان کے تعلق سے کسی قسم کی مصیبتوں اور آزمائشوں کے آنے کا موقع ہی کب باقی رہتا ہے۔

انتہا تو یہ ہے کہ ہم میں سے جو لوگ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے کا حوصلہ کرتے ہیں وہ بھی بات اسی حد تک کہتے ہیں جس حد تک مخاطب ساتھ دے سکے بات کہنے کا انداز بھی علمی ہوتا ہے۔ ہم کبھی ملایم سے ملایم اور مناسب سے مناسب انداز میں بھی اپنے کسی ساتھی کی کوتاہیوں پر اسے نہیں ٹوکتے۔ اس کا جو جی چاہتا ہے وہ کرتا رہتا ہے اور ہم جو چاہتے ہیں خود کرتے رہتے ہیں۔ یہی حال ہمارا گھروں میں ہے۔ بیویاں اگر کسی اور ڈھنگ پر زندگی گزار رہی ہیں تو ہم خواہ مخواہ کچھ کہہ کر گھر کی فضا کو مکدر نہیں ہونے دیتے۔ عزیز و اقرباء اگر کسی رنگ پر رہیں تو ہم ان سے کوئی تعرض

نہیں کرتے کہ کہیں عزیزداری اور رشتہ داری میں کوئی فرق نہ آجائے۔ انتہا یہ کہ اگر اولادیں زمانہ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہیں تو ہم اُن کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے۔ اور بس ایک دو بار بات کہہ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارا فرض ادا ہو گیا۔

بھائیو! بھلا اس طرح "احتیاط" کے ساتھ جب ہم دین کے تقاضے پُورے کرنے کا ڈھنگ جانتے ہوں تو پھر مصیبتوں اور آزمائشوں کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے اللہ کی طرف سے آزمائشیں تو اس کی ہوتی ہیں جو اس میدان میں قدم رکھتا ہے۔ امتحان کا پرچہ تو اُسے دیا جاتا ہے جو امتحان گاہ میں داخل ہو کر پرچہ کرنا بھی چاہے لیکن جو کوئی میدانِ عمل سے باہر ہی رہے اور امتحان گاہ میں داخل ہی نہ ہو اُسے کاہے کی فکر ـــــ بس کچھ ایسا ہی حال آج کل ہمارا معلوم ہوتا ہے۔ آزمائشوں سے یہ دُوری اور امتحان گاہ سے یہ بے تعلقی ممکن ہے کہ کسی کی سہولت پسند طبیعت کے لیے کوئی اطمینان کی صورت ہو لیکن جو لوگ اللہ کی جنت کے طالب ہیں اور اس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے تو یہ صورتِ حال بڑی تشویش کی بات ہے اس طرح تو انھیں اِس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ کہیں وہ اس طالبِ علم کی طرح جو امتحان گاہ سے باہر ہی رہا کامیابیوں سے محروم نہ رہ جائیں۔

عزیزو! آزمائشیں نہ تو طلب کرنے کی چیز ہیں اور نہ اُن کے لیے آرزو کرنا درست ہے لیکن ایمان اور اسلام کے تقاضوں سے جان چُرا کر آزمائشوں سے دُور رہنا یقیناً اللہ کی رحمتوں سے دور رہنا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اس محرومی سے بچائے اور اپنی پُوری زندگی میں دین کے تقاضوں کو پُورا کرنے کی توفیق اور جرأت عطا فرمائے۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِي وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ۔ اَقُوْلُ قَوْلِي هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَلَكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ فَاسْتَغْفِرُوْهُ۔ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

امتحان کی گھڑی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یَّنَامَ ۔ یَرْفَعُ الْقِسْطَ وَ یَخْفِضُہٗ یُرْفَعُ اِلَیْہِ عَمَلُ اللَّیْلِ قَبْلَ النَّہَارِ وَعَمَلُ النَّہَارِ قَبْلَ اللَّیْلِ ـــ وَ ھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِاللَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّہَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْہِ لِیُقْضٰی اَجَلٌ مُّسَمًّی ثُمَّ اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ ۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ "لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ حَتّٰی یُسْأَلَ عَنْ عُمُرِہٖ فِیْمَا اَفْنَاہُ وَعَنْ عِلْمِہٖ فِیْمَا فَعَلَ وَعَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَہٗ وَفِیْمَا اَنْفَقَہٗ وَعَنْ جِسْمِہٖ فِیْمَا اَبْلَاہُ" اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ ۔

عزیزو اور دوستو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ قیامت کے میدان میں کوئی انسان اس وقت تک باری تعالیٰ کے سامنے سے ہٹ نہیں سکے گا جب تک وہ پانچ مقررہ سوالات کے جوابات نہ دے لے، یہی وہ سوالات ہیں جن کے جوابات پر انسان کے آخری فیصلے کا مدار ہوگا۔ قبل اس کے کہ میں آپ کے سامنے ان باتوں کو رکھوں جن کے متعلق سوال کیے جانے کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے یہ سوچیں کہ جن سوالات کے جوابات پر ہماری آخری کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ ہے ان کا معلوم ہو جانا کتنی بڑی بات ہے ایک ایسا طالب علم جو امتحان کی تیاری کر رہا ہو اور جسے یہ معلوم ہو کہ اس کی آئندہ زندگی کی کامیابی یا ناکامی کا مدار اس امتحان میں کامیاب ہونے ہی پر ہے اُسے اگر کوئی شخص یہ بتا دے کہ دیکھو تمھارے امتحان کا پرچہ یہ ہے اور تم سے

امتحان میں یہ اور یہ سوال پُوچھے جائیں گے تو وہ اس شخص کا کیسا احسان مند ہوگا اور اگر اس طالب علم کو یہ یقین ہو کہ جو شخص پرچے کے سوالات بتا رہا ہے وہ پورا پُورا واقف حال ہے اور بالکل سچا ہے، اس کی بتائی ہوئی بات میں کسی قسم کی غلطی یا بھُول چوک کا امکان ہی نہیں تب تو اس کی نظر میں اس کی بتائی ہوئی بات کا وزن اتنا زیادہ ہوگا کہ وہ اِن باتوں کو ہر وقت نظر کے سامنے رکھے گا۔ اسی کے بتائے ہوئے سوالوں کے جوابات دینے کی تیاری شروع کر دے گا اور کوشش کرے گا کہ وہ امتحان میں ان سوالوں کے بہتر سے بہتر جواب لکھ کر آئے۔

بھائیو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمارا ایمان ہے کہ آخرت کی باتوں کا جاننے والا ان سے زیادہ کوئی دوسرا انسان نہیں ہوسکتا اور یہ بھی ہمارا ایمان ہے کہ حضوؐر کی ہر بات بالکل سچی ہے۔ اب ذرا سوچیے کہ حضوؐر نے جو ہمیں یہ اطلاع دی ہے کہ دیکھو قیامت کے میدان میں ہر انسان سے یہ اور یہ باتیں پوچھی جائیں گی اور جب تک وہ ان کا جواب نہ دے لے وہ اللہ کے دربار سے قدم نہیں ہٹا سکے گا تو یہ اطلاع ہمارے لیے کیسی قیمتی اور کیسی قابل توجہ ہے۔

بھائیو! حضوؐر نے ارشاد فرمایا کہ پہلی بات جو ہر انسان سے پوچھی جائے گی وہ یہ سوال ہوگا کہ تو نے اپنی عمر کاہے میں صرف کی یعنی تجھے دنیا کی زندگی میں جو عمل کی مہلت دی گئی تھی اس میں تو نے کیا کیا؟ ہم سب جانتے ہیں کہ دُنیا کی یہ زندگی دراصل ہر انسان کے لیے ایک امتحانی بات ہے، یہاں ہر شخص جس حال میں بھی رکھا گیا ہے اس میں اس کا امتحان ہو رہا ہے اور وہ وقت آنا ہے جب یہ دیکھا جائے گا کہ اس نے اس امتحان میں کیا کیا اور کیا نہیں کیا۔

دوسرا سوال انسان سے اس کی جوانی کے بارے میں ہوگا کہ اللہ نے اُسے جو قوتیں اور صلاحیتیں شباب کے عالم میں دی تھیں اُن سے اس نے کیا کام لیا۔ اللہ کی مرضی اور اس کے احکامات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس نے وقت گزارا یا نفس کی خواہشات اور جذبات کی رَو میں بہہ کر اس نے اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو غلط راہوں میں ضائع کر دیا۔

تیسرا سوال مال کے بارے میں ہوگا کہ اُسے انسان نے کن کن طریقوں سے حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے آرام و آسائش اور زندگی بسر کرنے کے لیے بے شمار سامان پیدا کیے ہیں۔ جنھیں اِنسان اپنے ارادے اور اپنی محنت سے حاصل کرتا ہے لیکن ان کے حاصل کرنے کے کچھ

طریقے تو ایسے ہیں جو صحیح اور جائز ہیں ۔ اللہ کے احکامات اور اس کی مرضی کے مطابق ہیں اور یہ سب حلال طریقے ہیں ۔ لیکن کچھ طریقے اللہ کو ناپسند ہیں ۔ ان کو استعمال کرنے سے اللہ نے روکا ہے اور یہ سب حرام طریقے ہیں ۔ انسان کو اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو زندگی کے اس سامان کو حلال طریقوں سے حاصل کرے اور چاہے تو اس کے لیے حرام طریقے اختیار کرے آخرت میں اللہ کے سامنے ہر انسان کو جواب دینا پڑے گا کہ اس نے جو مال حاصل کیا وہ کس کس طریقے سے حاصل کیا ۔

چوتھا سوال بھی مال ہی کے بارے میں ہوگا ۔ انسان سے یہ پوچھا جائے گا کہ زندگی کے جو اسباب اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیئے تھے اس نے انھیں کس طریقے سے صرف کیا ۔ صرف کرنے کے سلسلے میں بھی کچھ طریقے جائز ہیں اور کچھ ناجائز ۔ یہاں بھی انسان نفس کی خواہشات کا شکار ہوکر اللہ کے دیئے ہوئے مال کو غلط طریقوں پر خرچ کرنے لگتا ہے ۔ اللہ کے دربار میں اس بارے میں بھی پوچھا جائے گا کہ تم نے جو مال کمایا اسے خرچ کس طرح کیا ۔

پانچواں سوال انسان کے علم کے بارے میں ہوگا کہ اُسے جو باتیں معلوم ہوگئی تھیں ان کے مطابق اس نے کیا عمل کیا ۔ جہاں تک بھلی باتوں ، اللہ کے احکام اور اس کی خوشی اور ناخوشی کے کاموں کے جاننے کا تعلق ہے ہر انسان اس بارے میں بہت کچھ جانتا ہے ، ایک حد تک ہر شخص کو معلوم ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے ۔ اچھائی کے کام کون سے ہیں اور برائی کے کون سے ، کن باتوں سے اللہ خوش ہوتا ہے اور کن باتوں سے ناراض ۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جو وہ لوگ بھی جانتے ہیں جن کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا یا بہت تھوڑا آتا ہے ۔ رہ گئے وہ لوگ جنھیں ہم عالم کہتے ہیں جو پڑھے لکھے ہیں ، جنھیں اللہ کے احکامات کا علم اوروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے ان کی ذمہ داریاں تو اور زیادہ ہیں لیکن جہاں تک اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوکر جواب دینے کا تعلق ہے وہاں ہر شخص سے پوچھا جائے گا کہ اُسے جو کچھ معلوم تھا اس کے مطابق اس نے کہاں تک عمل کیا جو بھلی باتیں اُسے معلوم تھیں اسے کہاں تک اختیار کیا اور جن برائیوں کو وہ جانتا ان سے وہ کہاں تک بچا ۔

بھائیو اور عزیزو ! قیامت کی امتحان گاہ میں جو پرچہ ہم میں سے ہر شخص کو حاصل کرنا ہے

وہ ہمارے سامنے آچکا ہے اگر واقعی ہمیں آخرت کی جواب دہی اور اللہ کے حضور کھڑے ہونے کا یقین ہے تو اس پرچے کے سوالات کے سامنے آجانے کے بعد ہماری روش وہی ہونا چاہیئے جو اس طالب علم ہوتی ہے جسے کوئی امتحان دینا ہو اور اسے یہ معلوم ہو جائے کہ امتحان میں کیا کیا سوال آنے والے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ جب اس طرح کے سوال کی بھنک کسی طالب علم کے کان میں پڑجاتی ہے تو چاہے اُسے یہ یقین ہو یا نہ ہو کہ یہ سوال امتحان میں آئے گا۔ لیکن وہ اس کی تیاری ضرور کرلیتا ہے۔ سوچتا ہے کیا معلوم یہ سوال آہی جائے اور پھر اس وقت خواہ مخواہ افسوس کرنا پڑے۔

بھائیو! ہم سب کو جو امتحان دینا ہے اس کے سوالات یقینی طور پر ہمیں معلوم ہو گئے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان سوالات کو سامنے رکھ کر اپنی تیاری نہ کریں۔ آپ جانتے ہیں کہ جب کسی طالب علم کو اس طرح سوالات کا علم ہو جاتا ہے تو وہ انھیں حل کرنے کی مشق کرتا ہے، اُن کے جوابات بہتر سے بہتر طریقے پر تیار کرتا ہے اور اس وقت کا انتظار کرنے لگتا ہے جب سچ مچ اُسے امتحان کے کمرے میں ان سوالات کے جوابات دینا پڑیں گے۔ کچھ ایسی ہی حالت ہماری بھی ہونا چاہیے۔ اس کی ایک شکل یہ ہو سکتی ہے کہ ہم آخرت کی اس گھڑی کے آنے سے پہلے جب ہمیں ان سوالات کا جواب دینا پڑے گا خود اپنے طور پر ان سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قبل اس کے کہ تمہیں حساب دینا پڑے تم خود اپنا محاسبہ کرتے رہو۔ اس کے لیے ہم میں سے ہر شخص وقت اور مدّت خود اپنے طور پر طے کر سکتا ہے مثلاً وہ یہ طے کرے کہ میں ہر ہفتے فلاں دن، یا ہر چوبیس گھنٹے کے بعد فلاں وقت اوپر ذکر کیے گئے پانچوں سوالوں کو سامنے رکھ کر اپنے آپ سے یہ سوال کیا کروں گا کہ میرے پاس ان پانچ باتوں کا کیا جواب ہے اور اگر جواب میں کچھ کمزوری، کوتاہی یا غفلت سامنے آئے گی تو اُسے جلد سے جلد دُور کرنے کی کوشش کروں گا تاکہ جب دوبارہ میں اپنے آپ سے یہ سوالات کروں، تو مجھے محسوس ہو کہ میرے قدم کامیابی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

بھائیو اور عزیزو! یہ ایک نہایت ضروری اور عملی مشورہ ہے جس پر عمل کرنے سے ہم میں سے ہر شخص کو یقیناً فائدہ ہوگا۔ آج ہماری سوسائٹی کا حال یہ ہے کہ ہر شخص خرابیوں اور بُرائیوں

کا رونا روتا ہے، جہاں دو چار آدمی جمع ہوں وہاں تھوڑی ہی دیر کے بعد گفتگو کا موضوع سماج کی برائیاں، عوام کی اخلاقی گراوٹ اور چہار طرف پھیلے ہوئے فتنہ و فساد کے خلاف نفرت اور بیزاری ہی ہو جاتا ہے۔ آپ کو تجربہ ہوگا کہ اس معاملے میں کوئی استثنا نہیں ہے پڑھے لکھے ہوں یا اَن پڑھ۔ اونچے درجے کے لوگ ہوں یا عام لوگ، کاروباری ہوں یا ملازمت پیشہ، اہل حرفت ہوں یا کاشتکار اور زمیندار۔ غرض یہ کہ ہر شخص کی زبان پر یہی رونا ہے کہ حالات بہت خراب ہو چکے ہیں۔ اخلاق کی گراوٹ انتہا کو پہنچ چکی ہے، رشوت، بے ایمانی اور بے انصافی عام ہے۔ اَب یہاں یہ سوچنے کی بات ہے کہ جب ایک بات ہم میں سے ہر شخص محسوس کر رہا ہے اور ہر شخص اس کا شاکی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ بات دُور نہیں ہوتی۔ یہ ایک عجیب کیفیت ہے کہ شکایت ہر شخص کو ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہر شخص اس میں مبتلا ہے۔

بھائیو! اس کی وجہ صرف ایک ہے، ہم برائیوں کو جانتے ہیں انھیں محسوس بھی کرتے ہیں۔ لیکن ہم دوسروں سے ہی یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان سے اپنے دامن پاک کریں تاکہ سوسائٹی کو امن اور اطمینان نصیب ہو ہم میں سے کم ہی لوگ ایسے ہوں گے جو اپنی ذات کو سامنے رکھ کر کوئی فیصلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر بیان کیے ہوئے ارشاد کے بموجب اگر ہم میں سے ہر شخص خود اپنا محاسبہ کرے گا تو وہ دوسروں کا رونا رونے کے بجائے اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کرے گا اور حقیقی اصلاح کی یہی ایک صورت ممکن ہے، آج ہم سوسائٹی میں جن جن خرابیوں کا رونا روتے ہیں اُن کی اصل وجہ صرف ایک ہی ہے یعنی خدا سے بے خوفی اور اُس کے سامنے جواب دہی کے یقین کی کمی۔

بھائیو اور عزیزو! ہم میں سے ہر شخص کا ایمان ہے کہ اُسے اللہ کے حضور کھڑا ہونا ہے۔ اس ایمان کا پہلا تقاضا یہی ہے کہ ہماری عملی زندگی میں اس یقین کے اثرات نمایاں ہوں۔ ہمارے اخلاق، معاملات، اور پوری زندگی سے یہ بات ظاہر ہو کہ ہمارے دِلوں میں اللہ کا خوف ہے اور ہم اُس کے حضور جواب دہی کا یقین رکھتے ہیں۔ یہی ایک ایسی صورت ہے جس سے ہماری زندگیاں بدل سکتی ہیں اور ہماری ان بدلی ہوئی زندگیوں سے بہت سے اللہ کے بندوں کو صحیح راہ کی طرف رہنمائی ہو سکتی ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہی ہمارا مقام ہے، اور یہی ہمارا

کام۔ ہم سب کو اللہ سے دُعا کرنا چاہیے کہ وہ ہمیں اس دن سرخرو فرمائے جب اس کے حضور کھڑے ہو کر ہمیں اِن باتوں کا جواب دینا پڑے گا۔ جن کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہماری زندگیوں کو دوسروں کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ بنائے اور اس بات سے محفوظ رکھے کہ ہمارے اعمال اور افعال دوسروں کو غلط راہوں پر لے جانے کا سبب بنیں۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ اَجْمَعِیْنَ وَاسْتَغْفِرُوْہُ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔

اسلامی انقلاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

اَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ وَاَشْکُرُكَ وَاَسْتَغْفِرُكَ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَلَا نَاصِرَ وَلَا ظَهِیْرَ۔ وَاَشْهَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ الْمَبْعُوْثُ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ۔ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ۔ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا۔ وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔ وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْهَا۔ کَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

برادرانِ اسلام! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تم کو موت نہ آئے لیکن اس حال میں کہ تم مسلم ہو تم سب مِل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے اللہ تعالےٰ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان

علامتوں سے تمھیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے۔

تم میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بُلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور بُرائیوں سے روکتے رہیں جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے"۔

بھائیو! ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دُنیا میں تشریف لانے سے پہلے لوگ جہالت میں مبتلا تھے اور قسم قسم کی گمراہیوں میں بھٹک رہے تھے وہ بتوں کی پُوجا کرتے تھے، درختوں اور پتھروں کو اپنا معبود ٹھیراتے تھے۔ فرشتوں، نبیوں اور نیک لوگوں کو دیوتا اور خدا مان کر اُن کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اُن کی زندگیاں ظلم، جہالت، فساد اور بغاوت سے پُر تھیں جو طاقت ور تھے وہ کمزوروں کا خُون چُوستے تھے۔ اور لوگوں کے خُدا بنے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے معاملات اللہ کے باغیوں کے ہاتھوں میں دے رکھے تھے اور وہ کاہنوں، نجومیوں اور جوتشیوں کے پھندوں میں بُری طرح پھنسے ہوئے تھے۔ ہر طرف بے چینی ہی بے چینی تھی۔ امن اور سکون کسی کو میسر نہ تھا۔ بزرگی اور شرافت کا مدار حسب اور نسب پر رہ گیا تھا۔ خدا پرستی اور اخلاق کا کوئی وزن نہ تھا ـــــ یہ حال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہوا اور اس نے اپنے محبوب جناب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ حضورؐ نے اللہ کے دین اور اس کی بھیجی ہوئی ہدایت کی نعمت سے اللہ کے بندوں کو روشناس کرایا۔ انھیں اللہ کے بارے میں صحیح علم کی روشنی سے مالا مال کیا۔ نیکی اور بدی کی تمیز سکھائی۔ نیکو کاروں کو ابدی کامیابی کی خوش خبری دی اور بدکاروں کو ان کے انجام سے ڈرایا ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعتبار سے تمام انسانوں میں سب سے بہتر تھے۔ لوگوں کے لیے بہترین غم خوار اور سب سے بڑھ کر خیر خواہ۔ ہر آن اُن کی ہدایت اور نجات کے لیے بے چین رہنے والے' دُنیا کو ہدایت کی روشنی آپ کے دم سے ملی۔ کفر اور شرک کی لعنت دُور ہوئی اور توہم پرستی اور جہالت کے پردے چاک ہوئے۔ درود و سلام ہو پیارے نبیؐ پر اور اللہ کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں ہوں حضورؐ کی ذات گرامی پر۔

پیارے بھائیو! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو توحید کی طرف بُلایا۔ دَر دَر کی ٹھوکریں کھانے والے انسان کو ہر ایک کی غلامی سے نکال کر صرف اللہ کا بندہ بنایا۔ تمام

شاہیوں، سرداریوں اور خدائیوں کو ہٹا کر صرف ایک اللہ کا قانون چلایا۔ اللہ کے سوا ہر معبود کی عبادت سے ہٹا کر انسان کو صرف اللہ کی عبادت پر جمایا یہ کام کچھ آسان نہ تھا۔ توحید کی دعوت کو تھوڑے ہی لوگوں نے قبول کیا۔ تیرہ سال تک مکّہ میں یہی کام ہوتا رہا۔ لیکن آپؐ کے ساتھیوں کی تعداد زیادہ نہ ہو سکی۔ لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، جادوگر اور کاہن کہا مذاق اڑایا اور پھر طرح طرح ستانے لگے۔ مکّے میں رہنا دوبھر کر دیا۔ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی بے انتہا ستائے گئے۔ کفر اور شرک کے حامیوں نے مِل کر آپ کا مقابلہ کیا۔ اللہ کی ہدایت کی روشنی کو بجھا دینے پر تُل گئے لیکن اللہ کا تو فیصلہ ہو چکا تھا کہ وہ اس کی روشنی کو پھیلا کر رہے گا چاہے مشرک کتنا ہی ناپسند کریں۔ اللہ نے مشرکوں کی چالوں کو بے کار کر دیا۔ انھوں نے اللہ کے رسول کو قتل کر دینے کا منصوبہ بنایا۔ وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور ان کی چالیں بے کار ہو گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے صبر کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ کیا۔ اللہ پر بھروسہ رکھا۔ نرمی اور درگزر کا رویّہ اختیار کیا۔ ہر بُرائی کا مقابلہ بھلائی سے کیا۔ گالیوں کے بدلے دُعائیں دیں۔ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھا اور نماز اور صبر کے ذریعہ اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنایا اور یہی فرمایا کہ:۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ "اے اللہ! میری قوم کو سیدھا راستہ دکھا دے یہ جانتے نہیں (کہ میں اللہ کا نبی اور اُن کا خیر خواہ ہوں)

درود اور سلام ہو پیارے نبیؐ پر اور اللہ کی بے شمار رحمتیں اور برکتیں ہوں حضورؐ کی ذات گرامی پر۔

عزیزو! آپ کو معلوم ہے کہ جب یہ حالات انتہا کو پہنچ گئے اور یہ معلوم ہو گیا کہ اب مکّے والوں میں سے کوئی بھی حضورؐ کی بات مان کر نہ دے گا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو ہجرت کا حکم دیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپؐ کے صحابہؓ نے اپنا وطن چھوڑ دیا۔ وہ اپنے گھروں، عزیزوں، کاروبار، کھیتوں اور باغوں کو چھوڑ کر چل کھڑے ہوئے۔ انھیں اپنے رب کے حکم کی بجاآوری ان سب چیزوں سے زیادہ عزیز تھی، ان کی نظر میں اصل قیمت دین کی تھی اور وہ اسے ہر قیمت پر بچانے کے لیے تیار تھے انھیں اپنے رَب پر پورا بھروسہ تھا۔ اور یہی

ان کا سب سے بڑا سہارا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔ اِس ہجرت کا مقصد صرف ایک تھا۔ اور وہ یہ کہ اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائی جائے اور کفر اور شرک کے علمبرداروں کا مقابلہ کیا جائے۔ مکّے کے یہ مسلمان ہجرت کر کے مدینے میں ایسے لوگوں کے پاس پہنچے جو انھیں دوست رکھتے تھے جن کے دل مومنوں کے لیے نرم تھے۔ کافروں کے لیے اُن کے دل میں کوئی جگہ نہ تھی۔ یہ لوگ اہل شرک کے مقابلے میں بڑے سخت اور اپنے اُصولوں پر جمنے والے تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق اور ہمدرد، اپنے مسلمان بھائی کے خیر خواہ خود تکلیف اُٹھا کر اپنے بھائی کو آرام پہنچانے والے۔ ان لوگوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے مسلمان بھائیوں کا دل کھول کر استقبال کیا۔ آپس کے تعلقات استوار ہوئے۔ سب مِل کر ایک جان اور ایک دل ہو گئے۔ سب نے مِل کر اللہ کے دین کی رسی کو مضبوط سے تھام لیا۔ اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے سب کمربستہ ہو گئے۔

برادرانِ اسلام! آپ سب جانتے ہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کے ہاتھوں شرک اور بت پرستی کی بنیادیں ہل گئیں۔ اوہام اور خرافات کا خاتمہ ہوا، ایمان اور اسلام کی روشنی سے انسانیت کو تقویت حاصل ہوئی۔ سوئی ہوئی انسانی خصلتیں جاگ اُٹھیں۔ جو صلاحیتیں شیطانی کاموں میں لگ رہی تھیں ان سے وہ کام ہوئے جن کو دیکھ کر فرشتے رشک کریں۔ دُنیا سچے اَمن و امان سے بھر گئی ظلم اور فساد صحیح معنیٰ میں مِٹ گیا پورے جزیرۂ عرب میں اسلام اور توحید کے سوا شرک اور بُت پرستی کا کہیں نام باقی نہ رہا۔ پھر اس کے بعد بھی اسلامی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ مشرق سے لے کر مغرب تک اسلامی اثرات پھیل گئے۔ اسلام کے دشمنوں نے اگرچہ بہتیرا ناک بھوں سکیڑا لیکن چہار طرف انصاف اور خیر کا بول بالا ہوا۔ لوٹ مار، قتل و غارت اور ظلم کا بازار سرد ہونے لگا۔ انسانوں پر انسانوں کی خدائی مٹنے لگی۔ اللہ کے بندے، اللہ کے بندے بننے لگے۔ اور اللہ کے بھیجے ہوئے احکام کی روشنی میں زندگیاں اَمن اور راحت کا صحیح لُطف حاصل کرنے لگیں۔ اِنسان حقیقی کامیابی کے مفہوم سے آشنا ہوا جو نگاہیں مادہ پرستی کی وجہ سے دُنیاوی زندگی سے آگے کچھ دیکھ ہی نہیں سکتی تھیں اُن میں دائمی زندگی کی حقیقی مسرتیں پوری طرح سما گئیں۔ انسان، انسان رہتے ہوئے فرشتوں کا

ہم پلّہ بن گیا۔

بھائیو! یہ ہے ایک مختصر سا خاکہ اس اسلامی انقلاب کا جو اللہ کے پیارے نبیؐ اور آپ کے محترم صحابہؓ کے ہاتھوں دُنیا میں آیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ سب اسی انقلاب کے داعی ہیں۔ دُنیا میں تنہا آپ ہی وہ گروہ ہیں جس کے ہاتھوں دنیا میں صحیح اَمن قایم ہوسکتا ہے اور اللہ کے بندوں کو نجات کا صحیح رَاستہ مِل سکتا ہے لیکن ذرا دیکھیے آپ کا کیا حال ہے۔ کیا آپ کے ہاتھوں یہ کام ہو رہا ہے؟ اگر نہیں تو کیا آپ تعداد میں تھوڑے ہیں؟ نہیں، ایسا نہیں ہے، بلکہ آپ آج بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود دُنیا میں فساد اور خدا سے بغاوت کا جو طوفان اُمڈا ہوا ہے اُس کے مقابلے میں آپ ایک تنکے کی مانند ہو گئے ہیں۔ آپ کا کوئی وزن محسوس نہیں ہوتا۔

دوستو! اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے اور وہ آپ جانتے ہیں۔ آج ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور آپؐ کے طریقوں سے بہت دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ دعوت اور جہاد کی رُوح ہم میں تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ دین کی راہ میں مشکلیں برداشت کرنے اور اللہ کے لیے اپنے نفس پر سختیاں جھیلنے کا کوئی سوال ہی ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ہماری زندگیاں یا تو نہایت اطمینان سے بسر ہو رہی ہیں، اور اگر دُشواریوں کا سامنا کرنا بھی پڑتا ہے تو وہ پیٹ کے لیے یا دوسرے مادّی فائدوں کے لیے۔ حق کو بلند کرنے، دین کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہونے، لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کا بوجھ اُٹھانے اور اللہ کے بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی ذمے داری کو ہم نے اپنایا ہی نہیں ہے ہم سمجھتے ہیں جیسے یہ کام کسی اور کے کرنے کے ہیں۔ ہم سے اُن کا کوئی تعلق نہیں بس یہی سبب ہے کہ ہم آج وہ نہیں ہیں جو ہمیں ہونا چاہیے۔

اللہ کے بندو! ابھی مہلت باقی ہے۔ صحیح معنیٰ میں اللہ کے بندے بنو۔ آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔ اختلافات کو سمیٹ کر رکھ دو۔ دین کی طرف پلٹو۔ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو۔ دین کا علم اور دین کا فہم عام کرو۔ اللہ کے بندوں تک اللہ کا پیام پہنچاؤ، اُنھیں کفر، شرک، اوہام اور خرافات کے اندھیروں سے نکال کر صحیح خدا پرستی کی روشنی میں لاؤ۔ انسانی ہمدردی اور انسانی خدمت کو اپنا شعار بناؤ۔ دُنیا کی ہدایت اور رہنمائی کی شمع ہاتھ میں لے کر اُٹھو۔ خود نیک بنو، اور دوسروں کو نیکی کی طرف دعوت دو۔ خود خُدا پرستی کا صحیح نمونہ

بنو اور دوسروں کو خدا پرستی کی طرف بلاؤ۔ اللہ کے دین کی خاطر سب کچھ چھوڑ دینے کی ہمت پیدا کرو اور دین کی خاطر دنیا کو بگاڑ لینے کو سب سے بڑا نفع کا سودا سمجھو۔ تم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، دُنیا کے مقابلے میں آخرت کی کامیابی ہر آن تمھارے سامنے رہنا چاہیے۔

میں اللہ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ دین کے کاموں میں ہماری مدد فرمائے اور ہمارے ہاتھوں دین کی سربلندی کی سعادت ہمیں عطا فرمائے۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِي وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ۔ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ مُّجِيْبٌ

اخلاقی خرابیاں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُعِزِّ مَنْ اَطَاعَهٗ وَاتَّقَاهُ۔ وَمُذِلِّ مَنْ اَضَاعَ اَمْرَهٗ وَعَصَاهُ۔ اَحْمَدُهٗ سُبْحٰنَهٗ وَاَشْكُرُهٗ وَاَسْئَلُهُ الْمَزِيْدَ مِنْ فَضْلِهٖ۔ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔ وَاَشْهَدُ اَنَّ نَبِيَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ بَعَثَهُ اللّٰهُ بِالْحَقِّ وَالْهُدٰى اِلَى النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ۔ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً۔

بھائی مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب تمھیں اللہ اور اس کا رسول اس چیز کی طرف بلائیں جو تمھیں زندگی بخشنے والی ہے تو تم اس پکار پر لبیک کہو اس دعوت کو قبول کرو اور اللہ اور اُس کے رسول کی ہدایات کے مقابلے میں کسی دوسری پکار پر کان نہ دھرو، تمھارا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، وہ تمھارے دِلوں کا حال جانتا ہے۔ تمھارے خیالات، تمھاری خواہشیں اور تمھارے ارادے سب اس کے علم میں ہیں۔ اِس سے تم کچھ نہیں چھپا سکتے۔ پھر یہ بھی تو سوچو کہ تمھیں آخر کار جانا اسی کے پاس ہے۔ اس سے بچ کر تم کہیں نہیں جا سکتے۔ وہ دن یقیناً آئے گا جب تم اُس کے حضور پیش کر دیے جاؤ گے۔

دُنیا والوں کو تم دھوکا دے سکتے ہو۔ اپنے ظاہری کاموں سے ان پر تم اپنی نیکی اور تقویٰ کا سکّہ جما سکتے ہو۔ لیکن اللہ تعالےٰ تو تمہارے دِلوں کو دیکھتا ہے اس کے ہاں تو صرف وہی کام مقبول ہیں جو تم خلوص نیت کے ساتھ کرتے ہو۔ بڑا مبارک ہے وہ بندہ جو اپنے دل کو بار بار ٹٹولتا رہتا ہے اور جو کچھ بھی کرتا ہے صرف اللہ کی خوشی کے لیے کرتا ہے اور صرف اس کی ہدایات کو سامنے رکھ کر کرتا ہے۔

بھائیو! اللہ تعالیٰ کو خیر پسند ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو بُرائیوں سے بچانا چاہتا ہے۔ اسی غرض کے لیے اس نے اپنے رسول بھیجے، اپنی ہدایات سے انسانوں کو سرفراز فرمایا۔ ان ہدایات پر عمل کرنے میں لوگوں کا اپنا فائدہ ہے جو کوئی اللہ کی اُتاری ہوئی روشنی سے مدد لے کر زندگی کا راستہ طے کرے گا۔ وہی ٹھوکروں سے بچ سکتا ہے۔ انسان کی بڑی بدنصیبی ہے کہ وہ اس ہدایت کی طرف سے آنکھیں بند کرلے اور اپنی شامت اپنے ہاتھوں لائے۔

بھائیو! اللہ کی اُتاری ہوئی ہدایت سے منہ موڑنے کا ایک نقصان تو وہ ہے جس سے انسان کو آخرت میں دوچار ہونا پڑے گا لیکن دوسرا نقصان یہ بھی ہے کہ اس کی یہ زندگی بھی فتنوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ بدامنی، بے چینی، باہمی کشت و خون، بے اعتمادی، خود غرضی، حق تلفی، ظلم، جابرانہ لوٹ کھسوٹ اور قسم قسم کے فتنے ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ہدایات سے منھ موڑنے کے نتیجے میں ہی آتے ہیں۔ پھر جب یہ فتنے پھیلتے ہیں تو وبائے عام کی طرح مصیبت بن کر چھا جاتے ہیں۔ اور یہ مصیبت اتنی عام ہوتی ہے کہ اس میں صرف وہی لوگ گرفتار نہیں ہوتے جو مجرم ہوتے ہیں اور جن کے کرتوتوں کے نتیجے میں یہ فساد پھیلتا ہے بلکہ وہ لوگ بھی اس طوفان کا شکار ہوتے ہیں جو ایسے نافرمانوں کے ساتھ رہنا گوارا کرتے رہے ہوں۔

اخلاقی خرابیوں کی مثال اس گندگی کی سی ہے جس سے مہلک بیماریاں پھیلتی ہیں جب تک یہ گندگی دو چار افراد تک محدود رہتی ہے۔ بیماری متعدی نہیں ہونے پاتی، اس بیماری کا نقصان ان ہی لوگوں کو پہنچتا ہے جو اس میں آلودہ ہوتے ہیں۔ لیکن جب گندگی پھیل کر عام ہو جاتی ہے، اور لوگ اس کی صفائی کی طرف سے غفلت برتتے ہیں تو پھر کوئی نہ کوئی وبا پھوٹ پڑتی ہے، اس وقت اس وبا سے وہ بھی نہیں بچتے جو چاہے خود تو صاف ستھرے رہے ہوں لیکن اُنھوں نے اپنے بستی کی صفائی کی طرف کوئی دھیان نہ دیا ہو۔

بالکل یہی حال اخلاقی خرابیوں کا ہے جب تک یہ خرابیاں کچھ گنے چنے لوگوں میں ہوتی ہیں تو دوسرے بھلے لوگوں کے دباؤ سے دبی رہتی ہیں اور سوسائٹی کی عام فضا نیکی اور تقوٰی کی فضا رہتی ہے۔ لیکن جب سوسائٹی میں بُرائیوں کو دبا کر رکھنے کی قوت باقی نہیں رہتی۔ جب لوگ اخلاقی خرابیوں کو برداشت کرنے لگتے ہیں۔ جب نیکی پسند کرنے والے لوگ بُروں کو بُرائیوں سے نہیں روکتے۔

جب بے حیا اور بد اخلاق لوگ اپنی شرارتوں اور اخلاقی گندگیوں کو اُچھالنے کے لیے آزاد چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اور جب اچھے لوگ صرف اپنی ہی اصلاح اور نیکی کو کافی سمجھ لیتے ہیں تو پھر مجموعی طور پر پوری سوسائٹی کی شامت آجاتی ہے۔ فتنے عام ہو جاتے ہیں اور پھر گیہوں کے ساتھ گھُن بھی پس جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مومن اس صورت کو اپنے سامنے رکھیں، اپنے مقام کو پہچانیں، یہی وہ گروہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دُنیا سے اخلاقی گندگیوں کو دُور کرنے کے لیے مامور کیا ہے اسی خدمت کے لیے انھیں پکار رہا ہے۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ اِس پکار پر لبیک کہیں۔ مِل جُل کر دُنیا سے ان تمام گندگیوں کو دُور کریں جو انسانیت کے لیے مہلک ہیں۔ یہی وہ خدمت ہے جو اُن کے سپُرد کی گئی ہے، اور یہی وہ کام ہے جس میں ہاتھ بٹائے بغیر نہ وہ شخصی حیثیت سے کامیاب ہو سکتے ہیں اور نہ اجتماعی حیثیت سے پھل پھول سکتے ہیں اگر وہ اس کام میں مخلصانہ حصہ لیں گے تو خود بھی کامیاب ہوں گے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا سکیں گے لیکن اگر وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہیں گے اور ان کے چاروں طرف جو گندگیاں پھیل رہی ہیں۔ انھیں برداشت کرتے رہیں گے تو پھر وہ عام فتنہ برپا ہو گا جس کی لپیٹ میں سب کے ساتھ وہ خود بھی آجائیں گے چاہے وہ ذاتی طور پر کیسی ہی بھلی زندگی کیوں نہ گزار رہے ہوں اور چاہے وہ اپنے ذاتی تقویٰ اور ذاتی نیکی پر کتنا ہی مطمئن کیوں نہ ہوں۔

بھائیو! آج ہم جن حالات میں گھِرے ہوئے ہیں وہ نتیجہ ہیں اسی غفلت کا جس کی طرف اللہ تعالےٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ ہر شخص کو اللہ تعالےٰ نے مختلف صلاحیتیں دی ہیں کسی کو تھوڑی کسی کو بہت اور ہر شخص ان کے مطابق کام کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی ماحول پا سکتا ہے اپنے گھر، اپنے اہل وعیال، اپنے اعزا و اقربا، اپنے محلے اور اپنے شہر میں وہ اپنی صلاحیتوں سے کام لے سکتا ہے اور اپنی حد تک اپنی ذمے داری کو پُورا کر سکتا ہے، اور جب اس طرح کا حوصلہ اور ہمت رکھنے والے لوگ آپس میں مِل جُل کر کوشش کریں تو انھیں اندازہ ہو گا کہ وہ اپنی قوت سے کئی گُنا زیادہ کام کر سکیں گے۔ جماعت کے ساتھ اللہ کی مدد شامل ہو جاتی ہے۔ اور اللہ کی مدد سے بڑھ کر اور کیا قوت ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضی کے

کاموں کے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَقُولُ قَوْلِی ھٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِی وَلَکُمْ فَاسْتَغْفِرُوْہُ۔ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

دیانت داری اور امانت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَةِ۔ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ۔ اَحْمَدُهٗ سُبْحٰنَهٗ وَاَشْكُرُهٗ عَلٰی نِعَمِهٖ۔ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ۔ وَلَا مَعْبُوْدَ بِحَقٍّ سِوَاهُ۔ وَاَشْهَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

"بزرگو اور بھائیو! جب تک کسی ملّت یا معاشرے کے عام لوگوں میں دیانت اور امانت کی صفت عام نہ ہو اُسے کبھی ترقی نصیب نہیں ہو سکتی۔ مسلمان جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں انھیں یقین ہے کہ ایک دن انھیں اپنے مالک کے حضور حاضر ہونا ہے اور اپنی پوری زندگی کا حساب دینا ہے۔ اسی ایمان کا نتیجہ تھا کہ دیانت اور امانت مسلمانوں کی مِلّی خصوصیت تھی لیکن اَب کیا حال ہے؟ ان میں یہ صفت ڈھونڈے سے ہی کہیں مِل جائے تو مِل جائے عام طور پر نہ دوست کو دوست پر اعتماد ہے نہ شوہر کو بیوی پر اور نہ باپ کو اولاد پر۔ وجہ ظاہر ہے، یہ سب علامت ہے ایمان کی کمزوری کی۔ ایمان کی کمزوری کے ساتھ مسلمانوں میں امانت اور دیانت کی کمی آگئی ہے، اور اس صفت کے کم ہونے پر اُن کی آخرت بھی بگڑی اور دُنیا میں بھی رُسوائی، ذلّت اور پستی اُن کے حصّے میں آئی۔

دوستو! عام طور پر لوگ امانت کا مفہوم بس اتنا ہی جانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کے پاس اپنا مال یا سامان رکھ دے تو اس کی حفاظت کی جائے اور جب وہ مانگے تو اسے اس کا مال یا سامان واپس کر دیا جائے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ امانت کا ایک مطلب یہ بھی ہے لیکن اس کا مطلب بس اتنا ہی نہیں ہے۔ قرآن اور حدیث کی روشنی میں دیکھا جائے تو امانت کا مفہوم بہت

وسیع ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ۔

ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر امانت کا بوجھ ڈالا تو انھوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے لیکن اِنسان نے اسے اٹھالیا۔

ظاہر ہے کہ یہاں امانت کا وہ مفہوم نہیں لیا جا سکتا جو عام طور پر لوگ لیتے ہیں بلکہ اس سے مُراد اللہ تعالیٰ کی مرضی پُوری کرنے، اس کے احکام بجالانے اور اُس کی منشا کے مطابق زندگی گزارنے کی وہ ذمے داری ہے جس کے قبول کرنے کی صلاحیت نہ آسمانوں میں تھی نہ زمین میں اور نہ پہاڑوں میں بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت انسانوں کو عطا فرمائی تھی۔ اسے ارادے اور اختیار کی آزادی دی گئی تھی، اُسے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت بخشی تھی اور اسے یہ قوت دی گئی تھی کہ وہ فطرت کے راز معلوم کرے اور اُن سے کام لے۔ اِنسان کی یہی ایک خصوصیت ایسی ہے جو دوسری مخلوق میں نہیں پائی جاتی۔ اس کی زندگی میں قدم قدم پر ایسے مواقع آتے ہیں کہ اگر وہ چاہے تو امانت کے تقاضے پُورے کرے اور چاہے تو خیانت کا رَوِیّہ اختیار کرے۔

بھائیو! اِنسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس کی حیثیت امانت ہی کی ہے، اِنسان کسی ایک چیز کا بھی خالق نہیں۔ اس کے اپنے جسم اور اپنی تمام صلاحیتوں سے لے کر اس کے آس پاس جو کچھ بھی ہے وہ ان میں سے کسی چیز کا بھی بنانے والا نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اُسے عطا کیا گیا ہے۔ اور اس اعتبار سے ان میں سے ایک ایک چیز امانت ہی ہے۔ انسان کی عقل اللہ تعالےٰ کی طرف سے امانت ہے۔ اَب اگر وہ اس سے اس طرح کام لے جس طرح اللہ کی مَرضی ہے تو یہ کام امانت کے مطابق ہے۔ لیکن اگر وہ اس سے اس طرح کام لے جو اللہ کی منشا کے خلاف ہے تو یہی خیانت ہے۔ ہمارا جسم بھی امانت ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کی حفاظت کریں اسے نقصان سے بچائیں۔ اور خاص طور پر اس بات کا لحاظ رکھیں کہ ہم اس امانت کو کسی ایسی طرح کام میں نہ لائیں جس کے نتیجہ میں کل قیامت کے دِن اس جسم کو آگ کا ایندھن بننا پڑے جسم کے بارے میں یہ سب سے بڑی خیانت ہوگی۔

ہماری اولاد بھی اللہ کی امانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ بندوں کو ہمارے حوالے کیا ہے ان کی پرورش، اُن کی دیکھ بھال اور اُن کی صحت برقرار رکھنے کی کوشش ہمارا فرض ہے اور اسی طرح یہ بھی ہم پر فرض ہے کہ ہم اخلاق اور خُدا پرستی کے لحاظ سے انھیں وہ تربیت دیں جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہو۔ اگر ہم اِس طرف سے کوتاہی برتتے ہیں اور ہماری کسی غلطی کی وجہ سے یہ اللہ کی ناراضی مول لے کر دوزخ کا ایندھن بنتے ہیں تو اولاد کے معاملے میں یہ ہماری سب سے بڑی خیانت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا" اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ"۔

بھائیو! ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی دائرے میں کوئی اختیار عطا نہ فرمایا ہو۔ کوئی ایسا ہے جسے پورا شہر مانتا ہے، کوئی ایسا ہے جس کا برادری میں بڑا اثر ہے، کوئی اپنے گھر کا بڑا ہے۔ کسی کی بات اس کے ملنے جُلنے والوں کے حلقے میں مانی جاتی ہے یہ اثر اور اقتدار جسے بھی عطا ہوا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے اس امانت کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ" تم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی حلقے میں نگراں اور ذمے دار کی حیثیت رکھتا ہے اور تم میں سے ہر شخص سے ان لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا جو اس کی نگرانی اور ماتحتی میں دیئے گئے تھے۔ اب اگر کوئی شخص اپنے اثر اور اپنے اقتدار سے لوگوں کی اصلاح، اُن کے اخلاق اور اُن کے معاملات کی درستی کے لیے استعمال نہیں کرتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اللہ کی بخشی ہوئی امانت میں خیانت کر رہا ہے اور اس کوتاہی کی ذمہ داری اُسے بھگتنا پڑے گی۔ اِسی طرح حکومت کے ذمہ دار اللہ کی طرف سے ایک بڑی امانت کے ذمہ دار ہیں۔ مُلک کی پوری آبادی اُن کے ہاتھوں میں امانت ہے۔ اور جہاں ان سے ان کے شخصی اعمال اور عقائد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ وہاں انھیں اس بات کا بھی جواب دینا پڑے گا کہ اُنھوں نے لوگوں کے حقوق ادا کرنے، اُن کے درمیان انصاف قایم کرنے اور انھیں غلط راہوں سے ہٹا کر اچھے راستوں پر لگانے کی کیا کوشش کی؟ اور اس امانت کا حق کہاں تک ادا کیا جو اُن کے حوالے کی گئی تھی۔ رہ گئے وہ حکمران جو اللہ کی اس امانت میں سُدھار پیدا کرنے کے بدلے خود ظلم کرتے

ہیں، حق مارتے ہیں اور لوگوں کو خدا کی بغاوت اور بدی کے کاموں پر اُبھارتے ہیں تو وہ سب سے بڑے خائن ہیں اور انھیں اس خیانت کا پورا پورا خمیازہ ایک دن بھگتنا ہی پڑے گا۔

اسی طرح جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دین کا علم عطا فرمایا ہے چاہے وہ تھوڑا ہو یا بہت ان کے پاس بھی دین کا یہ علم اللہ کی امانت ہے۔ اگر انھوں نے اپنے اس علم سے کام لے کر الحاد اور بے دینی کا مقابلہ کیا، دین سے ناواقف لوگوں تک اللہ کا پیام پہنچایا اور دین کو تبدیل ہونے اور بگڑنے سے بچالیا تو ان کا شمار امانت داروں میں ہوگا اور اگر اس بارے میں انھوں نے کوتاہی برتی چاہے یہ کوتاہی کسی لالچ کی وجہ سے ہو یا کسی ڈر کی وجہ سے تو یقیناً وہ خیانت کے مجرم ہوں گے اور انھیں اپنی اس کوتاہی کا جواب دینا پڑے گا چاہے وہ اپنی شخصی زندگی میں کیسے ہی نمازی اور متقی کیوں نہ رہے ہوں۔

اسی طرح ہماری تقریر کی صلاحیت، ہماری تحریر کی صلاحیت، ہماری سوجھ بوجھ غرض یہ کہ تمام صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ان میں سے کسی چیز کو اللہ کی منشا اور مرضی کے خلاف استعمال نہ کریں۔

بھائیو! اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ مال اور دولت عطا فرمایا ہے چاہے وہ تھوڑا ہو یا بہت وہ بھی اسی کی بخشی ہوئی امانت ہے۔ ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم اللہ کی بخشی ہوئی اس امانت کو اپنی اور اپنے متعلقین کی جائز ضروریات پر صرف کریں اور جو کچھ ہماری ضروریات سے زیادہ ہمیں عطا کیا گیا ہے اُسے نیکی اور خیر کے کاموں میں لگائیں، خوش حال اور کھاتے پیتے لوگ اگر اپنی ضرورت سے زیادہ دولت کو اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے کام میں لاتے ہیں تو یقیناً وہ امین اور دیانت دار شمار ہوں گے لیکن اگر وہ اس دولت کو عیش و عشرت میں اڑاتے ہیں، فضول خرچی کرتے ہیں اور نام و نمود کے کاموں میں لگاتے ہیں تو اللہ کے حضور خیانت کے مجرم کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔

دوستو! یہ چند اشارے ہیں امانت کے اس وسیع مفہوم کی طرف جو قرآن اور حدیث کی روشنی میں سامنے آتا ہے لیکن ہمارے لیے بڑے افسوس اور بڑی توجہ کی بات یہ ہے کہ اس وقت جو صورت حال ہو گئی ہے وہ بڑی تشویشناک ہے، اس صورت حال کا شدید تقاضا ہے کہ ہم

میں سے ہر ہر شخص یہ فیصلہ کرکے اُٹھے کہ اَب تک جو ہوا سو ہوا لیکن اب وہ اپنی حد تک کوشش میں کمی نہ کرے گا۔ اس وقت علم کی امانت کا یہ حال ہے کہ شاید اہل علم میں یہ احساس بھی ختم ہوگیا ہے کہ یہ علم اُن کے پاس امانت ہے۔ یہ لوگ اپنی صلاحیتوں کو دُنیا کے حقیر فائدوں کے بدلے بیچ رہے ہیں اور پیٹ کی خاطر یہ نہ صرف یہ کہ اس علم سے وہ کام نہیں لیتے جو لینا چاہیے، بلکہ اُلٹا غلط کام لیتے ہیں، یہی حال ہمارے حکمرانوں کا ہے اور یہی حال ہر اس شخص کا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی اثر اور اقتدار عطا فرمایا ہے۔ یہ لوگ اپنے اثر کو اپنی دُنیا بنانے اور اپنے لیے عیش اور آسانیاں فراہم کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں لیکن انھیں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ یہ بھی اللہ کی امانت ہے اور اس کے بارے میں انھیں جواب دہی کرنا ہوگی۔ ہمارے اندر خوش حال لوگ بھی موجود ہیں، اگرچہ وہ کم ہیں۔ لیکن اُن کی خوش حالی کا مصرف، فضول خرچی، بے جا رسموں، نام ونمود اور عیش وآرام کے سوا اور کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ یہ اولاد کی تربیت کی طرف سے غافل ہیں۔ رشتہ داروں کے حقوق کی انھیں فکر ہی نہیں، اور خیر اور نیکی کے کاموں کے لیے ان کی دولت میں شاید کوئی حصّہ ہی نہیں۔ یہی حال اولاد والوں کا ہے۔ اُن کی نظر میں ان پر اولاد کی ذمے داری بس اتنی ہے کہ اُن کے کھانے پینے کے لیے جائز یا ناجائز جس طرح ہو کوئی بند وبست کر دیا جائے۔ رہی تعلیم اور تربیت تو اس کی کوئی خاص اہمیت ہی نہیں، بہت ہوا تو کسی اسکول میں بھیج دیا، بس اس کے بعد انھیں کچھ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس امانت کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے، بچوں کو کیا پڑھایا جا رہا ہے، کس قسم کے خیالات اور کیسے عقیدے اُن کے دماغوں میں اُتارے جا رہے ہیں، اُن کے اوقات کس طرح صرف ہوتے ہیں وہ کن لوگوں میں اُٹھتے بیٹھتے ہیں، ان کے اخلاق اور عادات کیسے بن رہے ہیں۔ اسلام کے ساتھ ان کا تعلق کیا ہے۔ بھائیو! اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ یہ آپ کی سب سے زیادہ نازک ذمّہ داری ہے، آنے والی نسلیں سب سے قیمتی امانت ہے جو آپ کے سپرد کی گئی ہے۔ اس امانت کے بگڑنے یا بننے پر اس مُلک میں اسلام کے مستقبل کا مدار ہے۔ یہ تو اس کی وہ حیثیت ہے جو اس دنیا کے نقطۂ نظر سے ہے آخرت میں اس امانت میں خیانت کا جو وبال بھگتنا پڑے گا وہ انتہائی سخت ہے اور اگر کوئی شخص اس کی پروا نہیں کرتا تو گویا تو اُسے آخرت کا پورا پورا یقین نہیں ہے یا پھر وہ کسی اور غلط فہمی کا شکار ہے جس کے

بارے میں اُسے یقیناً سوچنا اور فیصلہ کرنا چاہیے۔

بھائیو! آپ کی ذمہ داری کا دائرہ صرف آپ کی اولاد تک ہی نہیں ہے بلکہ آپ کی بیویاں، آپ کے رشتے دار اور آپ کے اثر میں جو لوگ بھی ہیں وہ سب اس امانت میں داخل ہیں۔ آج کل لوگ خاندان کی اِس حیثیت کو بھول جاتے ہیں، وہ یہ خیال نہیں رکھتے کہ آیا ان کی بیوی زینت ولباس کے معاملے میں شرعی حدود کا خیال رکھتی ہے یا نہیں۔ عبادات و اخلاق میں وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابند ہے یا نہیں۔ رشتے دار اور عزیز کُھلم کُھلا اللہ کی نافرمانی تو نہیں کر رہے ہیں۔ اور یہ سب جنت کے راستے پر جا رہے ہیں یا جہنم کے۔ اور انھیں صحیح راستے پر لانے کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔ اس معاملے میں لاپروائی ہی نتیجہ ہے کہ آج اچھے اچھے دین داروں کے گھروں سے ملحد پیدا ہو رہے ہیں۔ اور شریعت کی پابندی رفتہ رفتہ ختم ہوتی جا رہی ہے۔

بھائیو! اس صورت حال کا ایک ہی علاج ہے۔ ہر شخص اپنے رب کی طرف پلٹے، اپنی اصلاح کا فیصلہ کرے اور اپنی تمام کوششیں حکمت اور دانائی کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کے لیے لگا دے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب ہر شخص اپنے رب کے وعدوں کو سامنے رکھے، آخرت میں اس کی خوشنودی کو اپنا مقصود بنائے اور اس بات سے بچنے کی پوری کوشش کرے کہ کل قیامت کے دن وہ اس کے حضور خیانت کا مجرم کی حیثیت سے پیش نہ ہو۔ بلاشبہ ہمارے رب کا عذاب بڑا ہی سخت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے، اور ایسے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جن سے اس کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ۔ وَنَفَعَنِيْ وَاِيَّاكُمْ بِمَا فِيْهِ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ مِّنْ كُلِّ ذَنْۢبٍ فَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

مال کی محبت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۔ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۔ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۔ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

اَمَّا بَعْدُ ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۔ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۔ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔

عزیزو اور دوستو! ۔ بے چینی اور بے اطمینانی کا احساس سب کو ہے۔ ہر شخص محسوس کر رہا ہے کہ ہمارے سماج میں کوئی کمی ہے اُسے پُورا ہونا چاہیے۔ اور کوئی بُرائی ہے جسے دُور ہونا چاہیے۔ پھر ہر شخص اپنے خیال کے مطابق اصلاح کی تدبیر بھی کرتا ہے، اور کوئی نہ کوئی تجویز بھی سامنے رکھتا ہے۔ عام طور پر اس وقت جو بات ذہنوں پر حاوی ہے وہ یہ ہے کہ دراصل خرابیوں کی جڑ اقتصادی اور معاشی بدحالی ہے۔ یہ اگر دُور ہو جائے تو سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ قریب قریب ہر ذہن اس طرح سوچتا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو۔ اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر زیادہ سے زیادہ دولت کمائی جائے اور جو کچھ کمالیا ہے اُسے یا تو روک کر رکھا جائے اور یا اپنی خواہش کے مطابق الّلے تلّلے خرچ کیا جائے۔ ذہنوں کا جائزہ لیجیے تو آپ کو اس تعلق سے دو باتیں بہت اُبھری ہوئی نظر آئیں گی۔ پہلی بات دولت کی ہوس اور محبت اور دوسری بات روپے کا خرچ ضروریات سے زیادہ نفس کی خواہشات پوری کرنے اور ناموری

حاصل کرنے کے لیے۔ انسانی ذہن کا یہ روگ کچھ نیا نہیں ہے۔ شیطان نے ہمیشہ انہی دو پہلوؤں سے اللہ کی بخشی ہوئی نعمتوں کے استعمال کو غلط راہوں پر لگایا ہے۔ ایک طرف شیطان ذہن میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اگر تم نے زیادہ سے زیادہ دولت نہ کمائی اور بلاوجہ حرام اور حلال، جائز اور ناجائز کے چکر میں پڑے رہے تو تم دوسروں کے مقابلے میں پیچھے رہ جاؤ گے۔ دُنیا میں ترقی کرنے والی قوموں کو دیکھو، وہ کس طرح دولت کمانے کے میدان میں آگے بڑھ رہی ہیں۔ پھر جب دولت آنے لگتی ہے تو شیطان ذہن میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اب اُسے روک کر رکھو، دولت کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے اور پھر وہ خیر کے کاموں میں صرف نہیں ہوتی۔ شیطان برابر یہ تلقین کرتا رہتا ہے کہ اگر تم نے اپنے گاڑھے پسینے کی اِس کمائی کو غریبوں اور محتاجوں کی مدد یا دوسرے خیر کے کاموں میں لگا دیا تو کل کسی مصیبت کے وقت کون تمہارے کام آئے گا۔ اپنے بڑھاپے اور اپنی بیماری کے زمانے کے لیے تم خود اپنی فکر نہ کرو گے تو کون کرے گا؟

سوچنے کا یہ انداز بڑی آسانی کے ساتھ ہر اُس موقع پر ذہن میں آجاتا ہے جب کسی خیر کے کام میں صرف کرنے کا کوئی موقع سامنے ہو۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ وہی لوگ جو بعض موقعوں پر انتہائی محتاط اور دُور اندیش نظر آتے ہیں خوب دل کھول کر دولت اُڑانے لگتے ہیں۔ اگر سوال نام و نمود کا ہو یا نفس کی خواہشات پوری کرنے اور دل کے ارمان نکالنے کا معاملہ ہو۔ آپ دیکھیں گے کہ یہی دور اندیش لوگ شیطان کے بہکانے میں آ کر فضول خرچیوں کے نت نئے طریقے ایجاد کرتے ہیں اور اپنی خواہشات نفس کو پورا کرنے کے لیے انتہائی بے دردی سے روپیہ اڑاتے ہیں۔ انسانی ذہن کی اس بنیادی خرابی کی طرف سے ہوشیار رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَاءِ۔ یعنی شیطان ہر وقت اس گھات میں لگا ہوا ہے کہ وہ تمہارے ذہن کو خراب کر دے اور طرح طرح سے یہ اندیشے تمہارے سامنے لائے کہ دیکھو تم محتاج ہو جاؤ گے اگر تم نے اپنے پیسے کو روک روک کر نہ رکھا پھر اتنا ہی نہیں وہ دولت کے تعلق سے انسان کو تنگ دستی اور محتاجی کے غم میں مبتلا کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کو بے خیالی کے نئے نئے سبق پڑھاتا ہے، عیاشی اور فضول خرچی کے لیے نئے نئے راستے ایجاد کراتا ہے اور وہی دل جو کسی ضرورت مند کو ایک وقت کا کھانا کھلانے کے لیے نہیں پسیجتا وہ بات بات پر ہزاروں روپیہ اُڑانے کے لیے

تیار ہو جاتا ہے۔

بھائیو اور عزیزو! اس وقت ہمارے معاشرے کی ایک بہت بڑی خرابی یہی ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں شیطان کے ڈالے ہوئے اِس وسوسے نے اچھی طرح گھر کرلیا ہے کہ اگر تم ایسا اور ایسا نہ کروگے تو ہرگز دوسری قوموں کے مقابلے میں تم بازی نہیں لے جاسکتے۔ اور اگر تم اپنا پیسہ فلاں فلاں کاموں میں لگاؤگے تو خود خالی ہاتھ رہ جاؤگے۔ ایک طرف دولت کے معاملے میں یہ ذہن اور دوسری طرف دولت ہی کے تعلق سے فضول خرچی اور اسراف کی وہ شان جس کا تجربہ ہم میں سے ہر شخص کو ہے صاف صاف یہ بتاتا ہے کہ ہم شیطان کے ڈالے ہوئے مفلسی کے خوف میں مبتلا ہیں اور اس کے بتائے ہوئے بے حیائی کے راستے پر چل رہے ہیں۔

بھائیو! شیطان کے ڈالے ہوئے مفلسی کے خوف کی بے شمار شکلیں ہیں جو ہر دَور میں نئے نئے انداز پر سامنے آتی رہی ہیں۔ یہ شیطان کا ڈالا مفلسی کا خوف ہی تھا کہ ایک زمانے میں لوگ اپنی اولاد کو قتل کردیتے تھے۔ انھیں یہ برداشت نہیں تھا کہ ان کے رزق میں کچھ اور ننھے منّے شریک ہوں اور اُنھیں تنگی برداشت کرنا پڑے۔ شیطان کا ڈالا ہوا مفلسی کا یہ خوف آج بھی ذہنوں پر مُسلّط ہے۔ صرف شکل اور نام بدلا ہوا ہے۔ پہلے لوگ اتنے ہوشیار نہیں تھے کہ پیدائش سے پہلے اولاد کو قتل کرسکتے اس لیے وہ پیدائش کے بعد یہ کام کرتے تھے۔ اب اِنسانی علم اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ پیدائش سے پہلے بھی اولاد کے قتل پر قادر ہے۔ اندیشہ اس وقت بھی یہی تھا کہ رزق میں تنگی آئے گی۔ اور آج بھی اسی بات سے ڈرایا جارہا ہے کہ اگر انسانی پیدائش کا حال یہی رہا تو کھانے کو کہاں سے آئے گا؟ پہلے لوگ اپنے اِس جرم کو قتل اولاد ہی کا نام دیتے تھے۔ لیکن آج کے عقل مندوں نے اس کو خاندانی منصوبہ بندی کا خوب صورت نام دیا ہے۔ رُوح ایک ہی ہے۔ وہی بات ہے، کہنے کا انداز بدلا ہوا ہے۔ یہاں بھی ہمیں ایک طرف شیطان کا وعدۂ فقر یعنی مفلسی میں مُبتلا ہونے کا اندیشہ اور دوسری طرف فحشاء کا حکم صاف صاف نظر آتا ہے۔ آج کی خاندانی منصوبہ بندی کے پیچھے جو جذبات کام کررہے ہیں ان کا تجزیہ کرکے دیکھیے آپ آسانی کے ساتھ یہ بات محسوس کرلیں گے کہ اس کے پیچھے ایک مسرفانہ اور عیاشانہ زندگی گزارنے کا جذبہ بڑی حد تک کام کرتا ہے اس سے زیادہ فحشاء کی تلقین کی اور کیا صورت ہوسکتی ہے؟ غرض یہ کہ آپ جتنا غور کریں گے یہی پائیں گے کہ ہمارا معاشرہ اس وقت

پوری طرح شیطان کے وعدۂ فقر اور اس کے امر بالفحشاء کی گرفت میں ہے، اور اس کے مضر اثرات سیکڑوں نئی نئی شکلوں میں ہمارے تجربے میں آ رہے ہیں۔

بھائیو! اب اس کے مقابلے میں آیئے یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کیا رہنمائی فرماتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں جہاں اللہ تعالیٰ نے وہ بات فرمائی ہے جس کی تشریح ابھی آپ کے سامنے آئی، وہیں فکر اور عمل کی وہ تصویر بھی سامنے رکھ دی ہے جس میں ہماری فلاح ہے۔ پہلے فرمایا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ۔ "مسلمانو! ہم نے جو تم کو پاکیزہ رزق دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرو۔ اور ہم نے تمہارے لیے زمین سے جو نعمتیں اگائی ہیں اُن میں سے بھی ہماری راہ میں دو۔" یہ ہے وہ اندازِ فکر جو اسلام انسان کے معاشی مسائل حل کرنے کے لیے پیدا کرتا ہے۔ پہلا اشارہ اس طرف ہے کہ جو کچھ کماؤ وہ پاکیزہ ہو، جائز طریقے پر ہو دوسروں کا حق غصب کرکے یا دوسروں کو دھوکا دے کر جو کچھ کمایا جاتا ہے اس سے چاہے کسی ایک کی جیب بھرتی ہو لیکن اجتماعی اور قومی اعتبار سے یہی چیز اقتصادی نظام میں سب سے بڑا خلل پیدا کرتی ہے۔ جب تک کسی قوم کی اقتصادیات میں نقصان کا یہ پہلو موجود رہے گا ہرگز اس کے مسائل حل نہ ہوں گے۔ بلکہ ہر مسئلے کے حل کے لیے جو کچھ کیا جائے گا اس سے کوئی اور نیا مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ تشریح کا موقع نہیں ہے جو لوگ اس مسئلے پر غور کرتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حلال و حرام، اور جائز و ناجائز کی قید سے آزاد ہو کر جب لوگ دولت کمانے لگتے ہیں تو اُن کا یہی دولت کمانا اقتصادی فساد کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔

اِس کے بعد دوسری ہدایت خرچ کرنے کی ہے جس معاشرے میں یہ احساس باقی نہ رہے کہ افراد پر افراد کا کیا حق ہے وہاں قانون کے زور پر چاہے جس طرح بھی مساوات قایم کرنے کا ڈھونگ رچایا جائے۔ اقتصادی مسئلے کا صحیح حل ممکن نہیں۔ مصنوعی مساوات سے مسئلے کا حل کرنا ایسا ہی ہے جیسے بخار کے مریض کے جسم کو برف سے ٹھنڈا کرکے یہ سمجھ لینا کہ علاج ہو گیا۔ مسئلے کا اصل حل صرف یہ ہے کہ ذہنوں کی تربیت اِس طرح کی جائے کہ ہر فرد کے دل میں دوسرے کے لیے محبت اور ہمدردی ہو۔ اور کوئی فرد اپنی محبت اور ہمدردی کا بدلہ پانے کے لیے دوسروں سے کوئی اُمید نہ لگائے ہر شخص دوسروں کے لیے جو کچھ کر سکتا ہے ضرور کرے بے غرض اور بے لوث ہو کر کرے اور بدلے کے

لیے صرف خُدا سے اُمید لگائے جس معاشرے میں ذہن اس طرح تربیت پاتے ہیں وہاں اقتصادی مسئلہ اس طرح حل ہو جاتا ہے کہ سوسائٹی میں مدد کرنے والے موجود ہوتے ہیں، لیکن اِس مدد سے فائدہ اُٹھانے والے باقی نہیں رہتے۔

بھائیو! اِسلام کی نظر میں اِس مسئلے کا حل یہی ہے کہ لوگ صرف جائز طریقوں سے کمائیں اور جو کچھ کمائیں اُسے اپنی جائز ضروریات کے علاوہ فضول خرچی اور عیاشی میں اُڑانے کے بدلے ان لوگوں کی ہمدردی میں صرف کریں جو کسی وجہ سے اس قابل نہیں ہیں کہ اپنی ضروریات خود فراہم کرلیں، اور اس کام کے لیے ان کے اندر آمادگی اور جرأت پیدا کرنے کا محرک صرف وہ ہو جس کا ذکر اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے اِن الفاظ میں فرمایا ہے۔ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلاً۔ یعنی اللہ تم سے اِس بات کا وعدہ فرماتا ہے کہ اگر تم نے اپنے نفس کی خواہشات کو روک کر اور اپنی ضروریات کو مختصر کرکے اللہ کی دی ہوئی روزی کا استعمال اس طرح کیا جس طرح وہ حکم دے رہا ہے تو تمھیں اِس کے بدلے وہ نعمت ملے گی جو ہر نعمت سے زیادہ قیمتی ہے، یعنی یہ کہ اللہ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا اور تمھیں اپنی نوازشوں سے مالا مال کردے گا، اس دُنیا کی زندگی میں بھی اور اُس زندگی میں بھی جہاں اس کے فضل کے سوا کوئی دوسری دولت کام دے ہی نہیں سکتی۔

عزیزو! اور دوستو! سوچنے کا یہ انداز دراصل مسئلے کا صحیح حل ہے۔ لیکن اس زندگی میں اس کے اجتماعی فائدے اُسی وقت سامنے آسکتے ہیں جب اجتماعی طور پر لوگ اُسے اختیار کریں البتہ انفرادی حیثیت سے جو شخص بھی اسے اختیار کرے گا وہ یقیناً آخرت میں اللہ کی بہترین نعمتوں کا مستحق ہوگا اور اس کی زندگی میں وہ اطمینانِ قلب اور سکونِ خاطر پائے گا جو دولت کی کسی بھی مقدار سے کسی طرح حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

بَارَکَ اللّٰہُ لِیْ وَلَکُمْ فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ۔ وَنَفَعَنِیْ وَاِیَّاکُمْ بِالْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ۔

عزّت کا معیار

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِھَۃً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِھِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوۃً وَّلَا نُشُوْرًا۔ سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ وَقَالَ تَعَالٰی وَکَذٰلِکَ فَتَنَّا بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْٓا اَھٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنْ بَیْنِنَا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ۔

بھائیو اور عزیزو! ایمان ایک چھپی ہوئی چیز ہے، اس کا صحیح صحیح اندازہ آدمی کو خود اپنے بارے میں بھی نہیں ہو پاتا۔ البتہ کچھ علامتیں ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی شخص کے اندر کس درجہ کا ایمان موجود ہے۔ انسان کے اعمال، اُس کی دلچسپیاں، اس کی بھاگ دوڑ کی نوعیت، اس کے اخلاق اور کردار۔ غرض یہ کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ دل میں ایمان کی کیفیت کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بہت سی باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن سے ہمیں اپنے ایمان کو ناپنے میں مدد ملتی ہے۔ ایسے ہی پیمانوں میں سے ایک پیمانہ یہ ہے کہ آپ اپنے دل کو ٹٹولیں اور یہ دیکھیں کہ اس میں کس قسم کے لوگوں کی عزت اور محبت زیادہ ہے۔

بھائیو! آج ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں میں عزت کا معیار عہدہ اور مال و دولت بن گیا ہے بہت سے لوگ ہیں کہ جو اپنے اخلاق و کردار میں انتہائی گرے ہوئے ہیں۔ وہ خیانت کرتے ہیں، جھوٹ بولتے

ہیں، دوسروں کو جھوٹ بولنے پر مجبور کرتے ہیں، جھوٹ کی پیروی کرتے ہیں، حرام اور ناجائز طریقوں سے دولت کماتے ہیں۔ قانون اور اخلاق کی حدوں کو توڑتے ہیں لیکن اس کے باوجود اُن کی بڑی عزت کی جاتی ہے۔ ہر موقع پر وہ بُلائے جاتے ہیں، ہر مجلس میں انھیں شریک کیا جاتا ہے، اور ہر جگہ وہ آگے آگے نظر آتے ہیں۔ اس کے برخلاف آپ کسی انتہائی دیانت دار امین اور سچے کاروباری کا تصوّر کیجیے، وہ اپنے اخلاق اور عادات میں بہترین آدمی ہے۔ وہ گری ہوئی باتیں نہیں کرتا۔ لیکن چونکہ وہ ایک چھوٹا سا دُکاندار ہے یا غریب مزدور ہے جس کے پاس پیسہ نہیں، کوٹھی، بنگلہ اور موٹر نہیں، اِس لیے وہ کسی جگہ نہیں پوچھا جاتا۔ لوگوں کی نظریں اس پر نہیں پڑتیں، اور اُسے عزت کا وہ مقام نہیں دیا جاتا جس کا وہ مستحق ہے، یہ کھلی ہوئی علامت ہے۔ اس بات کی کہ ہمارے یہاں عزت کا معیار دولت ہے، اخلاق اور کردار نہیں۔

بھائیو! یہ بات اِسلام کے مزاج اور اس کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَىٰ هَدْمِ الْإِسْلَامِ۔ "جس شخص نے کسی بدعتی کی عزت کی اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی۔" بدعتی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے اسلام کے اندر کوئی ایسی نئی بات داخل کر دی ہو جو اسلام سے ٹکراتی ہو یا اس سے میل نہ کھاتی ہو۔ ایک اور موقع پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ لَا تَقُوْلَنَّ لِلْمُنَافِقِ سَيِّدٌ فَإِنَّهُ إِنْ يَّكُنْ فَقَدْ أَسْخَطْتُمْ رَبَّكُمْ۔ "منافق کو سردار مت کہو، اِس لیے کہ اگر ایسا ہوا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔" منافق اس شخص کو کہتے ہیں جو ظاہر میں تو مسلمان بنتا ہو لیکن اسے اسلام کی تعلیمات کے بارے میں شک ہو اور جس کا عمل اس کے قول کے مطابق نہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا ایسے آدمی کو اپنا سردار نہ بناؤ۔ ایسا کرو گے تو تم خدا کی ناراضی مول لوگے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فرمان ہے کہ شراب پینے والے جب بیمار پڑیں تو اُن کی عیادت کو مت جاؤ۔

اِن سب باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مُومن کی نظر میں عزت اور وقار کا معیار کیا ہونا چاہیئے۔ اس اعتبار سے ہمیں ہر وقت اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہیئے۔ اگر خُدا سے پھرے ہوئے لوگوں کی عزت اور محبت دل میں بیٹھنے لگے تو پھر ایسے دل میں اللہ کی عظمت اور اس کے نیک بندوں کی محبت کے لیے کم ہی جگہ باقی رہ جاتی ہے۔ مُومن کی نظر میں وہ غریب اور مُفلس شخص جسے ایمان کی دولت نصیب ہو،

خدا سے پھرے ہوئے ہر اس وزیر، لیڈر اور دولت مند سے کہیں بڑھ کر ہے جنھیں لوگ عزت کا مقام دیتے ہیں اور اُن کی بڑائی اور سرداری کے آگے جُھکتے ہیں۔

مُومن کی یہ صفت جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے بالکل ایک فطری تقاضا ہے۔ انسان اسی چیز کی عظمت اور بڑائی کو تسلیم کرتا ہے جسے وہ خود پسند کرتا ہو، یا جس مقام تک جانے کو وہ خود اپنے لیے پسند کرے۔ خُدا سے غافل، دولت کے نشے میں مَست اور اخلاق اور کردار سے محروم لوگ کبھی مُومن کی نظر میں عزیز نہیں ہو سکتے۔ مُومن نہ اُن کو بڑا مانتا ہے۔ اور نہ اُن کی بڑائی تسلیم کرتا ہے۔ اللہ کی نظر میں بزرگی کا معیار تقویٰ اور نیکی ہے۔ ٹھیک یہی معیار مُومن کے لیے بھی دُرست ہے۔ اس کی نظر میں بھی جو شخص جتنا زیادہ نیک، خُدا کا فرماں بردار اور اس کے دین پر چلنے والا ہے اتنا ہی وہ اُسے عزیز ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم آپس میں محبت اور عظمت کے لیے اسی معیار کو سَامنے رکھیں۔ دُنیوی فائدوں یا اندیشوں کو سامنے رکھ کر لوگوں کی عظمت کرنا مُومن کا کام نہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ سَامنے سے ایک شخص گزرا۔ حضورؐ نے صحابہؓ سے پُوچھا کہ بتاؤ اس شخص کے بارے تمھارا کیا خیال ہے؟ لوگوں نے کہا حضور! یہ اپنے قبیلے کا ایک بڑا آدمی ہے۔ سب لوگ اس کی عزّت کرتے ہیں یہ اگر کہیں شادی کے لیے پیام دے تو کوئی اِنکار نہیں کرے گا۔ اور اگر کسی کے حق میں یہ کسی سے کوئی سفارش کر دے تو وہ ضرور مان لی جائے گی۔ رَد نہیں کی جائے گی۔ اور اگر یہ کوئی بات کہے تو لوگ بڑے دھیان سے اس کی باتیں سُنیں گے۔ لوگ اس کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک دوسرے شخص کا گزر ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں بھی اپنے صحابہ سے وہی سوال کیا جو اس سے پہلے کیا تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ ایک غریب مسلمان ہے اس کے پاس پلّے کچھ ہے نہیں، اگر یہ کہیں، شادی کا پیام دے تو کوئی منظور نہ کرے گا کسی کی سفارش کرے تو کوئی کان نہ دھرے گا، اور کوئی بات کہے تو کوئی دھیان نہ دے گا۔ غرض یہ کہ لوگوں کی نظر میں اس کا کوئی مقام نہیں۔ صحابہؓ کی یہ باتیں سُن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "لوگو! تمھاری نظر حقیقت پر نہیں ہے۔ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ مِلْءِ الْاَرْضِ مِثْلَ هٰذَا۔ تم نے پہلے جو آدمی دیکھا اگر

ساری زمین پر اسی جیسے آدمی آباد ہوں تو وہ سب مل کر بھی اس ایک مردِ مؤمن کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اُس کی عظمت اور مقام بہت بلند ہے۔

بھائیو! یہ ایک کھلا ہوا پیمانہ ہے جس سے ہم لوگوں کے مقام کو نہایت آسانی کے ساتھ ناپ سکتے ہیں۔ اِسلام کی نظر میں یہی پیمانہ ٹھیک ہے اور مُومن کو اسی پیمانے سے کام لینا چاہیئے

وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ اَقُوْلُ قَوْلِيْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

جمعہ کی نماز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ - اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ - اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ - اَحْمَدُہٗ سُبْحٰنَہٗ وَاَشْکُرُہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ - وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ - اَرْسَلَہُ اللّٰہُ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ - وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا -

عزیزو! اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اُس نے ہمارے لیے دین کو مکمل کر دیا۔ اپنا رسول بھیج کر ہم پر اپنی نعمتوں کی انتہا کر دی۔ اور ہمیں توفیق عطا فرمائی کہ ہم نے اس کا دین اِسلام قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت اور اس کا سب سے بڑا کرم یہی ہے کہ وہ کسی بندے کو ہدایت قبول کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں اور اُس کے حبیبؐ کی اُمّت میں ہیں۔

بھائیو! اللہ تعالےٰ نے ہمارے ہی فائدے کے لیے اور ہماری دُنیا اور آخرت کی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے ہمیں بہت سے احکام کا پابند فرمایا ہے۔ اس نے ہم پر کتنی ہی چیزیں فرض کی ہیں۔ اور کتنے ہی کاموں سے روکا ہے آپ سب جانتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد سب سے اہم فرض جو ایک مسلمان کے ذمّے ہے وہ نماز ادا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پانچ وقت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ نماز اسلام کے ارکان میں سب سے اہم رُکن ہے جو شخص نماز قایم نہیں کر سکتا سمجھو وہ دین پر بھی قایم نہیں رہ سکتا۔ جو کوئی نماز نہ پڑھے اُس شخص کا نہ دین صحیح ہے اور نہ اسلام دُرست۔ نمازوں میں جمعہ کی نماز کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب جمعہ کی نماز کے لیے پکارا جائے تو ہم اپنے سارے کاروبار بند کر کے نماز کی طرف لپکیں۔ جمعہ کی نماز کے وقت کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ دُنیا کے کسی بھی کام میں لگا رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ - ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ - فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

"مُسلمانو! جب جمُعے کے دِن نماز کے لیے اذان دی جائے تو خُدا کی یاد (یعنی نماز) کی طرف دوڑ پڑو۔ اور خرید و فروخت بند کردو، اگر تم سمجھو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔ پھر جب نماز ہو چکے تو اپنے اپنے کاروبار میں لگ جاؤ۔ اور خدا کا فضل تلاش کرو۔ اور خدا کو زیادہ سے زیادہ یاد کرتے رہو تاکہ تمھیں کامیابی نصیب ہو۔"

عزیزو! اِن آیتوں میں یوں تو جمعہ کی نماز کا ذکر ہے۔ لیکن ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مُومن کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کی کیا اہمیت ہے۔ اِس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب مُومن کو اللہ کے کسی حُکم کی طرف بُلایا جائے تو پھر اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے سوا دوسرے دھندوں میں پھنسا رہے۔ اِسلام کا مطلب ہے گردن رکھ دینا ایک مُسلم کی حیثیت اس کے سوا کچھ ہے ہی نہیں کہ وہ ہر حال میں اللہ کا بندہ ہے، اس کے احکام کا مطیع ہے اور اللہ کے حکموں کے مقابلے میں کوئی دوسرا تقاضا ایسا ممکن ہی نہیں جو اُسے اللہ کی اطاعت سے روک سکے۔ بہ ظاہر معاشی نقصان ہو یا کسی دوسرے کا دباؤ، مُومن کسی حال میں جان بُوجھ کر اللہ کی نافرمانی نہیں کرسکتا۔

بھائیو! آپ کا عقیدہ ہے کہ ہر قسم کا نفع اور نقصان صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کسی نقصان کے اندیشے یا کسی نفع کے لالچ میں کوئی ایسا کام کرنے لگیں جس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو۔

بھائیو! یہ دُنیا امتحان کی جگہ ہے۔ یہاں ہر لمحہ ہماری اور آپ کی جانچ ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی بظاہر حالات ہمیں اللہ کے کسی حکم کی تعمیل میں کسی لازمی نقصان کا اندیشہ ہو لیکن مُومن اِتنا تنگ نظر نہیں ہوتا اس کی نظر فوری ملنے والے نفع اور نقصان تک محدود نہیں ہوتی اُس کی نظریں تو اُس کی دُنیوی زندگی کے اُس پار تک جاتی ہیں۔ اُس کی نظر میں تو نفع اور نقصان کے پیمانے ہی دوسرے ہوتے ہیں۔ وقت آجائے تو مُومن اپنا سب کچھ لُٹا کر بھی اپنے آپ کو کامیاب سمجھتا ہے۔ حد یہ ہے کہ جان دے دینا اُس کی نظر میں زندہ رہنے سے زیادہ عزیز ہو جاتا ہے

دوسری بات اِن آیتوں سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ مُومن کے نزدیک اللہ کو یاد کرنے کا مطلب

یہ نہیں ہے کہ وہ دُنیا کے کاروبار سے الگ ہو کر کسی کونے میں جا بیٹھے بلکہ اس کے برخلاف وہ اللہ کے فضل کی تلاش میں اِدھر اُدھر جاتا ہے۔ جائز طریقے پر روزی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس حال میں بھی وہ اللہ کو یاد رکھتا ہے۔ روزی کو اپنے قوت بازو کا پھل نہیں سمجھتا۔ بلکہ اُسے اللہ کا فضل جانتا ہے۔ اس کے ہاتھ پیر کاروبار کے دھندوں میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن اُس کا دل خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔ وہ ہر قدم پر یہ دھیان رکھتا ہے کہ کہیں کوئی قدم مالک کی مرضی کے خلاف نہ اُٹھ جائے۔ جائز اور ناجائز، حلال اور حرام ہر وقت اس کی نظر کے سامنے رہتے ہیں۔

برادرانِ ملّت! جمعہ کی نماز ہر عاقل اور بالغ مرد پر واجب ہے۔ خطبہ کا سُننا بھی واجب ہے۔ خطبہ کے وقت بالکل خاموش رہنا چاہیئے۔ اور جو کچھ کہا جائے اُسے غور سے سُننا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ "اگر تم نے جمعہ کے خطبے کے وقت زبان سے کسی سے یہ بھی کہا کہ "چُپ رہو"، تو تم نے غلط کام کیا"۔ جمعہ کی نماز کی طرح جمعہ کے خطبہ کو خاموشی کے ساتھ سننے کی بھی بڑی تاکید آئی ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص سُستی اور لاپروائی کی بنا پر تین جُمعے چھوڑ دے تو اس کے دل پر اللہ تعالیٰ مُہر کر دیتا ہے۔ یعنی پھر اس کے لیے نیکی اور بھلائی کی راہ پر آنا بڑا دشوار ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جمعہ میں تین قسم کے لوگ آتے ہیں کوئی تو آ کر فضول باتوں اور غلط کاموں میں لگ جاتا ہے۔ ایسا شخص وہی پاتا ہے جو وہ کرتا ہے۔ کوئی اِس لیے آتا ہے کہ یہاں آ کر وہ اللہ سے اپنی کوئی حاجت طلب کرے۔ وہ آ کر اللہ سے دُعائیں مانگتا ہے۔ اب اگر اللہ چاہتا ہے تو اس کی دُعا قبول فرما لیتا ہے اور چاہتا ہے تو قبول نہیں فرماتا۔ کوئی اِس حال میں آتا ہے کہ وہ آ کر نہایت خاموشی اور سکوت کے ساتھ اللہ کی یاد میں مصروف رہتا ہے، وہ مسلمانوں کی گردنوں پر سے پھلانگ کر نہیں آتا اور نہ کسی کو تکلیف پہنچاتا ہے تو ایسے شخص کے لئے اس کا اس طرح آنا اگلے جمعہ اور مزید تین دن تک کے لیے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ یعنی آیندہ دس روز تک اس سے جو کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اِن کوتاہیوں سے درگزر فرماتا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ عِبَادَ اللّٰهِ۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۔

رمضان نمبر ۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَصَّ بِالْفَضْلِ وَالتَّشْرِیْفِ بَعْضَ مَخْلُوْقَاتِہٖ فَجَعَلَ شَھْرَ رَمَضَانَ اَفْضَلَ شُھُوْرِ الْعَامِ وَاَوْجَبَ صِیَامَہٗ وَحَثَّ فِیْہِ عَلَی الطَّاعَاتِ۔

اَحْمَدُہٗ سُبْحَانَہٗ۔ مَا اَعْظَمَ شَانَہٗ۔ وَھُوَ الْمَحْمُوْدُ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَلْھَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الْبَرَرَۃِ الْاَخْیَارِ۔ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ۔ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ۔ فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ۔

دینی بھائیو! اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا موسم قریب ہے بلکہ کہنا چاہیئے کہ آہی پہنچا ہے۔ عام لوگوں کی نظر میں رمضانُ المبارک اور سال کے باقی گیارہ مہینوں میں کوئی خاص فرق نہ ہو تو نہ ہو، اور وہ اس کے شب وروز کو بھی عام دِنوں کی مانند ہی سمجھتے ہوں تو سمجھیں لیکن اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک رمضان اور دوسرے مہینوں میں بہت بڑا فرق ہے، اگر اس فرق کی حقیقت ہمیں معلوم ہو جائے تو ہم یقیناً اِن ایام کی آمد پر بڑی خوشیاں منائیں اور اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھیں کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں پھر ایک بار اس رحمت اور برکت کے موسم سے فائدہ اُٹھانے کا موقع عطا فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضانُ المبارک کا بڑے اشتیاق کے ساتھ انتظار فرمایا کرتے تھے جب آپ رجب اور شعبان کا چاند دیکھتے تو دُعا فرماتے کہ اے اللہ! ہمیں رمضان تک پہنچا دے۔"

جب رمضان مبارک بالکل قریب آجاتا تو آپ رمضان کی فضیلتوں اور برکتوں پر مشتمل خطبے دیتے اور صحابۂ کرام کو رمضان کی برکتوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے کے تیار کرتے حضورؐ کے کچھ خطبے حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور اللہ کا فضل ہے کہ ہم اُن سے فائدہ اُٹھاسکتے ہیں حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ ایک بار شعبان کی آخری تاریخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا:۔

اَے لوگو! ایک بڑی عظمتوں اور برکتوں والا مہینہ تم پر اپنا سایہ کرنے والا ہے۔ اس مبارک مہینے کی ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے"۔

حضورؐ کے اِن الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ رمضان کا مہینہ مومن کی نظر میں کس قدر بزرگی اور بڑائی کا مہینہ ہے، اور شب قدر جسے قرآن میں بھی ہزار مہینوں سے بہتر کہا گیا ہے۔ اِسی مہینے میں ہوتی ہے۔ اِس کے بعد حضورؐ نے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے اِس پورے مہینے کے روزے فرض کیے ہیں، اور اس کی راتوں کی نماز یعنی تراویح کو بڑے ثواب کا کام قرار دیا ہے۔ جو شخص اِس مہینے میں کوئی سنت یا نفل عبادت کرتا ہے تو اس کو دوسرے زمانے کی فرض عبادتوں کے برابر ثواب ملتا ہے اور جو شخص اِس مہینے میں فرض عبادت اَدا کرتا ہے تو دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔

بھائیو! حضورؐ کے یہ الفاظ ہمارے لیے بڑے ہی اہم ہیں۔ ان میں ہمارے لیے بڑی خوش خبری ہے۔ اگر ہمیں آخرت کے اجر و ثواب کا یقین ہے۔ اگر ہم آخرت کے لیے زیادہ سے زیادہ سرمایہ جمع کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں تو ہمارے لیے یہ خوش خبری بڑی ہی اہم ہے جس طرح ایک حریص تاجر نفع کمانے کے موسم میں اپنا تمام سرمایہ تجارت میں جھونک دیتا ہے، اور پائی پائی سے خالی ہاتھ ہوکر اور اپنی بہت سی ضرورتوں کو روک کر اپنا سب کچھ کاروبار میں لگا دیتا ہے، اسی طرح ہر مومن اس خوش خبری کو سن کر کوشش کرے گا کہ جہاں تک ہو سکے اِس موقع سے فائدہ اُٹھائے اور اس وقت کا کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہ گزرنے دے جس میں وہ کوئی نہ کوئی کام اللہ کی خوشی کا نہ کرے۔ ہمارے لیے یہ اللہ کی خاص رحمت کا موسم ہے اگر ہم اس سے فائدہ اُٹھانے کے لیے کمر کس لیں تو اللہ کے فضل سے اُمید ہے کہ ہم آخرت کے لیے بہت کچھ جمع کر سکتے ہیں۔

اِس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

رمضان کا یہ مہینہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے۔ اور وہ مہینہ ہے جس میں ایمان والوں کی نیکیوں کا بدلہ اور ان کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔"

اِس مہینے میں جو شخص کسی روزے دار کو افطار کرائے تو یہ اس کے لیے گناہوں کی مغفرت کا اور دوزخ کی آگ سے چھٹکارا پانے کا ذریعہ ہوگا اور اس کو اس روزے دار کے برابر ثواب ملے گا۔ بغیر اس کے کہ اس روزے دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔

"یہ وہ مہینہ ہے کہ اس کا پہلا حصہ رحمت کا ہے، درمیانی حصہ مغفرت کا ہے اور آخری حصہ دوزخ سے چھٹکارا پانے کا ہے۔"

حضورؐ کے اِن الفاظ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ رمضانِ مبارک میں خاص طور پر مومن کی روش کیا ہونا چاہیے۔ پہلی بات جس کی تاکید کی گئی ہے وہ صبر ہے اور ہم جانتے ہیں کہ صبر دین کی رُوح ہے۔ دین کی راہ پر قائم رہنے اور زندگی میں دین کے تقاضے پُورے کرنے کے لیے سب سے بڑی قوت صبر ہے۔ رمضان کا مہینہ اس قوت کو حاصل کرنے کے لیے بہترین زمانہ ہے جو کوئی اُس مہینے میں اِس صفت کو اپنے اندر بڑھائے گا وہ یقیناً سخت سے سخت حالات میں بھی دین کے تقاضے پُورے کر سکے گا۔ اور اللہ کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے میں جو مصیبتیں آئیں گی اُنھیں جھیل سکے گا اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں جنت تیار کر رکھی ہے۔

بھائیو! رمضان کا مہینہ آپس کے تعلقات کو خوشگوار بنانے کے لیے اور ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہونے کے لیے بہترین وقت ہے اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مستحق بننے کے لیے اور اس کے عذاب سے نجات پانے کی کوشش کرنے کے لیے یہ وقت بڑا قیمتی ہے، اُس کے ایک ایک لمحہ کو اپنے لیے کار آمد بنانا چاہیے: اس زمانہ میں اپنے کو اللہ کی رحمتوں کا مستحق بنایئے، اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگیے اور آیندہ کے لیے اس کی مرضی کی روش پر چلنے کا فیصلہ کیجیے۔ اللہ کے عذاب سے نجات حاصل کرنے کے لیے یہی ایک بہتر صورت ہے۔

عزیزو! یہ ہے رحمت اور برکت کا وہ مہینہ جو جلد ہی شروع ہونے والا ہے بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس وقت کو اپنی زندگی کا رُخ موڑنے کے لیے کام میں لائیں جو اس زمانے میں اللہ کی رحمتوں کے حق دار بن جائیں اور جو اِن دنوں میں اللہ کے عذاب سے نجات پانے کا کوئی

سامان کرلیں، بڑی خوش قسمتی ہے کہ اللہ نے ہمیں پھر ایک بار ان برکت والے دنوں سے فائدہ اُٹھانے کی مہلت عطا فرمائی۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ ہم میں کتنے ایسے ہوں گے جن کے لیے یہ مہلت آخری مہلت ہو۔ ہر شخص کو سوچنا چاہیے کہ شاید اس کے لیے یہ آخری مہلت ہے، اس تصوّر کے تحت اِن دنوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کیجیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان سے متعلق ایک دوسرے خطبے میں ارشاد فرمایا ہے:۔

"تم اِس مہینے میں چار چیزوں کی خصوصیت کے ساتھ کثرت کرو۔ ایک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی کثرت، دوسرے استغفار کی کثرت، تیسرے جنّت کے سوال اور چوتھے دوزخ سے پناہ مانگنے کی۔"

بھائیو! جس شخص کی زندگی توحید پر بسر ہوگئی، جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے تقاضے پُورے کر دیے جس نے اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں کو معاف کرالیا اور جو اس سب کے نتیجے میں دوزخ سے بچ گیا اور جنت میں داخل ہوگیا۔ بس جانو وہی کامیاب ہے۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ - عِبَادَ اللّٰهِ وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ - بَارَكَ اللّٰهُ لِیْ وَلَكُمْ فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ

رمضان نمبر ۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَکْمَلَ الدِّیْنَ۔ وَاَتَمَّ عَلَیْنَا نِعْمَتَہٗ وَ رَضِیَ لَنَا الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ اَحْمَدُہٗ اَنْ جَعَلَنَا خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ۔ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ بَعَثَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

بھائیو! اللہ کا شکر ہے کہ آپ اور ہم ایک بڑے محترم مہینہ میں سانس لے رہے ہیں۔ اس کا ایک ایک لمحہ خیر اور برکت ہے یہ روزوں کا مہینہ ہے۔ نمازوں کا مہینہ ہے۔ اللہ کے ذکر کا مہینہ ہے۔ گناہوں سے معافی مانگنے کا مہینہ ہے۔ اس میں جنّت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اِس مہینے میں جہاں تک ہوسکے زیادہ سے زیادہ نماز، ذکر اور تلاوت قرآن میں وقت صَرف کیجیے۔ لڑائی جھگڑے اور گناہوں کے کام سے دُور رہیے۔ غریبوں، مسکینوں کی مدد کیجئے۔ ضرورت مندوں اور محتاجوں کی خبرگیری کیجئے! اللہ کی رحمتوں سے فیضیاب ہونے کا بہترین وقت آپ کو مل رہا ہے۔ اس سے فائدہ اُٹھائیے۔ اور اپنے لیے زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا سرمایہ جمع کرلیجئے۔

دوستو! روزہ بڑی اہم عبادت ہے۔ بندہ صرف اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کرنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور اپنی بہت سی جائز خواہشات کی تکمیل پر بھی پابندی لگا لیتا ہے۔ دِلوں کو بُرائیوں سے پاک کرنے کے لیے بندے کا یہ عمل بہت ہی مفید ہے۔ اس سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ بندے کے دل میں اللہ کی ناخوشی سے بچنے اور اس کی نافرمانی سے ڈرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ جو کچھ کرتا یا کہتا ہے اِس سے پہلے یہ سوچ لیتا ہے کہ میرے اِس فعل سے کہیں میرا مالک ناخوش تو نہ ہوگا۔ یہی وہ قوت ہے جو انسان کی تمام صلاحیتوں کو شر کے راستوں میں صرف ہونے سے بچا کر خیر کے راستوں میں صرف کراتی ہے، اسی کی

بدولت انسان شیطان بننے سے باز رہ سکتا ہے اور انسان بن سکتا ہے۔

بھائیو! یہ مہینہ جس طرح بدنی عبادتوں کے لیے خاص ہے۔ اسی طرح مالی عبادتوں کے لیے بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔ فقیروں اور مسکینوں کی مدد، عزیز اور اقربا کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے دُکھ درد میں شرکت، اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے زیادہ سے زیادہ مالی قربانی، یہ سارے کام ایسے ہیں کہ اس مہینے میں ان کا اجر اور ثواب کتنے ہی گنا بڑھ جاتا ہے۔ مال کا صرف کرنا دل کی پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے بے حد مفید ہے دل کے بے شمار روگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے دُور ہوتے ہیں۔

زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے بھی یہ وقت بہترین وقت ہے۔ زکوٰۃ اسلام کا ایک رُکن ہے اور اسلامی نظام کی عمارت کا نہایت ہی اہم ستون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہر اس شخص پر فرض کیا ہے جو صاحب نصاب ہو۔

عزیزو! مال خرچ کرنے کے بارے میں مؤمن کا نظریہ عام دنیاداروں سے مختلف ہوتا ہے۔ دنیادار سمجھتا ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے مال گھٹتا ہے لیکن مؤمن یہ جانتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہی دراصل مال کا بچا لینا ہے۔ ایک حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

یَا ابْنَ اٰدَمَ، اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْكَ۔ (اے آدم کی اولاد، تو میری راہ میں خرچ کر تو میں تیرے اوپر خرچ کروں)

جائز کمائی سے حاصل کیا ہوا مال جب اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے تو اس سے مؤمن کے لیے دُنیا اور آخرت دونوں میں خیر کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ بات اگرچہ کسی مادہ پرست دنیادار کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ لیکن مؤمن کا ایمان ہے اور بے شمار اہل ایمان کا تجربہ۔

بھائیو! دو چیزیں ایسی ہیں جو صدقہ اور خیرات کو برباد کر دیتی ہیں۔ اور پھر مال خرچ کرنے والے کو کچھ ہاتھ نہیں آتا:۔

۱۔ پہلی چیز ریا ہے جو مال دِکھاوے اور نام و نمود کے لیے صرف کیا جائے گا اس کا

کوئی پھل نہیں ملے گا اور قیامت کے دن اُس سے کہہ دیا جائے گا کہ تونے نام کے لیے مال خرچ کیا تھا تو تیرا نام ہوگیا۔ اور تجھے لوگوں نے بڑا سخی اور فیاض کہہ دیا۔

۲۔ دوسری چیز کسی کو کچھ دے کر احسان جتانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اے ایمان والو! تم لوگوں پر احسان جتا کر اپنے صدقات کو برباد نہ کرو۔" مومن جب کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے تو دراصل وہ خود اپنے اوپر احسان کرتا ہے کیوں کہ اس سے وہ اپنے لیے اللہ کی رحمتیں حاصل کرتا ہے۔

بھائیو! اس مبارک مہینے کی فضیلتیں کوئی کہاں تک بیان کرے اسی مہینے میں وہ رات بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہزار مہینوں سے بہتر فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ رات رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے۔ اسی مہینے کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا جاتا ہے۔ رمضان کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کے لیے اعتکاف بڑا ہی اچھا ذریعہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اعتکاف فرمایا ہے۔ غرض یہ کہ یہ ایسے دن ہیں کہ ان میں ایک بندہ مومن جتنا چاہے اپنے لیے نیکیوں کا سرمایہ جمع کرے جس کسی نے ان دنوں کو اچھی طرح گزارا۔ اللہ کے ذکر، نماز اور تلاوت سے شغف رکھا، اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کی اُسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ کہ اس نے بڑی نعمت حاصل کر لی۔ اور جو ان نعمتوں سے محروم رہ گیا سمجھو وہ بڑے ہی ٹوٹے میں رہا۔

ہم میں سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ یقیناً اگلے سال بھی اس رحمت کے مہینے سے فائدہ اُٹھانے کے لیے موجود رہے گا۔ اِس لیے جو وقت اور جو مہلت مِل جائے اُسے غنیمت جاننا چاہیئے اور اُس سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

اے اللہ! ہمیں توفیق دے کہ ہم اِن برکت والے دِنوں سے پُورا پورا فائدہ اُٹھائیں تیری رحمت اور تیری مغفرت کی دولت سے مالا مال ہو جائیں۔ اے اللہ تو ہمیں دوزخ سے نجات عطا فرما۔ ہماری خطاؤں کو معاف کردے اور ہماری کوتاہیوں کو اپنی رحمت سے ڈھانک لے۔ صرف تیری رحمت ہی ہمارا سب سے بڑا سہارا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ

وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ٥

بَارَكَ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ۔ وَنَفَعَنِيْ وَاِيَّاكُمْ بِمَا فِيْهِ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ

رمضان نمبر ۳

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَصَّ بِالْفَضْلِ وَالتَّشْرِیْفِ بَعْضَ مَخْلُوْقَاتِہٖ فَجَعَلَ شَھْرَ رَمَضَانَ اَفْضَلَ شُھُوْرِ الْعَامِ اَحْمَدُہٗ سُبْحٰنَہٗ وَھُوَ الْمَحْمُوْدُ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَّاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ. اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الْبَرَرَۃِ الْاَخْیَارِ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ۔ فَیَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ۔ شَھْرٌ عَظِیْمٌ۔ شَھْرٌ مُّبَارَکٌ شَھْرٌ فِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَّ قِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا۔ مَنْ تَقَرَّبَ فِیْہِ بِخَصْلَۃٍ مِّنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْہِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَۃٍ فِیْمَا سِوَاہُ۔ وَھُوَ شَھْرُ الصَّبْرِ۔ وَالصَّبْرُ ثَوَابُہُ الْجَنَّۃُ۔ وَشَھْرُ الْمُوَاسَاۃِ

بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوقات میں سے بعض کو بعض پر شرف بخشا۔ چنانچہ سال کے تمام مہینوں میں اُس نے رمضان کے مہینے کو فضیلت بخشی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رمضان کا مہینہ بڑی عظمت اور برکت کا مہینہ ہے! اسی مہینہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک نازل فرمایا، جو تمام انسانوں کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کو اپنی ایک مخصوص عبادت روزے کے لیے منتخب فرمایا۔ قرآن پاک سے اور صحیح حدیثوں سے اس مہینے کی عظمت اور بزرگی ثابت ہے۔ اِس مہینے میں عبادتوں کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ نوافل کا ثواب فرضوں کے برابر اور فرضوں کا ثواب ستر گنا تک زیادہ ہو جاتا ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ ایک مومن کے لیے رمضان کا مہینہ گویا نیکیاں کمانے کی فصل ہے۔ اِس مہینے میں ایک رات تو ایسی ہے جسے خود اللہ تعالےٰ نے ہزار راتوں سے بہتر فرمایا ہے۔

بھائیو! اِن مُبارک دنوں کے دوبارہ میسر آنے پر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ نعمتیں اسی وقت

خیر کا موجب بنتی ہیں۔ جب اُن کا صحیح شکر اَدا کیا جائے ۔ رمضان مُومن کے لیے ایک بہت بڑی نعمت ہے ہم پر اُس کا شکر واجب ہے۔ اور شکر کی بہترین صُورت یہی ہے کہ ہم اس نعمت کا صحیح استعمال کریں اور اُس کے ذریعہ اپنے رب کی خوشنودی زیادہ سے زیادہ حاصل کریں۔ ہر وہ مُومن جسے اللہ تعالیٰ نے زندگی میں پھر ایک بار رمضان کی نعمت سے فائدہ اُٹھانے کی مہلت عطا فرمائی ہے بڑا ہی خوش نصیب ہے کہ اُسے اپنی نیکیوں کے ذخیرے میں اضافہ کرنے کا موقع پھر ہاتھ آرہا ہے اس موقع سے وہی لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں جو ایک طرف تو دل سے اس نعمت کی قدر پہچانیں۔ اَوْر دوسری طرف اس سے فائدہ اُٹھانے کے لیے وہ جو کچھ کر سکتے ہیں اس میں دریغ نہ کریں۔

بھائیو! آپ جانتے ہیں کہ اللہ کی عبادت سے وہی لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں جو ذہن کی یکسوئی اور پُورے شوق کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ رسمی طور پر کچھ ارکان اَدا کر لینے سے ممکن ہے کہ فرض اَدا ہو جائے لیکن عبادت سے جو فائدے ایک مُومن کو ملنا چاہئیں۔ اُن کے دروازے اُس وقت تک نہیں کھُل سکتے۔ جب تک یکسوئی، ذوق وشوق اور محبت کے ساتھ کوئی عبادت نہ کی جائے۔ یہ بات نماز کے بارے میں بھی صحیح ہے اور زکوٰۃ اور حج کے بارے میں بھی، اور یہی بات روزے کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ روزہ رکھ لینا ایک بات ہے لیکن اُس سے جو فائدے حاصِل ہونا چاہئیں وہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک روزہ پُورے شعور، یکسوئی اور ذوق وشوق کے ساتھ ان تمام پابندیوں کا لحاظ رکھتے ہوئے نہ رکھا جائے، جو روزے کے سِلسلے میں ضروری ہیں۔ اللہ کا بے حد و بے حساب شکر ہے کہ اُس نے ہمیں پھر یہ نعمت عطا فرمائی، یہ ہماری بڑی بدنصیبی ہوگی کہ اگر ہم اس نعمت کو پاکر خالی ہاتھ رہ جائیں۔ ہمیں پوری کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اس موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکیں۔

عزیزو! رمضان سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی کا جائزہ لیں، اپنے ایمان کو تازہ کریں اور اپنی کوتاہیوں کو خود تنہائی میں بیٹھ کر محسوس کریں۔ اِس احتساب یا جائزے کے نتیجے میں ہماری زندگی کے جو کمزور پہلو سامنے آئیں اُن پر قابو پانے کا فیصلہ کریں۔ اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہیں۔ گناہوں کی معافی چاہنے کے لیے رمضان سے بہتر کون سا زمانہ ہو سکتا ہے۔؟ یہ موقع اِس بات کے لیے سب سے زیادہ مناسب ہے کہ آدمی اپنی پوری رَوِش پر خود کر ہی

نظر سے تنقید کرے۔ ہماری کوتاہیوں کو خود ہم سے زیادہ کوئی دوسرا کون جان سکتا ہے؟ اس موقع پر ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہمیں کیا کیا ترک کرنا ہے۔ اور کیا کیا اختیار کرنا ہے۔ زندگیوں کو بدلنے اور ایک ڈھرے پر گزرنے والی زندگی کو کسی اچھے سانچے میں ڈھالنے کے لیے رمضان سے بہتر کوئی دوسرا زمانہ نہیں ہو سکتا۔

بھائیو! رمضان کی برکتوں سے فائدہ اُٹھانے کے لیے ہر روز شعور کے ساتھ روزہ شروع کیجیے۔ اور دل میں اس ذوق اور شوق کو پیدا کرنے کی کوشش کیجیے کہ آپ جو کچھ کرنے جا رہے ہیں۔ اُس سے آپ کا آقا اور مالک خوش ہوگا۔ اور ہر آنے والا دن آپ کے اندر محبت اور شوق کے جذبات کو بڑھائے، اِس طرح کے روزے جو بھی میسر آجائیں انھیں بڑی دولت سمجھنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ یعنی جو کوئی خلوص ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کے ثواب کی آرزو میں روزہ رکھے گا، اللہ تعالیٰ اُس کے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ ایک بندۂ مومن کے لیے اِس سے بڑی خوش خبری اور بشارت کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا مالک اس کی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا۔

بھائیو! جو شخص ایمان کی تازگی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ذوق و شوق کے ساتھ سوچ سمجھ کر روزہ رکھے گا، ممکن نہیں کہ اُس کا روزہ اس کے مشاغل پر اثر نہ ڈالے اُس کی گفتگو کا رنگ بدل جائے گا۔ اُس کے صبح شام کے پروگراموں میں فضول باتوں اور کاموں کے لیے کوئی گنجایش نہ رہ جائے گی، اور اس کی زبان غلط اور بُری باتوں کے لیے گونگی ہو جائے گی۔ روزے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کے لیے اس زمانے میں عبادات کی کثرت کا اہتمام کیجیے۔ عبادات کے سلسلے میں آپ کے جو بھی معمولات رہے ہوں انھیں زیادہ کر دیجیے۔ ایک حریص تاجر جسے زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی دُھن سوار ہوتی ہے۔ اِس زمانے میں اپنی پونجی کی ایک ایک پائی اپنی تجارت میں لگا دیتا ہے جس زمانے میں اُسے نفع حاصل کرنے کی توقع ہوتی ہے۔ رمضان کا مہینہ مومن کے لیے بالکل ایسا ہی ہے۔ اِس زمانے میں وہ تھوڑی عبادت کر کے بہت ثواب کماتا ہے اِس لیے وہ اس بات کا حریص ہو جاتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس وقت سے فائدہ اٹھائے اور

نیکی کے جتنے کام وہ کرسکتا ہو، اِن دنوں میں کرے یہ زمانہ قرآن کی تلاوت، اللہ تعالیٰ کے ذکر، نوافل کی کثرت اور دوسری عبادات کے لیے بہترین موقع ہے جہاں تک ممکن ہوسکے اس زمانے میں قرآن کے سمجھنے اور پڑھنے کا زیادہ سے زیادہ موقع نکالیے۔ دوسری نیکیوں کی طرح یہ زمانہ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کے لیے بھی بہترین زمانہ ہے۔ مساکین کی خبرگیری، پاس پڑوس کے ضرورت مندوں کی دیکھ بھال، دین کی خدمت کے لیے اپنے پیسوں کا صرف۔ غرض یہ کہ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کی جو بھی زیادہ سے زیادہ گنجائش ہوسکے۔ اِس سے فائدہ اُٹھائیے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے بھی یہ ایام نہایت ہی مناسب ہیں۔ جب اِس زمانے میں نیکیوں کا ثواب کتنے ہی گُنا بڑھا چڑھا کر ملتا ہے تو کیوں نہ ایک مُومن اِس زمانے کو اپنی نیکیوں کے لیے مخصوص کرے۔

دوستو اور عزیزو! آج جن حالات میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اس کا یہ پہلو ہمارے لیے بڑا ہی قابلِ توجہ ہے کہ اب ہمارے ماحول سے اللہ کی اطاعت اور اس کی عبادات کی طرف ذوق وشوق کی کیفیتیں گُم ہوتی جارہی ہیں۔ پُرانی مثل ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ یعنی ماحول کا اثر ہر شخص پر پڑتا ہے۔ ایک ایسا شخص جو کسی دینی ماحول میں وقت گزار رہا ہو اس کے لیے دین کے تقاضوں کو چھوڑنا مشکل ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مُومن اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنے ماحول کی اصلاح کو ضروری سمجھتا ہے۔ ایک تو اس لیے ضروری کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ اور دوسرے اس لیے بھی کہ خود اُس کے دین دار رہنے کے لیے دینی ماحول سازگار ہوتا ہے۔ اِس بات کے پیشِ نظر آپ اپنے ماحول سے بھی غافل نہ رہیں۔ جہاں تک ممکن ہو کوشش کریں کہ آپ کے آس پاس جو لوگ ہیں ان مُبارک دِنوں کی قدر وقیمت پہچانیں اور اللہ کی رحمتوں سے اپنا دامن بھرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ خود آپ کے گھر والے، آپ کے پڑوسی، محلہ دار، کاروبار کے ساتھی، ملنے جُلنے والے، اور ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والے سب آپ کی توجہ کے مستحق ہیں۔ ان میں سے جتنوں کو آپ اپنے سفر کا ساتھی بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے اتنا ہی آپ کا سفر آپ کے لیے آسان ثابت ہوگا

بھائیو! بڑی مُبارک ہیں وہ گھڑیاں جو رمضان کی صُورت میں ہمیں میسر آئیں۔ کوشش کیجئے کہ اِن دنوں میں آپ اپنے کچھ ایسے ہم خیال تلاش کرسکیں جن کے ساتھ بیٹھ کر آپ دینی باتیں

کریں - مل جل کر کچھ پڑھیں، قرآن پاک کو سمجھیں اور سمجھائیں اور احادیث کی نعمتوں سے اپنے کو مالا مال کریں۔ تھوڑی سی توجہ کرنے سے ضرور آپ کوئی نہ کوئی ایسا وقت نکال سکیں گے جو آپ اس کام کے لیے مخصوص کر سکیں۔ آپ محسوس کریں گے کہ اس طرح کی جو کوشش بھی آپ کریں گے وہ آپ کے لیے غیر معمولی طور پر نفع دینے والی ثابت ہوگی۔ خدا کرے کہ ہمیں ان مبارک موقعوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی توفیق میسر آسکے اور ہم اللہ تعالیٰ کی اِس نعمت سے جو ہمیں اِن مبارک دنوں کی شکل میں آئی ہے۔ زیادہ سے زیادہ حصّہ پا سکیں۔

وَفَّقَنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُمْ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی۔

رمضان نمبر ۴

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مُعِزِّ مَنْ اَطَاعَہٗ وَاتَّقَاہُ وَمُذِلِّ مَنْ اَضَاعَ اَمْرَہٗ وَعَصَاہُ۔ وَمَنْ یُّھِنِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّکْرِمٍ۔ اَحْمَدُہٗ سُبْحٰنَہٗ وَاَشْکُرُہٗ وَاَسْاَلُ الْمَزِیْدَ مِنْ فَضْلِہٖ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ بَعَثَہُ اللّٰہُ بِالْحَقِّ وَاَنْزَلَ عَلَیْہِ الْقُرْاٰنَ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ ○ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتِکَ وَرَحْمَتَکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیّٖنَ، عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّابْعَثْہُ مَقَامًا یَّغْبِطُہٗ بِہِ الْاَوَّلُوْنَ ○

دوستو اور عزیزو! ہر شخص بڑا آدمی بننا چاہتا ہے۔ کوئی اس کے لیے دولت کو سہارا بناتا ہے کوئی اقتدار کی طرف لپکتا ہے، کوئی علم کے ذریعہ بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے، کوئی اپنے نسب اور خاندان کو بڑائی کے لیے بنیاد بناتا ہے۔ کوئی چاہتا ہے کہ ہمیشہ یاد رہ جانے والی کوئی ایجاد کرے، کوئی کسی فن میں مہارت پیدا کرکے بڑا بننا چاہتا ہے۔ غرض یہ کہ اس ایک خواہش کو پورا کرنے کے لیے ہزار جتن ہیں۔

بھائیو! بڑا بننے کی یہ تمام کوششیں جس کی بے شمار شکلیں ہمارے سامنے آتی ہیں ہمیں صاف بتاتی ہیں کہ جو لوگ اس شوق کا شکار ہیں وہ سب کے سب انسانوں کے سامنے بڑا بننا چاہتے ہیں وہ لوگوں کی نظروں میں اپنا مقام اونچا کرنے کے خواہش مند ہیں۔ اُن کا مقصد صرف دوسرے لوگوں پر اپنی دھاک بٹھانے سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن عزیزو! انسانوں کی نظروں میں بڑا بننا اپنی حقیقت کے اعتبار سے بالکل بے اصل اور لاحاصل کوشش ہے۔ مومن کی نظر میں اس بڑائی کا کوئی مقام نہیں۔ وجہ ظاہر ہے جو زندگی عارضی ہو، ختم ہو جانے والی ہو، اور جس کے بعد ایک دوسری ہمیشہ رہنے والی زندگی سے انسان کو واسطہ بھی پڑنا ہو تو اسے کون پسند کرے گا کہ اُس کی نظر میں صرف عارضی زندگی کی بڑائی تک محدود ہو جائیں۔ جو شخص چند دن کے

سفر پر کہیں گیا ہو، وہ کیسے اُس پر مطمئن ہو سکتا ہے کہ اسے جو کچھ ملنا ہو وہ سفر میں تو مل جائے لیکن جب لوٹ کر گھر آئے تو اس کے پلّے کچھ نہ ہو، ہر عقل مند یہی چاہے گا کہ اُسے جو کچھ ملنا ہے وہ اُس کے وطن میں ملے اور اگر سفر میں اُسے کچھ ہاتھ آئے بھی تو وہ وطن میں ملنے والی عزت اور مقام کے مَاسوا ہو، ایسا نہ ہو کہ وطن میں تو ذلت اور بربادی سے دو چار ہونا پڑے اور سفر میں گھڑی دو گھڑی کے لیے عزت اور مقام حاصل ہو جائے۔

دوستو! یہی وہ بڑا فرق ہے جو ایک مومن اور غیر مومن کے نقطۂ نظر میں پایا جاتا ہے۔ مومن صرف اس بڑائی کو بڑائی سمجھتا ہے جو اللہ کے نزدیک بڑائی ہو۔ اس بڑائی کے بغیر دُنیا کے بڑے بڑے مقام کی بھی کوئی وقعت اس کی نظر میں نہیں ہوتی۔ مومن تو جبھی مطمئن ہو سکتا ہے جب اس کا حقیقی مالک اسے نوازے لیکن اگر وہ اس مالک کی نظروں میں گر جائے تو پھر وہ سارے عالم کی بادشاہت کو بھی پسند نہیں کرتا۔

دوستو! اس فرق کو سامنے رکھ کر جب ہم سوچتے ہیں تو ہم فوراً ہی اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں، کہ واقعی بڑا کون ہے آپ سب جانتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک انسان کی بڑائی کا ایک ہی معیار ہے اور وہ یہ کہ انسان زیادہ سے زیادہ اللہ کی خوشنودی کا طالب ہو، اُس کی ناراضگی سے ڈرنے والا ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ۔ "اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے"۔ یہی تقویٰ دراصل انسان کے مقام کو بلند کرتا ہے۔ یہی تقویٰ وہ پیمانہ ہے جس سے انسان کی حقیقی بڑائی ناپی جا سکتی ہے جتنا زیادہ متقی ہے حقیقت کے اعتبار سے وہ اُتنا ہی بڑا آدمی ہے۔ اِس کے علاوہ بڑائی کی جو بنیاد ہے وہ غلط ہے۔

بھائیو! یہ رمضان کے مبارک ایام ہیں۔ اِن دنوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر روزہ فرض کیا ہے اور روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ "مسلمانو! جیسے تم سے پہلے لوگوں کے لیے روزہ فرض کیا گیا تھا ایسے ہی تم پر بھی روزہ فرض کیا گیا ہے تا کہ تم متقی بن سکو"۔ اِس اعتبار سے ان ایام کی اہمیت کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں یہ وہ مبارک دن ہیں جن میں اِس بات کا زیادہ سے زیادہ موقع ہمیں حاصل ہے کہ اگر ہم چاہیں تو تقویٰ کی زندگی

اختیار کریں، اس طرح اپنے آقا اور مالک کے نزدیک عزت اور بزرگی کا مقام حاصل کریں۔

بھائیو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اُس کی اطاعت کرو، اور گناہوں سے بچو، روزے کی بڑی فضیلت ہے، اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے بڑا اجر رکھا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا"۔ بندہ جب خالص نیت کے ساتھ محض اللہ کے حکم کی بجاآوری میں صرف اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنا کھانا پینا اور دوسری چیزیں چھوڑتا ہے تو اُس کا یہ کام یقیناً اُسے اللہ سے قریب کرتا ہے بندہ اپنے رب کی رحمت سے اُمید لگاتا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہے۔

دوستو! اگر روزہ صحیح طریقے سے رکھا جائے تو اُس سے نفس میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے کے لیے قوت ملتی ہے، اللہ کی نعمتوں کا احساس ہوتا ہے، غریبوں اور مسکینوں کی پریشانیوں کا اندازہ ہوتا ہے اور بے شمار برکتیں مؤمن کے حصے میں آتی ہیں۔

عزیزو! ہم سب جانتے ہیں کہ روزہ محض کھانا اور پینا چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے، درحقیقت بُرائیوں کو چھوڑنے اور بھلائیاں اختیار کرنے کی ایک سوچی سمجھی کوشش جب تک نہ کی جائے روزے سے وہ فائدے حاصل نہیں ہوسکتے جو ہونے چاہئیں۔ آپ جانتے ہیں کہ روزہ رکھ کر جھوٹ سے بچنا، غلط باتوں سے دُور رہنا، غیبت، بہتان، گالی گلوج اور فضول باتوں سے زبان کو روکنا کتنا ضروری ہے۔ جو شخص اِن باتوں پر نظر نہیں رکھتا اُس کے بارے میں حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ اُن کے حصے میں سوائے بھوک اور پیاس کی تکلیف کے اور کچھ نہیں آتا"۔ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور غلط کام کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اِس بات کی کوئی حاجت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے"۔

بھائیو! یہ مُبارک ایام اللہ کی رَاہ میں مال خرچ کرنے کے لیے بہترین زمانہ ہے، غریبوں کی مَدد، مسکینوں کی دیکھ بھال، اور ضرورت مندوں کی خبرگیری کے لیے زیادہ سے زیادہ موقع نکالیے۔ یوں بھی اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے۔ وہ مؤمن کی نظر میں دراصل خرچ نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک اضافے کا سبب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مَثَلُ الَّذِیْنَ

يُنفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ - وَاللهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔" اُن لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اس دانے کی سی ہے جس کے پودے میں سات بالیں آتی ہیں اور ہر بال میں سو دانے ہوتے ہیں۔ یعنی اگر بندہ خلوص نیت کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو ہو سکتا ہے اسے ایک کے بدلے سات سو ملیں اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے بعد اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے ثواب کی اس مقدار کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے اور خوب جانتا ہے کہ کس شخص نے کس جذبے اور کس خلوص کے ساتھ اپنا مال خرچ کیا ہے۔" اور پھر یہ تو ہمیں معلوم ہی ہے کہ اس ماہ مبارک میں جو نیکیاں کی جاتی ہیں ان کا ثواب تو اللہ تعالیٰ اور بھی بڑھا چڑھا کر عطا فرماتا ہے۔ اِس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو یہ زمانہ مومن کے لیے بڑا نفع کمانے کا زمانہ ہے۔ پوری کوشش کیجیے کہ اس میں آپ زیادہ سے زیادہ نیکیاں کما سکیں۔ غریبوں کی مدد کرنا، عزیزوں، رشتہ داروں کی خبر گیری کرنا، دوسرے خیر کے کاموں میں اللہ کے دیئے ہوئے مال کو صرف کرنا اور دین کی سربلندی کے لیے اپنے وسائل کو کام میں لانا اِن دنوں میں بڑے ہی نفع کے کام ہیں، خلوص شرط ہے۔ اس کے بعد بندے کو اپنے مولا سے زیادہ سے زیادہ اجر کی توقع رکھنا چاہیے۔ اللہ کی راہ میں صرف کرنے سے مال ضائع نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔ بہترین انسان وہ ہے جو خیر کے کاموں میں اچھے سے اچھا نمونہ پیش کرے۔ اور اُس کا وجود نیکی اور احسان کے لیے سبب بن جائے۔

دوستو! اپنے رب کی خوشی حاصل کرنے کے لیے یہ بہترین زمانہ ہے ہم سب کو کوشش کرنا چاہیئے کہ نیکی کے کاموں میں ہم ایک دوسرے سے آگے بڑھ جائیں یہی سب سے بڑی نعمت ہے۔

عزیزو! اس مبارک زمانے میں جس طرح دن میں روزہ انتہائی خیر و برکت کا سبب ہے۔ اسی طرح رات میں نماز کا اہتمام انتہائی اجر اور ثواب کا باعث ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ جس شخص نے رمضان کی راتوں میں خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اجر حاصل کرنے کے لیے نماز پڑھی اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ فرض نمازوں کے علاوہ تراویح کی نماز جو

رمضان کے مہینے میں پڑھی جاتی ہے۔ انتہائی اجر اور ثواب کا موجب ہے۔ تراویح کا پورا اہتمام کرنا چاہیے جو لوگ سستی یا کسی دوسری مصروفیت کی وجہ سے اس نعمت سے محروم رہتے ہیں وہ یقیناً ایک بڑی نعمت سے اپنے کو محروم کر لیتے ہیں۔

فَاتَّقُوا اللهَ عِبَادَ اللهِ ۔ وَاسْتَجِيبُوا لَهُ وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِهِ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۔ بَارَكَ اللهُ لِي وَلَكُمْ فِي الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ۔

مؤثر انقلاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ ۔ الْاَحَدِ الصَّمَدِ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۔ اَحْمَدُہٗ سُبْحٰنَہٗ وَ اَشْکُرُہٗ ۔ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ ۔ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۔ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ۔

بھائیو اور عزیزو! اگر کوئی شخص یہ مانے کہ جس ذات نے زمین اور آسمان پیدا کیے، انسان کو زندگی بخشی، اور وہ تمام مخلوق پیدا کی جو ہمارے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، وہی ان سب کا مالک بھی ہے تو کیا یہ کوئی نرالی اور اچنبھے کی بات ہوئی؟ اچنبھے کی بات تو یہ ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہی کوئی نہیں ہے، یا وہ یہ کہنے لگے کہ بے شک پیدا تو اُس نے کیا ہے لیکن یہاں حکم اس کے سوا کسی اور کا چلنا چاہیے۔ حالانکہ صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ جس نے پیدا کیا ہے وہی مالک ہے، اور جو مالک ہے حکم اُس کا ہی چلنا چاہیے۔ یہ تو بڑی دھاندلی ہے کہ مالک کوئی ہو اور حکم کسی اور کا چلے۔ یہی وہ سچی اور سیدھی بات ہے جو اسلام کی بنیاد ہے۔ قرآن انسانوں کے سامنے بار بار اسی حقیقت کو پیش کرتا ہے، اور مطالبہ کرتا ہے کہ اللہ کے بندو! اللہ کی زمین پر اس کے بندے اور غلام بن کر رہو، نہ خود خدا بننے کی کوشش کرو، اور نہ دوسروں کو اُس کی خدائی میں شریک کرو۔

بھائیو! قرآن کی دعوت بڑی حقیقی اور بُنیادی دعوت ہے یہی وہ دعوت ہے جو ابتدا سے اللہ کے ہر پیغمبر نے دی۔ اور یہی وہ دعوت ہے جس کو قبول کرنے کے بعد انسان نے حقیقی کامیابی اور سرفرازی پائی اور اسی دعوت کے قبول کرنے اور اس کے تقاضے پُورے کرنے پر انسان کی ہمیشہ رہنے والی زندگی کی کامیابی کا مدار ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اب سے تقریباً چودہ سو سال پہلے عرب میں اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہی دعوت دی، اور جب اُنھوں نے اُسے قبول کرلیا تو اُن کے ہاتھوں دنیا میں ایک ایسا انقلاب آیا جس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔

انقلابات تو انسانی تاریخ میں بہت سے آئے ہیں۔ مختلف تحریکیں اور قوتیں اُبھری ہیں اور اُنھوں نے دُنیا کے بڑے بڑے حصوں پر قبضہ کرلیا ہے لیکن اسلامی دعوت کی شکل میں جو انقلاب آیا وہ مختلف حیثیتوں سے انتہائی حیرت انگیز ہے، کوئی ذرا غور سے دیکھے تو وہ یہ ماننے پر مجبور ہوگا کہ جس طرح یہ دعوت پھیلی وہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ دعوت حق ہے۔

بھائیو! یہ دعوت کچھ اس طرح پھیلی کہ یہ اپنے ساتھ ایک بڑا اخلاقی، ذہنی اور فکری، تہذیبی، سیاسی، تمدنی اور معاشی انقلاب لے کر آئی۔ اس کے اثرات جہاں جہاں پہنچے وہاں انسان کے بہترین جوہر کھُلتے چلے گئے، اور اس کی بری صفات دبتی چلی گئیں۔ آپ جانتے ہیں کہ جب کسی تحریک کو غلبہ حاصل ہوتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھوں ظلم پھیلتا ہے اور زمین فساد سے بھر جاتی ہے، لیکن خُدا کی حاکمیت اور اس کے اقتدار اعلیٰ کی بنیاد پر جو انقلاب آیا اس نے انسانوں کے جوہر کچھ اس طرح نکھارے کہ آج تک ہمیں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ دنیا نے یہ دیکھ لیا کہ وہ خوبیاں جن کو صرف دُنیا چھوڑ دینے والے درویشوں اور گوشہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے والوں کے اندر ہی دیکھنے کی اُمید کی جاسکتی تھی، وہ دُنیا کا کاروبار چلانے والوں

میں بڑھ چڑھ کر پائی جانے لگیں، بڑے بڑے حکمرانوں کی سیاست اور حکمرانی میں فضائل اخلاق کے ایسے ایسے نمونے دیکھے گئے، جن کا اس سے پہلے کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ لوگ جب انصاف کی کرسی پر بیٹھے تو عدالتوں میں حق و انصاف کے ایسے جوہر دکھائے جس کی اُمید بڑے بڑے اخلاقی معلموں سے ہی کی جا سکتی تھی، اُنھوں نے جب فوجوں کی کمانڈ سنبھالی یا سپہ سالار اور سپاہی بن کر بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں تو اخلاق اور کردار کے ایسے نمونے دنیا کے سامنے آئے جنھیں دیکھ کر دُنیا دنگ رہ گئی۔ غرض یہ کہ اونچی سے اونچی ذمہ داری سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے کاموں تک اُنھوں نے کچھ ایسے نمونے پیش کیے کہ انھیں دیکھ کر دنیا بے حد متاثر ہوئی اور ان کے بارے میں کچھ سوچنے اور فیصلہ کرنے پر مجبور ہوئی۔ حکومت کے معمولی کارندے، بازاروں میں بیٹھ کر کاروبار کرنے والے دُکاندار، کھیتوں میں کام کرنے والے کسان اور مزدور، عام روزانہ زندگی میں شامل ہونے والے معمولی افراد۔ غرض یہ کہ زندگی کے ہر میدان میں جو جہاں بھی تھا وہ آپ اپنا نمونہ تھا، دُنیا انھیں دیکھتی اور متاثر ہوتی تھی۔ ان کے اخلاق اور معاملات ایسے تھے کہ انھیں دیکھ کر لوگ اس دعوت کو بے دلیل ماننے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ یہ اس دعوت ہی کا تو اثر ہے کہ اُسے قبول کرتے ہی انسان کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے، وہ اخلاق اور کردار کے اعتبار سے اتنا اونچا ہو جاتا ہے کہ سوسائٹی کے اونچے اونچے لوگ بھی اس کے مقابلہ میں چھوٹے نظر آنے لگتے ہیں وہ اوہام اور خُرافات کے چکّر سے نکل جاتا ہے۔ رنگ، نسل، وطن اور زبان کی بنیادوں پر انسانی تفریق اور تعصب سے اس کا ذہن خالی ہو جاتا ہے! انسانوں کے درمیان اونچ نیچ اور چھوت چھات کا کوئی تصور اس کے ذہن میں نہیں رہتا، مساوات اور بھائی چارہ کی ایک نہایت خوشگوار فضا قائم ہو جاتی ہے۔ معاشرہ جرائم اور اخلاقی خرابیوں سے پاک ہو جاتا ہے، شراب اور دوسری نشہ لانے والی چیزیں ایک دم ختم ہو جاتی ہیں۔ معاہدہ کا پاس، بات کی سچائی، دشمنوں کے ساتھ انصاف، جنگ

میں وحشیانہ حرکات سے پرہیز، صلح میں معاہدوں کی پابندی، کاروبار میں دیانت اور ایمان داری، غرض یہ کہ ان کی زندگی کا ایک ایک گوشہ دوسروں کو متاثر کرتا تھا، اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دُنیا اُن کے اس اخلاقی انقلاب کی بڑھتی ہوئی رَو کا مقابلہ کسی طرح نہیں کر سکتی یہی وجہ تھی کہ دیکھتے دیکھتے ایک منظم حکومت قائم ہوئی خونریزی اور بدامنی کا خاتمہ ہوا۔ فسق و فجور، بدکاری اور ظلم مٹنے لگے اور علم، شائستگی، نیکی، اَمن، محبت، ہمدردی اور ایسی ہی دوسری انسانی صفات تیزی سے پھیلنے لگیں۔

بھائیو! یہ جو کچھ ہوا اور جس کی مستند تفصیلات ہماری تاریخ میں موجود ہیں وہ سب اسی دین کا طفیل تھا، جس کے آج ہم نام لیوا ہیں۔ اس دین کے یہ اثرات جن کا ہلکا سا ایک نقشہ ابھی میں نے آپ کے سامنے پیش کیا، یہ خود اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ یہ دین حق ہے۔ کسی ناحق بات میں یہ قوت نہیں ہو سکتی، کہ وہ کوئی ایسا انقلاب برپا کر سکے۔ یہ اسی دین کا طفیل ہے کہ مسلمانوں نے اپنے زوال کے دَور میں بھی اخلاق کی جس بلندی کا مظاہرہ کیا ہے اُس کی گرد کو بھی وہ لوگ نہیں پہنچ سکتے جو تہذیب اور شائستگی کے علمبردار بنے پھرتے ہیں۔ یورپ کی قوموں نے افریقہ، امریکہ، ایشیا اور خود یورپ میں مغلوب قوموں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا ہے مسلمانوں کی تاریخ کے کسی دَور میں بھی اس کی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی یہ قرآن ہی کی برکت ہے جس نے مسلمانوں میں اتنی انسانیت پیدا کر دی ہے کہ وہ کبھی غلبہ پا کر اُتنے ظالم نہ بن سکے جتنے ظالم غیر مسلم تاریخ کے ہر دور میں پائے گئے ہیں اور آج تک پائے جا رہے ہیں۔ کوئی آنکھیں رکھتا ہو تو خود دیکھ لے کہ اسپین میں جہاں مسلمان صدیوں تک حکمران رہے انھوں نے عیسائیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اور جب عیسائیوں کو اسپین میں غلبہ نصیب ہوا تو اُنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یہی حال ہندوستان کا ہے آٹھ سو سال تک مُسلمان یہاں غالب اور حکمران کی حیثیت سے رہے۔ اُس وقت اُن کے حکمرانوں نے جو

رویہ اختیار کیا، کیا آج کے حکمرانوں سے آپ مسلمانوں کے حق میں اُس کی کوئی اُمید کر سکتے ہیں؟ یہی حال یہود کا بھی ہے ____ پچھلے تیرہ سو برسوں میں مسلمانوں کا رویہ ان کے ساتھ کیا رہا؟ اور آج فلسطین میں وہ خود کیا کر رہے ہیں؟

بھائیو اور عزیزو! دراصل خدا کو اپنا مالک اور حاکم تسلیم کر لینے اور اس کی ہدایت کو اپنی زندگی کا قانون بنا لینے کے بعد انسان کے اندر لازماً وہ ساری تبدیلیاں پیدا ہونا چاہئیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ خُدا پر ایمان جس درجہ مضبوط ہوگا اتنا ہی انسانی زندگی پر اس کا اثر پڑے گا۔ خُدا کے حضور جواب دہی کا یقین انسان کے اندرون میں وہ تبدیلیاں پیدا کرتا ہے جو تبدیلیاں اس کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ سے ممکن نہیں۔ پھر انسان کے اندر جو انقلاب اِس راہ سے آتا ہے وہ انتہائی مضبوط اور قائم رہنے والا ہوتا ہے، اور اُس کے اثرات واضح طور پر محسوس ہوتے ہیں۔

بھائیو! بات تو چھوٹی سی ہے لیکن اِنسان کی تمام پریشانیوں کا تنہا حل یہی ہے کہ وہ اپنے خالق کو اپنا مالک تصور کرے اور اسی کے حکموں کو اپنی زندگی کا قانون بنالے۔ یہی نجات کا ایک راستہ ہے، اس زندگی میں بھی اور اس کے بعد آنے والی اور ہمیشہ رہنے والی زندگی میں بھی۔ ہم مُسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ سب سے پہلے ہم اس حقیقت کو تسلیم کریں اور اپنی زندگی کو اُس کے تقاضوں کے ماتحت ڈھالیں اور اسی حقیقت کو اللہ کے تمام بندوں کے سامنے پیش کریں۔ ہماری اپنی نجات اور فلاح کا راستہ اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اس حقیقت کو جتنی جلدی تسلیم کر لیا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی زندگیوں کو اُس کی مرضی کے مطابق گزار سکیں، اپنے قول و عمل سے اُس کے دین کی گواہی دیں اور کل قیامت کے دن اس کے حضور سرخرو ہوں۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّؤُفُ الرَّحِیْمُ

اسلامی اخلاق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاهُ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی۔ وَاِنَّ لَهٗ لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی۔ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی۔ وَاِنَّهٗ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی۔ فَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَةِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِهِ الَّذِیْ اَنْشَاَهٗ عَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰی۔ بَعَثَهٗ لِیُتَمِّمَ بِهٖ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَاجْتَبٰی وَاَنْزَلَ عَلَیْهِ الْكِتٰبَ الْمُبِیْنَ تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی۔ فَمَا ضَلَّ وَمَا غَوٰی وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ بَیَّنَ اللّٰهُ عَلٰی لِسَانِهٖ مَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی۔ وَاَكْمَلَ عَلَیْهِ النَّاسَ وَبَیَّنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی۔ وَاَتَمَّ عَلَیْهِمْ نِعْمَتَهٗ وَاَرْشَدَ اِلَی الطَّرِیْقَةِ الْمُثْلٰی۔ فَمَنْ اَخَذَ بِسُنَّتِهٖ وَاقْتَدٰی۔ فَقَدْ رَشَدَ وَاهْتَدٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَاَرْضٰی۔ وَجَعَلَ الْاٰخِرَةَ لَهُمْ خَیْرًا مِّنَ الْاُوْلٰی۔

اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ سَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔

سب تعریف اُس خدا کے لیے ہے جس نے اِنسان کی زندگی برقرار رکھنے کے لیے

بے شمار انتظامات فرمائے اور زندگی کو انسانیت کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے اپنی ہدایات کی نعمت سے سرفراز کیا۔

بھائیو اور عزیزو! دُنیا میں پیدا ہونے والے ہر انسان کے کچھ حقوق ہیں اور کچھ فرائض اور ذمہ داریاں ہیں جب انسان آپس میں مِل جُل کر رہتے ہیں تو اُن کی زندگی کو خوشگوار بنانے، بلکہ برقرار رکھنے کے لیے اِس بات کی ضرورت ہے کہ ہر انسان دوسروں کے حقوق پہچانے اور اس سِلسلے میں ان فرائض اور ذمہ داریوں کو ادا کرے جو اُس پر عائد ہوتی ہیں ان فرائض و ذمہ داریوں کو اَدا کرنے کا نام اخلاق ہے، اور اُس کی بیشمار صُورتیں ہیں، دُنیا کی خوشی، خوش حالی، اَمن وامان اور اطمینان کا مدار اسی اخلاق پر ہے اگر ہر شخص دوسروں کے حقوق پہچان کر اپنی ذمہ داریوں کو اَدا کرتا رہے، اور اپنے فرائض کی اَدائیگی میں کوتاہی نہ کرے تو سوچیے تو سہی یہ دُنیا کیسی جنت بن جائے آج ہم دیکھتے ہیں کہ زندگی بے چینی اور فساد سے بھری ہوئی ہے، اس کی خاص وجہ یہی ہے کہ لوگ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے تو سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں لیکن وہ اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کی طرف مشکل ہی سے دھیان دیتے ہیں۔ آج مزدور اور سرمایہ دار کی کشمکش ہو یا حکومت اور رعایا کے درمیان جھگڑے سب کی اصل وجہ یہی ہے کہ حقوق کا مطالبہ ہر طرف ہے لیکن فرائض اور ذمہ داریوں سے سب جان چُراتے ہیں۔ یہی حال افراد کے درمیان جھگڑوں کا ہے اور اسی خرابی کی وجہ سے قومیں اور خاندان ایک دوسرے کے دُشمن بنے ہوئے ہیں۔

دوستو اور بزرگو! اِسلام اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسانی زندگی سکون اور اطمینان سے بسر ہو۔ انسان کو زیادہ سے زیادہ نیکی کرنے کے مواقع میسر ہوں اور فساد اور فتنہ دُنیا سے مٹ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اخلاق پر بہت زور دیا ہے۔ وہ انسان کو انسان بنانے کے لیے ایک مکمل اخلاقی تعلیم اور اخلاقی ضابطے پیش کرتا ہے اور انھیں اختیار کرنے پر بے حد زور دیتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمیں اسلام جیسی اللہ کی نعمت، اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے ذریعہ ملی ہے۔ آپؐ کا حال یہ تھا کہ آپؐ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اخلاق کا نمونہ تھا۔ ایک ایک بات اخلاق کا سبق تھی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے بارے فرمایا ہے کہ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ "بلاشبہ آپ اخلاق کے بڑے درجے پر ہیں"۔ خود حضورؐ نے ایک بار فرمایا کہ "میں تو اسی لیے بھیجا گیا ہوں کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کردوں"۔

حضرت ابوذرؓ کے بھائی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لیے مکے آئے تو انھوں نے اپنی قوم سے جاکر یہی کہا کہ "وہ تو اپنی قوم کو اچھے اخلاق کی تعلیم دیتا ہے"۔

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہٗ نے جب حضورؐ کا غائبانہ تعارف کرایا تو اُن کی زبان سے بھی یہی نکلا کہ "اسی نے ہم کو سکھایا کہ ہم پتھروں کو پُوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، ایک دوسرے کا خُون بہانے سے ہاتھ روکیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، پڑوسیوں کے کام آئیں، اور پاک دامن عورتوں کو بدنام نہ کریں"۔

یہی حال ابوسفیان کا ہے وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اُنھوں نے قیصر روم کے دربار میں حضورؐ کے بارے میں یہی بتایا کہ وہ ہمیں ایک خُدا کی عبادت اختیار کرنے کو کہتے ہیں، پاک دامنی کی تعلیم دیتے ہیں، ہمیشہ سچ بولنے کی تاکید کرتے ہیں، اور قرابت داروں کے حقوق ادا کرنے کا حُکم دیتے ہیں۔

غرض یہ کہ حضورؐ کی پوری زندگی بہترین اخلاق کا نمونہ اور آپ کی تعلیمات مکمل اخلاق کا سبق ہیں، ایسا اخلاق جو زندگی کے ہر پہلو پر چھایا ہوا ہے۔ گھر میں، بازار میں، عدالت کی کُرسی پر، حُکومت کے تخت پر ہر جگہ اسی کا غلبہ ہے۔ زندگی کا کوئی معاملہ اخلاق کی گرفت سے آزاد نہیں۔ پھر اسلام نے اخلاق کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اور اس کے دائرے کو اُس نے جتنی وسعت دی ہے وہ محض الفاظ کی حد تک بات نہیں ہے، بلکہ اسلام نے جو کچھ اخلاقی تعلیمات دی ہیں انھیں زندگی میں پوری طرح اختیار کرنے کے لیے بھی انتظامات کیے ہیں۔ سب سے اہم بات تو یہ ہے کہ اسلام نے اخلاق کے معاملے میں کوتاہی کو ایک ناقابل

معافی جرم قرار دیا ہے۔ اگر آپ اخلاق کے تقاضے پورا نہ کریں اور اس طرح آپ کسی انسان کی حق تلفی کریں، چاہے وہ مسلمان ہو یا نہ ہو، تو آپ کا یہ قصور اس وقت تک معاف ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہی شخص آپ کو معاف نہ کر دے جس کا حق آپ نے مارا ہو۔ پھر اس محاسبہ کا تعلق دنیاوی حکومتوں اور عدالتوں سے تو ہے ہی بشرطیکہ اسلامی نظام موجود ہو۔ لیکن اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ان حقوق کی اُدائیگی کی ذمہ داری سے آپ آخرت میں بھی نہیں بچ سکتے۔ آپ کو ایک ایک شخص کا حق وہاں ادا کرنا ہوگا۔ جس کا حق آپ کے ذمہ نکلے، اور وہاں آپ جانتے ہی ہیں کہ حقوق اُدا کرنے کے لیے نیکیوں سے کام لیا جائے گا۔ اگر آپ نے کسی کا حق مارا ہوگا یا کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی ہوگی تو اس کے کفارے کے طور پر آپ کی نیکیاں اس کے پلّے میں ڈال دی جائیں گی۔ اور اگر یہ کافی نہ ہوں گی تو اُس کی بُرائیوں کا بوجھ آپ پر ڈالا جائے گا۔

بھائیو! کیسا بھیانک ہے یہ منظر کہ آخرت جہاں انسان کے پاس کوئی پونجی نہ ہوگی اور اس کی نجات کا مدار اس کے اچھے اعمال پر ہی ہوگا، وہاں وہ ان اچھے اعمال سے محروم کر دیا جائے صرف اس لیے کہ اس نے دُنیا میں ان لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی بَرتی جن کے حقوق اس کے ذمہ تھے اور کچھ لوگوں کو ناحق ستایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس بھائی نے دوسرے بھائی پر ظلم کیا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ مظلوم بھائی سے اسی دُنیا میں معاف کرالے نہیں تو آخرت میں اُسے اس کا تاوان ادا کرنا پڑے گا اور وہاں تاوان ادا کرنے کے لیے درہم اور دینار نہ ہوں گے، بلکہ اعمال ہوں گے۔ ظالم کی نیکیاں مظلوم کو مل جائیں گی اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی بدیاں ظالم کے سر ڈال دی جائیں گی۔"

عزیزو اور دوستو! اخلاق کی یہ اہمیت بار بار ہمارے سامنے آتی رہتی ہے۔ ابھی جو باتیں آپ نے مجھ سے سُنیں، ہم میں سے تقریباً ہر شخص ان سے کہیں زیادہ باتیں جانتا ہے،

لیکن اس جاننے سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا اثر ہماری زندگی پر نہ پڑے۔ ہمارا عجیب حال ہے۔ ہم سب کچھ جانتے ہیں لیکن گھروں میں ہمارا معاملہ نہ چھوٹوں سے دُرست ہے اور نہ بڑوں سے لین دین اور معاملات میں ہمیں خوب معلوم ہے کہ کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے۔ لیکن سامنے نظر آنے والے معمولی فائدوں کے لیے ہم پھسل جاتے ہیں اور بلا تکلف دوسروں کے حقوق پر ہاتھ صاف کر دیتے ہیں۔ ہمیشہ سچ بولنا جو اچھے اخلاق کی بُنیاد ہے، ہماری زندگیوں سے بہت دُور ہو چکا ہے۔ معمولی سے نفع نقصان کی خاطر ہم بڑی آسانی سے جھوٹ بول لیتے ہیں۔ پڑوسیوں سے محبت اور میل جول، ضرورت مندوں کی خدمت، باہم بات چیت میں نرمی اور خوش اخلاقی، ایک دوسرے کی عزت کا پاس، دوسروں کے نفع اور نقصان کی ایسی ہی فکر جیسی اپنے نفع نقصان کی ہوتی ہے۔ عفت و پاک دامنی کا لحاظ، یتیموں اور بے کسوں کے مفادات کی حفاظت، یہ سب چیزیں ہماری زندگی سے غائب ہوتی جا رہی ہیں۔ کیا یہ صورت توجہ کی مستحق نہیں؟ کیا اِن باتوں کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے سے کوئی روک رہا ہے؟ کیا یہ بھی کوئی اختلافی مسئلہ ہے؟ یہاں تو معاملہ صرف ہمارا ہے اور ہمیں اپنے نفس سے ہی نمٹنا ہے۔ تبدیلی کسی دوسرے میں لانا ہو تو آدمی مجبور ہو سکتا ہے، لیکن جب معاملہ ہماری اپنی ذات کا ہے تو پھر آپ ہی بتائیے کہ ہمارا مرض کون دور کر سکتا ہے۔

بھائیو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد سُن لیجیے۔ فرماتا ہے۔ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ۔ "لوگوں کے لیے حساب کی گھڑی قریب آ لگی اور وہ غفلت کی وجہ سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔" کوئی نہیں جانتا کہ اس کے توبہ کرنے اور عمل کرنے کی مہلت کب ختم ہو جائے۔ ہر شخص کی موت اس کے سر پر موجود ہے عقل مند وہی ہے جو خطرے کو محسوس کرے اور فوراً ہوشیار ہو جائے۔ پھر ذرا دیر کے لیے یہ بھی تو سوچیے کہ اخلاق کی پاکیزگی ہی تو وہ صفت ہے کہ جس کا فائدہ فوراً ہی ملتا ہے۔ اس دنیا کی زندگی کے چین اور اَمن کے لیے بھی تو اچھے اخلاق ہی

کی ضرورت ہے۔ اچھے اخلاق تو مومنانہ زندگی کی جان ہیں۔ انسانیت کا حسن ہیں اور ہر طرح کی کامیابی کے ضامن۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے"۔ آپؐ نے فرمایا "تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں"۔

مزید ارشاد ہوا "قیامت کی ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہ ہوگی"۔ "لوگوں کو اللہ کی طرف سے جو چیزیں عطا ہوئی ہیں ان میں سب سے بہتر اچھے اخلاق ہیں"۔ "اللہ کے بندوں میں وہ اللہ کو سب سے زیادہ پیارا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں"۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو مسلمان عورتوں کا ذکر ہوا۔ ایک رات بھر نفل پڑھتی تھیں اور دن کو روزہ رکھتی تھیں اور اللہ کی راہ میں مال بھی خرچ کرتی تھیں لیکن اُن کی زبان درازی کی وجہ سے اُن کے پڑوسی ان سے پریشان تھے۔ دوسری بی بی صرف فرض نماز ہی پڑھتی تھیں اور فرض روزے رکھتی تھیں، اور غریبوں کی کچھ مدد بھی کر دیتی تھیں، لیکن وہ کسی کو تکلیف نہ دیتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی خاتون کے بارے میں فرمایا "اس میں کوئی نیکی نہیں، وہ اپنی بدخلقی کی سزا بھگتے گی"۔ اور دوسری کے متعلق فرمایا "وہ جنتی ہوگی"۔

بھائیو! کیا یہ بہت بڑی بات ہے کہ ہم اپنے اخلاق اور معاملات کی درستی کا ارادہ کرلیں۔ پچھلی باتوں کے سلسلے میں اللہ سے توبہ کریں جس جس کی حق تلفی کی ہو، اس سے معافی کی صورتیں پیدا کریں، اور آئندہ کے لیے زندگی کا ایک نیا ڈھانچہ تیار کریں جس میں حسن اخلاق ہو اور معاملات حق اور انصاف کے ساتھ کیے جائیں۔ اللہ ہم سب کو ہمت اور جرأت عطا فرمائے کہ ہم اپنے نفس کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں۔ اور ہمارا قدم حق اور انصاف سے ذرا بھی نہ ہٹنے پائے۔

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ مِّنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

پڑوسی کے حقوق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ۔ وَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الْجَهْلِ وَالضَّلَالِ اِلٰی نُوْرِ الْعِلْمِ وَالْهُدٰی۔ اَحْمَدُهٗ سُبْحٰنَهٗ وَاَشْکُرُهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ دَاعِیًا اِلَی الْهُدٰی وَالْاِصْلَاحِ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِهٖ وَ اَصْحٰبِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِهٖ شَیْئًا۔ وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔

بھائیو! اور عزیزو! ــــــ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔ قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی، اور مسافر سے، اور اُن لونڈی غلاموں سے جو تمھارے قبضہ میں ہوں، احسان کا معاملہ رکھو۔ قرآن کے اس حکم کی روشنی میں پڑوسیوں کے سلسلے میں ہم پر جو ذمہ داریاں آتی ہیں وہ بڑی قابل لحاظ ہیں۔ خصوصاً ہمارے معاشرے میں اُن پر توجہ دینا بہت ہی ضروری ہوگیا ہے۔ آج حال یہ ہے کہ پڑوسیوں کے معاملے میں تقریباً ہر جگہ کوتاہی برتی جاتی ہے۔ یا تو اُن سے ایک گونہ بے تعلقی سی رہتی ہے یا پھر لڑائی جھگڑا اور فساد ہوتا ہے۔ حالانکہ اسلام جو معاشرہ وجود میں لانا چاہتا ہے اس

کی خصوصیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ پڑوسیوں میں تعلقات انتہائی خلوص کے ہوں۔ حد یہ ہے کہ اگر کسی سے ذرا دیر کے لیے بھی سنگت ہوجائے تو اُس کے ساتھ بھی حُسن سلوک سے پیش آنے کا حکم ہے۔ مثلاً بازار میں کسی دوکان پر آپ بھی سودا خریدتے ہوں اور دوسرے بھی۔ ٹکٹ کی کھڑکی پر۔ سواری میں اُترتے اور چڑھتے وقت، باہم سفر کرتے ہوئے جہاں کہیں بھی آپ کا ساتھ دوسرے انسانوں سے ہو، وہاں آپ پر اُن کے کچھ حقوق عائد ہوجاتے ہیں۔ ان حقوق کا تقاضا ہے کہ حتی الامکان آپ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کریں۔ اور انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔

پڑوسیوں کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے، اور بہت واضح الفاظ میں ہدایات دی ہیں کہ ہم پر ہمارے پڑوسیوں کے کیا حقوق ہیں اور ہمیں یہ ذمہ داری کہاں تک ادا کرنا چاہیے۔ چند ارشادات گرامی ذرا غور سے سُنیے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ، وَاللّٰہِ لَا یُؤْمِنُ قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ الَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بِوَائِقَہٗ (بخاری، مسلم۔ ابوہریرہؓ)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (تین بار) فرمایا، خُدا کی قسم وہ ایمان نہیں رکھتا۔ پوچھا گیا، اے اللہ کے رسول! کون ایمان نہیں رکھتا؟ فرمایا کہ وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی تکلیفوں سے محفوظ نہ رہے۔"

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَازَالَ جِبْرِیْلُ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ سَیُوَرِّثُہٗ (متفق علیہ۔ عائشہ)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریلؑ مجھ کو پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی برابر تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ پڑوسی کو پڑوسی کا وارث بنا دیں گے۔"

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ۔ (مشکوٰۃ)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سُنا کہ مومن ایسا نہیں ہوتا ہے کہ خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اُس کا پڑوسی جو اُس کے پہلو میں رہتا ہو بھوکا رہے۔"

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَاَكْثِرْ مَاءَهَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ سے فرمایا، اے ابوذر! جب تو شوربا پکائے تو کچھ پانی زیادہ کر دے، اور اپنے پڑوسیوں کی خبرگیری کر۔"

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ (بخاری، مسلم۔ ابوہریرہؓ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو ہدیہ دینے کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ وہ ایک بکری کی کُھر ہی کیوں نہ ہو۔"

عورتوں کی ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ کوئی معمولی چیز اپنی پڑوسن کے گھر بھیجنا پسند نہیں کرتیں، ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اُن کے یہاں کوئی اچھی چیز بھیجیں۔ اسی لیے آپؐ نے عورتوں کو ہدایت فرمائی کہ معمولی سے معمولی ہدیہ بھی اپنے پڑوسیوں کے یہاں بھیجو۔ اور جن عورتوں کے پاس پڑوس سے ہدیہ آئے اور وہ معمولی ہو تو بھی اُنھیں محبت سے لے لینا چاہیے۔ اس کو نہ تو حقیر سمجھیں اور نہ تنقید کریں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ جَارَيْنِ فَاِلٰى اَيِّهِمَا اُهْدِيْ؟ قَالَ اِلٰى اَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا۔ (بخاری)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرے دو پڑوسی ہیں تو ان میں سے کس کے یہاں ہدیہ بھیجوں؟ آپؐ نے فرمایا اس پڑوسی کے یہاں جس

کا دروازہ تیرے دروازے سے زیادہ قریب ہو“۔

پڑوس کا دائرہ آس پاس کے چالیس گھروں تک ہے۔ اور ان میں سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جس کا گھر قریب تر ہو۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّحِبَّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَہٗ اِذَا حَدَّثَ، وَلْیُؤَدِّ اَمَانَتَہٗ اِذَا ائْتُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَہٗ۔ (مشکوٰۃ۔ عبدالرحمٰن بن ابی قرادؓ)

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ اور رسول اس سے محبت کریں تو اُس کو چاہیے کہ جب وہ گفتگو کرے تو سچ بولے، اور اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اپنے پاس رکھی گئی امانت کو مالک کے پاس بحفاظت لوٹائے اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے“۔

قَالَ رَجُلٌ یَّا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ فُلَانَۃَ تُذْکَرُ مِنْ کَثْرَۃِ صَلَاتِھَا وَصِیَامِھَا وَصَدَقَتِھَا غَیْرَ اَنَّھَا تُؤْذِیْ جِیْرَانَھَا بِلِسَانِھَا۔ قَالَ ھِیَ فِی النَّارِ، قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاِنَّ فُلَانَۃَ تُذْکَرُ قِلَّۃُ صِیَامِھَا وَصَدَقَتِھَا وَصَلَاتِھَا وَاَنَّھَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاَقِطِ وَلَا تُؤْذِیْ بِلِسَانِھَا جِیْرَانَھَا، قَالَ ھِیَ فِی الْجَنَّۃِ۔ (مشکوٰۃ۔ ابوہریرہؓ)

”ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ فلاں عورت بہت زیادہ نفل نمازیں پڑھتی نفل روزے رکھتی، اور صدقہ کرتی ہے، اور اس لحاظ سے وہ مشہور ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ جہنم میں جائے گی۔ اس آدمی نے پھر کہا کہ اے اللہ کے رسول! فلاں عورت کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کم نفل روزے رکھتی ہے اور بہت کم نفل نماز پڑھتی ہے اور پنیر کے کچھ ٹکڑے صدقہ کرتی ہے۔ لیکن اپنی زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ جنت میں جائے گی“۔

پہلی عورت جہنم میں اِس لیے جائے گی کہ اس نے بندوں کے حق مارے ہیں۔ پڑوسی کا حق یہ ہے کہ اسے ایذا نہ دی جائے اور اُس نے یہ حق ادا نہ کیا، اور دنیا میں اس نے اپنے پڑوسی سے معافی بھی نہیں مانگی۔ اس لیے اُسے جہنم ہی میں جانا چاہیے"

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ خَصْمَیْنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ جَارَانِ۔ (مشکوٰۃ عقبہ بن عامرؓ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جن دو آدمیوں کا مقدمہ سب سے پہلے قیامت کے دِن پیش ہوگا وہ دو پڑوسی ہوں گے"۔

یعنی قیامت میں حقوق العباد کے سلسلہ میں سب سے پہلے خدا کے سامنے وہ دو شخص پیش ہونگے جو دنیا میں ایک دوسرے کے پڑوسی رہے اور ایک نے دوسرے کو ستایا اور ظلم کیا۔ ان دونوں کا مقدمہ سب سے پہلے پیش ہوگا۔

بھائیو اور دوستو! آپ نے دیکھا، پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں ہمارے پڑوسیوں کا مسئلہ کس درجہ اہم ہے۔ بہت سے لوگ جب اس مسئلے پر غور کرتے ہیں تو وہ ایک اُلجھن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے پڑوسی سے بہتر سلوک کرنے کے لیے بہر حال تیار ہو سکتے ہیں لیکن وہ تو ایسا اور ایسا ہے۔ بھلا ایسے آدمی سے کیا توقع کی جا سکتی ہے؟ یقیناً یہ اِس مسئلے کا ایک مشکل پہلو ہے۔ بلاشُبہ اگر وہ آدمی نہایت نیک بھلا مانس اور شریف ہوتا تو آپ بلا تکلف اس سے معاملات دُرست کر لیتے۔ لیکن بھائیو! سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ اگر وہ ایسا ہی معیاری آدمی ہوتا جیسا آپ اُسے دیکھنا چاہتے ہیں تو شاید ناخوشگواری کی نوبت ہی نہ آتی۔ اور اگر آتی بھی تو وہ آپ سے پہلے آگے بڑھ کر معاملات کبھی کے دُرست کر چکا ہوتا، آپ کے لیے مسئلہ باقی ہی کیوں رہتا۔ آپ کے لیے تو یہ مسئلہ پیدا ہی اِس لیے ہوا کہ وہ اِس معیار کا آدمی نہیں ہے جیسا آپ چاہتے ہیں، آپ کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے آپ کو دین کا شعور عطا فرمایا۔ اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آپ تک

پہنچ گئے۔ آپ نے سُنا، اور اب آپ کے لیے موقع ہے کہ آپ ان کی تعمیل میں قدم آگے بڑھائیں، اِس میں آپ کے لیے اَجر ہے۔ اگر خُدانخواستہ آپ کا واسطہ کسی ایسے شخص سے پڑگیا ہے جس کی اصلاح پر آپ قادر نہیں، تو بھی آپ کا اجر کہیں نہیں گیا۔ آپ کے ارادہ اور آپ کی کوشش کا اجر آپ کو ملے گا، اور آپ اس کے لیے سب کچھ کریں۔

خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ آپکے پڑوسی آپ کا آئینہ ہیں۔ کسی شخص کے اچھا ہونے کا ایک معیار یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اِس کے پڑوسی اُسے اچھا کہیں۔ یہاں تفصیلات سے بحث کرنے کا موقع نہیں۔ البتہ ایک بات ہمیشہ سامنے رکھیے کہ اگر آپ اپنی طبیعت پر جبر کر کے یہ طے کرلیں کہ فلاں شخص کے ساتھ معاملات دُرست ہی رکھنا ہیں تو پھر آپ کو ناکامی بہت ہی کم ہوگی۔ البتہ یہ کام بڑا سخت ہے اور اس کے لیے بڑے دِل گُردے کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر جو لوگ اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی آرزو رکھتے ہوں، اور لوگوں کی اصلاح کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہوں ان کی تربیت کا پہلا دروازہ ان کے پڑوسی ہیں۔ اُنھیں سب سے پہلے اِسی محاذ پر کامیابی حاصل کرنا چاہیے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهِ۔ عِبَادَ اللّٰه۔ وَاقْتَدُوْا بِالرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى اَقْوَالِهٖ وَاَفْعَالِهٖ ــ اَقُوْلُ قَوْلِىْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِىْ وَلَكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

شرک سب سے بڑا ظلم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الاَرضِ۔ وَلَہُ الحَمدُ فِی الاٰخِرَۃِ۔ وَھُوَ الحَکِیمُ الخَبِیرُ۔ اَحمَدُہٗ سُبحٰنَہٗ وَ اَشکُرُہٗ۔ وَقَد وَعَدَ بِالزِّیَادَۃِ لِلشّٰکِرِینَ۔ وَاَشھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ۔ وَاَشھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبدُہٗ وَرَسُولُہٗ۔ اَرسَلَہُ اللّٰہُ رَحمَۃً لِّلعٰلَمِینَ۔ فَبَلَّغَ رِسَالَۃَ رَبِّہٖ۔ وَھَدَی النَّاسَ اِلٰی اَقوَمِ طَرِیقٍ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبدِکَ وَرَسُولِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحٰبِہٖ اِلٰی یَومِ الدِّینِ۔ وَسَلِّم تَسلِیمًا کَثِیرًا۔ فَقَد قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ وَھُوَ اَصدَقُ القَائِلِینَ۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغفِرُ اَن یُّشرَکَ بِہٖ وَیَغفِرُ مَا دُونَ ذٰلِکَ لِمَن یَّشَاءُ۔ اَمَّا بَعدُ۔

بھائیو! اور عزیزو! ــــــ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں انسان ہی وہ مخلوق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سوجھ بوجھ دی ہے اور عقل سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی اس حکمت و دانائی کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے رب کے مقابلے میں شکرگزاری اور احسان مندی کا رویہ اختیار کرے نہ کہ کفرانِ نعمت، نمک حرامی اور بغاوت کا رویہ پھر اتنا ہی نہیں کہ انسان محض زبان سے اللہ کا شکر ادا کرے بلکہ اُسے فکر، قول اور عمل تینوں صورتوں میں اپنے رب کا شکرگزار ہونا چاہیے۔ اُس کے لیے لازم ہے کہ وہ دل سے یہ یقین رکھتا ہو، اور یہی بات اس کے ذہن و دماغ میں اچھی طرح رچی بسی ہوئی ہو کہ مجھے جو کچھ بھی ملا ہے وہ سب خدا کا دیا ہوا ہے۔ میری صلاحیتیں، میرا جسم، میرے اعضا، میرا مال و دولت،

میری اولاد غرض یہ کہ میری ہر چیز اسی کی عطا کی ہوئی ہے۔ دل میں اس یقین اور احساس کے ساتھ ساتھ اس کی زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اعتراف کرتی ہو۔ اُس کی زبان پر کلمات شکر جاری ہوں، اور اگر اسے کوئی تکلیف بھی پہنچے تو زبان پر ناشکری اور شکوہ وشکایت کی بات نہ لائے۔ پھر وہ عملاً بھی خُدا کا فرماں بردار ہو، کوئی بات اُس کی مرضی کے خلاف نہ کرے اور کسی ایسے کام کے قریب نہ جائے جو خُدا کو ناپسند ہو۔ ہمیشہ اس کی رضامندی کے کاموں کی طرف لپکے۔ اس کی خوشنودی کے لیے دَوڑ دھوپ کرے۔ اور اس نے اُسے جو نعمتیں دی ہیں انھیں وہ اس کے ان بندوں تک پہنچائے جو ان سے محروم ہیں۔ پھر عملی شکر کی ایک بڑی اہم صورت یہ بھی ہے کہ اِنسان اللہ کے باغیوں کے مقابلے میں جاں توڑ کوشش کرے۔ اور ایسی صورتِ حال کو قائم کرنے میں اپنی تمام صلاحیتیں لگا دے کہ جس میں اللہ کی مرضی پر چلنا آسان ہو۔ اور اللہ کے باغیوں کا زور ٹوٹے۔ اس کے احکام اور قوانین عملاً نافذ ہوں اور اس کی نافرمانی کھُلم کھُلا نہ ہونے پائے۔

یہی دراصل اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ہے، اور ہر وہ شخص جو خدا کو مانتا ہو اور جس کا ایمان ہو کہ جو کچھ دیا ہے، اُسی نے دیا ہے اُس پر لازم ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر پوری طرح ادا کرے۔ دل سے بھی، زبان سے بھی، اور اپنے عمل سے بھی ——

بھائیو! اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کا یہ مطالبہ کچھ اِس لیے نہیں ہے کہ اس سے اللہ کا کوئی فائدہ ہے۔ دراصل جب اِنسان ناشکری کرتا ہے جس کا دوسرا نام کفر ہے تو وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ وہ بے نیاز ہے۔ وہ کسی کے شکر کا محتاج نہیں۔ ساری خُدائی اگر شکر کرے تو اُس کی خدائی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، اور اگر سب کے سب کفر کرنے لگیں تو اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ وہ تو اپنی ذات میں خود محمود ہے۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کے کمال اور جمال کی گواہی دے رہا ہے۔ ایک ایک چیز اس کی خلّاقی اور رزاقی کی شہادت پیش کر رہی ہے۔ اور ہر مخلوق زبانِ حال سے اس

کی حمد بجا لا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں جب یہ حقیقت کسی انسان کے ذہن میں اُتر جاتی ہے تو پھر وہ دوسروں کو بھی اس سے آشنا کرتا ہے۔ خاص طور پر وہ اس پہلو سے اپنی اولاد پر توجہ دیتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کی اولاد براہِ راست اُس کی ذمہ داری میں ہے۔ اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا ـــــ قرآن پاک میں ایسے ہی ایک مومن لقمان کا تذکرہ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ لقمان نے کس طرح اپنے بیٹے کی طرف توجہ کی اور کس طرح اُنھوں نے سب سے پہلے اپنے بیٹے کو یہی تاکید کی کہ دیکھو کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرانا۔ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ ایسا گناہ جو کبھی معاف نہیں ہوتا۔

ظلم کے اصل معنی ہیں کسی کا حق مارنا، اور انصاف کے خلاف کام کرنا۔ شرک اس وجہ سے ظلم عظیم ہے کہ آدمی ان ہستیوں کو اپنے خالق، رازق اور منعم کے برابر لا کھڑا کرتا ہے، جن کا نہ اس کے پیدا کرنے میں کوئی حصہ ہے، نہ اُس کے رزق پہنچانے میں کوئی دخل اور نہ ان نعمتوں کے عطا کرنے میں کوئی شرکت، جن سے آدمی اس زندگی میں فائدے اُٹھاتا ہے۔ یہ ایسی بے انصافی ہے کہ اس سے بڑی بے انصافی ہو نہیں سکتی۔ آدمی پر اس کے خالق کا یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی بندگی کرے، اور اسی کے سامنے اپنا سر جھکائے۔ مگر وہ دوسروں کی بندگی اور غلامی اختیار کرتا ہے اور دوسروں کے آگے سر جھکاتا ہے۔ اِس طرح وہ اپنے خالق، رازق اور رب کا حق مارتا ہے۔ پھر دوسروں کی بندگی اور اطاعت کے لیے وہ جو کچھ عمل کرتا ہے اس کے لیے وہ اپنے ذہن، دماغ اور جسم سے کام لیتا ہے، اور ان کے علاوہ دُنیا کی بے شمار چیزوں کو کام میں لاتا ہے۔ حالانکہ اس کا ذہن، دماغ اور جسم اور دنیا کی یہ تمام چیزیں اللہ کی پیدا ہوئی ہیں، انھیں اللہ کے سوا کسی دوسرے نے پیدا نہیں کیا ہے۔ اس لیے اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ اِن چیزوں کو اللہ کی بندگی کے علاوہ کسی اور کی بندگی میں استعمال کرے اس طرح وہ ان سب چیزوں پر ظلم کرتا ہے۔ پھر جب وہ یہ حرکت کرتا ہے تو وہ اپنے نفس اور

اپنے جسم کو ذلت اور عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ اس کے نفس اور جسم کا اُس پر یہ حق تھا کہ وہ اُنھیں نہ ذلیل ہونے دیتا اور نہ مبتلائے عذاب کرتا۔ لیکن وہ خالق کو چھوڑ کر جب مخلوق کی بندگی کرتا ہے تو اپنے نفس کو بھی ذلیل کرتا ہے اور عذاب کا مستحق بناتا ہے اور دوسری بہت سی چیزوں سے غلط کام لے کر اُن پر ظلم کرتا ہے۔ اس طرح مشرک کی پوری زندگی سراسر ظلم ہی ظلم ہو جاتی ہے۔ اپنے اوپر ظلم اور دنیا کی بے شمار مخلوق پر ظلم۔

قرآن پاک میں جہاں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس ظلم کے خلاف تنبیہ کی ہے وہاں ساتھ ہی ساتھ والدین کے ساتھ اچھے سلوک کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ ایسا کئی جگہ ہوا ہے۔ اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک والدین کے ساتھ اچھا سلوک ایک بڑی بنیادی صفت ہے جو خدا پرستوں میں ہونا ہی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی تاکید فرمائی ہے کہ والدین کی اطاعت کی جائے اور ان کا شکر اَدا کیا جائے، کیونکہ اُنھوں نے اِنسان کی پرورش ایسے حال میں کی جب وہ خبر گیری اور مدد کا شدید محتاج تھا۔ لیکن اس سب کے باوجود اللہ کا حق وَالدین کے حق سے بڑھ کر ہے۔ اگر کبھی والدین کوئی ایسا حکم دیں جو اللہ کے حکم کے خلاف ہو یا وہ اس راہ سے ہٹانے کی کوشش کریں جو خُدا کی رَاہ ہے تو پھر ان کی اطاعت کا کوئی سوال نہیں۔ اللہ کے احکام کے خلاف والدین کے احکام ماننے کے لائق نہیں رہی یہ بات کہ وہ خود سیدھی راہ پر نہ ہوں تو اس کے باوجود اُن کے ساتھ بھلا سلوک کرنا ہی ہوگا اور معقول طریقہ پر اُن کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اُٹھانا ہی ہوگی چاہے وہ کافر اور مُشرک ہی کیوں نہ ہوں۔

اولاد کو اگر دین کی رَاہ پر چلانا ہو تو اس کے لیے سب سے پہلے ضرورت اسی بات کی ہے کہ ان کے اندر ایمان اور یقین کی کیفیت پیدا کی جائے۔ اُنھیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا علم ہو اور وہ اُن پر ایمان لائیں، وہ اُسے حاضر و ناظر اور اپنے آپ کو اس کے حضور جواب دہ اور ذمہ دار سمجھیں، جب تک یہ بات نہ ہوگی دین کی رَاہ پر اُن کا قائم رہنا

ممکن نہیں۔ اس مرحلے کے بعد اُنھیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت بالخصوص نماز کے اہتمام کی تلقین کی جا سکتی ہے اور اس کے بعد اُن سے یہ اُمید ہو سکتی ہے کہ وہ دوسروں کو بھی نیک راہ کی طرف دعوت دیں گے اور بُری باتوں سے روکیں گے۔ جو لوگ اولاد کی تربیت میں ان باتوں کا لحاظ نہیں رکھتے اُنھیں اولاد کے بڑا ہو جانے پر اکثر مایوسی ہوتی ہے۔ ایمان ہی وہ طاقت ہے جس کے ہوتے انسان اللہ کی راہ میں پہنچنے والی سخت سے سخت مصیبتوں کو جھیل لیتا ہے۔ اس سے انسان میں وہ ہمت اور وہ دل گُردہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ناخوشگوار حالات میں بھی حق پر قائم رہ سکے اور رُکاوٹوں کے باوجود آگے ہی بڑھتا رہے۔

دوسروں کو بھلی باتوں کی دعوت دینا اور بُرائیوں سے روکنا ایک بڑا اہم کام ہے اور اس میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو اچھے اخلاق کے مالک ہوں۔ لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آئیں اور اپنی بات دِل پسند انداز میں دوسروں تک پہنچائیں۔ بدمزاج، چڑچڑے، گھمنڈی، اور دل آزار باتیں کرنے والے لوگ اس مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ مقصد کو بہت زیادہ نقصان پہنچا دیتے ہیں، اُن سے کوئی خیر ظاہر نہیں ہوتی۔ یہ خود بھی جلد مایوس ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی مایوس کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیر پر عمل کرنے، اور خیر کو پھیلانے اور خیر کی طرف دعوت دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

فَاتَّقُوا اللهَ۔ عِبَادَ اللهِ۔ وَاقْتَدُوْا بِالرَّسُوْلِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَقْوَالِهٖ وَاَفْعَالِهٖ۔

آخرت کا یقین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ۔ وَهُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا۔ وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ۔ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَا رَبَّ لَنَا سِوَاهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّآ اِیَّاهُ۔ وَاَشْهَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ فَبَلَّغَ رِسَالَةَ رَبِّهٖ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْهَا، بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ۔ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ۔

بھائیو اور عزیزو! قرآن اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت ہے۔ دُنیا میں بسنے والے ہر انسان کے لیے ہدایت ہے۔ لیکن اس کتاب کی رہنمائی سے فائدہ صرف وہی لوگ اُٹھا سکتے ہیں جو پہلے ان حقیقتوں کو تسلیم کریں جو کائنات کے بارے میں اِس کتاب میں پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کائنات بے خدا نہیں ہے، اس کا ایک پیدا کرنے والا ہے، وہی اس کا مالک ہے۔ اسی نے اِنسان کو بھی پیدا کیا ہے۔ اِنسان اس دُنیا میں بالکل خود مختار اور آزاد نہیں ہے کہ اس سے پوچھ گچھ ہی نہ ہو۔ اِنسان جواب دہ اور ذمّہ دار ہے۔ ایک دِن ایسا آئے گا کہ اِنسان کو اِس جواب دہی کے لیے اپنے آقا کے حضور کھڑا ہونا ہوگا۔ یہ اور

اسی طرح کی بنیادی حقیقتیں جو قرآن میں پیش کی گئی ہیں انھیں جو شخص مان لے، اور پھر ماننے کے بعد اپنی عملی زندگی میں بھی وہ رویہ اختیار کرنے کے لیے تیار ہو جس کا مطالبہ یہ قرآن کرتا ہے تب ہی وہ اس رہنمائی سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو قرآن پیش کرتا ہے۔

بھائیو! یہ ایک مقررہ راہ ہے وہ راہ جس پر چلنے کی تاکید ہر زمانہ میں اللہ کے رسولوں نے کی ہے لیکن اس راہ پر چلنے میں جو چیز سب سے بڑی رکاوٹ بنتی ہے وہ آخرت کا انکار ہے۔ یہی آخرت کا انکار انسان کو غیر ذمہ دار بنا دیتا ہے۔ اسی کی وجہ سے وہ اپنی خواہشات کا بندہ اور دنیوی زندگی کا شیدائی بن جاتا ہے۔ اس کے بعد آدمی کا خدا کے آگے جھکنا اور اپنے نفس کی خواہشات کو اخلاقی پابندیوں میں جکڑنا ممکن نہیں رہتا۔ قرآن پاک میں ایسی بہت سی قوموں کے نمونے پیش کیے گئے ہیں جو محض انکار آخرت کی وجہ سے زندگی کا سیدھا راستہ نہ پا سکیں، اور جنھوں نے دنیا میں ایک بدترین مثال چھوڑی۔ فرعون اور اس کی قوم کو دیکھیے۔ قومِ ثمود کے سرداروں پر نظر ڈالیے اور قومِ لوط کے حالات پر غور کیجیے۔ ان کی سیرتیں فکرِ آخرت سے بے نیازی پر تعمیر ہوئی تھیں اور اس کے نتیجہ میں اپنے نفس کی بندگی ہی اُن کی روش ہو گئی تھی۔ اللہ کے رسولوں نے اُن کے سامنے کیسی کھلی کھلی نشانیاں رکھیں لیکن وہ ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اُلٹے ان لوگوں کے دشمن ہو گئے جنھوں نے ان کو نیکی اور بھلائی کی طرف بُلایا۔ انھوں نے اپنی بدکاریوں پر اصرار کیا اور اپنے حال میں مست رہ کر جس راہ پر چل رہے تھے اسی پر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے عذاب نے اُنھیں آلیا اور وہ دُنیا کے لیے عبرت کا ایک نشان بن کر رہ گئے۔ اُنھیں آخر وقت تک ہوش نہیں آیا۔ اور اپنے بھلے اور بُرے کے سمجھنے کی اُنھیں کوئی مُہلت نہ ملی۔

آخرت کے انکار یا اس سے غافل ہو جانے کے بعد ایسے ہی نمونے سامنے آتے ہیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا۔ لیکن آخرت کا یقین ہو تو پھر زیادہ سے زیادہ دولت اور بڑی سے بڑی حکومت کے باوجود انسان نفس کا بندہ اور خواہشات کا غلام نہیں بن سکتا۔ اِس

قرآنی زندگی کا نمونہ قرآن پاک میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیش کیا گیا ہے۔ آپ کو خدا نے دولت، حکومت اور شان وشوکت بڑے پیمانے پر دی تھی۔ لیکن اس سب کے باوجود چونکہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے حضور جواب دہ سمجھتے تھے، اور آخرت کی زندگی پر انھیں پورا یقین تھا۔ اِس لیے انھیں اس بات کا اچھی طرح احساس تھا کہ اُنھیں جو کچھ حاصل ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی بخشش اور عطا کا نتیجہ ہے۔ اور اِس لیے ان کا سر ہر وقت اللہ کے آگے جُھکا رہتا تھا اور گھمنڈ اور غرور کا شائبہ بھی اُن کے اندر نہ پایا جاتا تھا۔

پھر قرآن ہی میں ایک واقعہ ملکۂ سباء کا بھی آپ نے پڑھا ہوگا۔ یہ نہایت مشہور، دولتمند قوم پر حکمران تھی۔ اس کے پاس تمام وہ اسباب جمع تھے جو کسی انسان کو غرورِ نفس میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ اُسے وہ سب کچھ حاصل تھا جس کے بل پر انسان گھمنڈ کر سکتا ہے۔ پھر وہ ایک مشرک قوم سے تعلق رکھتی تھی۔ باپ دادا کے مذہب کے ساتھ جس قسم کا تعلق عام طور پر مشرکین میں پایا جاتا ہے وہ بھی اس کے اندر موجود تھا۔ پھر اپنی قوم کی سرداری باقی رکھنے کے لیے بھی اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے مشرکانہ مذہب پر جمی رہے۔ لیکن جیسے ہی اس کے اندر خدا کے حضور جوابدہی کا احساس پیدا ہوا تو پھر نہ نفس کی بندگی نے اس کی راہ روکی اور نہ خواہشات کی غلامی نے نہ قوم کا دباؤ اُسے سیدھے راستہ پر قدم بڑھانے سے روک سکا اور نہ خود اس کا غرورِ نفس کوئی رکاوٹ بن سکا۔

بھائیو اور عزیزو! یہ صرف چند مثالیں ہیں، ورنہ آپ جتنا بھی غور کریں گے یہ حقیقت آپ کے سامنے کُھلتی چلی جائے گی کہ آخرت کے زندہ یقین کے بغیر انسان خُدا کی رہنمائی سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا، اور نہ ان خرابیوں سے بچ سکتا ہے جو انسان کو اِنسانیت سے دُور اور حیوانیت سے قریب کرنے والی ہیں۔ اِس لیے آخرت کے بارے میں پورا یقین، اور اس یقین کو بنیاد بنا کر زندگی کا رُخ متعین کرنا انسانی اصلاح کے لیے سب سے اہم ضرورت ہے۔ آخرت نظروں سے اوجھل ایک حقیقت ہے۔ اس کا یقین

کرنے کے لیے یا تو انسان اُن لوگوں کی باتوں پر اعتماد کرے جنھوں نے تاریخ کے ہر دَور میں خدائی پیغامات انسانوں تک پہنچائے ہیں، اور سب نے یک زبان ہو کر کہا ہے کہ آخرت ایک حقیقت ہے اور یہ یقیناً آکر رہے گی۔ یا پھر وہ ان قوموں کے حال پر نظر کرے جنھوں نے آخرت کو نظر انداز کیا ہے۔ کوئی قوم اور کوئی گروہ ایسا نہیں جس نے آخرت کو پسِ پشت ڈالا ہو، اور وہ مجرم بنے بغیر رہ سکی ہو۔ ایسے لوگ ہمیشہ غیر ذمّہ دار بن کر رہے۔ اُنھوں نے ظُلم وستم ڈھائے۔ فسق وفجور کا شکار ہوئے اور اخلاق کی تباہی نے آخر کار اُن کو برباد کر کے چھوڑا۔ یہ انسانی تاریخ کا مُسلسل تجربہ ہے جو ہمیشہ سچ رہا ہے اور آج بھی سچ ہے۔ آخرت کے ماننے اور نہ ماننے کا نہایت گہرا تعلق انسانی رَویّہ کے صحیح ہونے یا اس کے غلط ہونے سے ہے اس کو مانا جائے تو انسانی زندگی کا رَویّہ دُرست رہتا ہے، نہ مانا جائے تو یہ رَویّہ غلط ہو جاتا ہے۔ یہ ہمیشہ کا تجربہ ہے۔ اور اسی لیے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آخرت یقیناً ایک حقیقت ہے، یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی غیر حقیقی چیز کے ماننے یا نہ ماننے سے انسانی زندگی پر ایسے اثرات پڑیں کہ اسے مانا جائے تو انسانی زندگی ٹھیک ڈگر پر چلتی رہے اور نہ مانا جائے تو زندگی کی گاڑی پٹڑی سے اُتر جائے۔

آخرت کے یقین کی اس اہمیت کو سامنے رکھنے کے بعد ایک طرف تو ہم سب کو اپنی اپنی ذات کے بارے میں نہایت توجہ سے اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ آیا صحیح معنی میں یہ یقین ہمارے دل میں بیٹھ چکا ہے یا نہیں؛ اور اس کا اندازہ لگانے کے لیے ہمیں اپنے روزانہ کے مشاغل پر اور اپنے معاملات پر نظر کرنا چاہیے جس طرح آخرت کے یقین سے زندگی کا رُخ متعین ہوتا ہے اسی طرح زندگی کے رخ کو دیکھ کر بھی پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ دِل میں آخرت کا یقین ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کس درجے کا؟

بَارَكَ اللّٰهُ لِي وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ، وَنَفَعَنِيْ وَإِيَّاكُمْ بِمَا فِيْهِ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۔ اَقُوْلُ قَوْلِيْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرُ واللّٰهَ

لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرُوْہُ اِنَّہٗ
هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

دین کی تبلیغ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ، وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ" فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ، وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ "۔

عزیزو اور دوستو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے ہمیں اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت بنایا اور ہمیں خیر اُمّت کے لقب سے نوازا۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ جتنا جس کا درجہ اونچا ہوتا ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داریاں بڑی ہوتی ہیں۔ ہمیں جو اللہ تعالےٰ نے سب اُمتوں سے بہتر بنایا تو ہم پر ایک بڑی ذمہ داری بھی ڈالی۔ وہ ذمہ داری یہ ہے کہ اب قیامت تک اللہ اپنا کوئی نبی نہیں بھیجے گا کیونکہ اس نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنا دین مکمل کر دیا جو قیامت تک کے لیے ہے تو ایسی صورت میں دُنیا کے تمام اِنسانوں تک اللہ کا دین پہنچانے کی ذمہ داری اُن لوگوں پر ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی مانتے ہیں۔

بھائیو! اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول

تھے اور آخری رسول تھے اور آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا آخری اور مکمل دین دے کر بھیجا تھا۔ اب جو شخص بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے اُس کی ذمہ داری ہے کہ جہاں تک اس سے بن پڑے وہ اللہ کے بندوں تک اللہ کا دین پہنچائے اور پوری ہمدردی اور محبت کے ساتھ کوشش کرے کہ اللہ کے بندوں کو دوزخ میں جانے سے بچالے۔

بھائیو! کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کام تو بڑے بڑے عالموں کا ہے ہم بھلا کیا کر سکتے ہیں۔ بلاشبہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ علم دیا ہے اُس پر اتنی ہی زیادہ ذمہ داری ہے بلکہ یوں سمجھیے کہ علم ہی نہیں بلکہ مال و دولت، اثر و رسوخ، حکومت اور اقتدار جو کچھ بھی اللہ نے کسی مسلمان کو دیا ہے اُسی کے اعتبار سے وہ ذمہ دار ہے کہ اللہ کی بخشی ہوئی ان تمام صلاحیتوں کو وہ دین کو پھیلانے اور اللہ کے بندوں کو سیدھے راستے پر لانے میں خرچ کرے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ کام بس کچھ خاص لوگوں کے ہی کرنے کا ہے اور باقی لوگ اس ذمہ داری سے بَری ہیں۔ ایسا نہیں ہے، یہ ذمہ داری تو ہر شخص کی ہے، کسی کی کم کسی کی زیادہ اور اللہ کے یہاں ہر شخص اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لحاظ سے ہی درجے پائے گا

عزیز و اور دوستو! یہ بات شاید آپ کے لیے نئی ہو۔ اور آپ میں سے کچھ لوگ اس طرح سوچنے لگیں کہ بھلا یہ کام ہم سے کیسے ہوگا؟ آپ کی یہ پریشانی دراصل کچھ باتیں نہ جاننے کی وجہ سے ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ شاید اللہ کے دین کو پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ دینی کتابیں پڑھ پڑھ کر سنائیں یا دینی باتیں زبانی طور پر لوگوں کو سمجھائیں تو یہ بات تو ٹھیک ہے کہ تحریر اور تقریر کی صلاحیت ہر شخص میں نہیں ہوتی اور یہ بات بھی درست ہے کہ تحریر اور تقریر اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کا ایک کامیاب ذریعہ بھی ہے لیکن جہاں تک اس ذمہ داری کے ادا کرنے کا تعلق ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا اس کے لیے تحریر اور تقریر مفید تو ہے شرط نہیں۔ اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنی ذات میں دین کا ایک چلتا پھرتا نمونہ ہو۔ ایسی صورت میں اُس کی ہر ہر

بات سے دین کا تعارف ہوگا اور چاہے وہ کچھ کہے یا نہ کہے لوگ یہ سمجھنے لگیں گے کہ اسلام کیا ہے اور اسلام کس طرح کے انسان بناتا ہے۔ دراصل تبلیغ کا یہی پہلو انتہائی ضروری ہے۔ اتنا ضروری کہ اگر یہ نہ ہو تو اس کے بغیر تقریر اور تحریر سے بھی ٹھیک ٹھیک کام نہیں چلتا اور یہ پہلو ایسا ہے کہ اپنے اپنے دائرے میں ہر مسلمان اُسے اختیار کر سکتا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ پھر جس ماحول میں وہ رہتا ہے وہاں اس کا اثر نہ پڑے۔ ایک دہکتے ہوئے انگارے کو اپنے ماحول کو گرم کرنے کے لیے خود کوئی کام نہیں کرنا پڑتا ہے۔ انگارے میں جو گرمی ہوتی ہے اُس سے ماحول خود بخود گرم ہونے لگتا ہے۔

دوستو اور عزیزو! اس پہلو سے آپ سوچیں تو آپ یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ آپ یہ کام نہیں کر سکتے۔ دین کی تبلیغ کی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے ہر ہر شخص کے سامنے سب سے پہلے اُس کی اپنی ذات کا مسئلہ ہونا چاہیے۔ آپ چاہے پڑھے لکھے ہوں یا اَن پڑھ، مال دار ہوں یا غریب ہر حالت میں آپ اس ذمہ داری کو اَدا کر سکتے ہیں اور آپ کو ادا کرنا چاہیے۔ اس کام کے لیے ابتدا آپ کو اپنی ذات سے کرنا ہوگی اور یہ ظاہر ہے کہ ہر آدمی کو سب سے زیادہ اختیار خود اپنی ذات پر ہی حاصل ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ یہ کام سخت ہے اور محنت چاہتا ہے لیکن یہ تو اللہ کی جنت کا سودا ہے اور ایسی قیمتی چیز کے لیے بہر حال محنت تو کرنا ہی پڑے گی۔

دین کی راہ میں کام کرنے والوں کے لیے پہلی صفت جس کے بغیر وہ اس راہ میں ایک قدم آگے نہیں بڑھا سکتے، یہ ہے کہ اللہ سے اُن کا تعلق دُرست ہو اور وہ جو کچھ کریں صرف اللہ کے لیے کریں۔ اللہ سے تعلق درست ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں اللہ کی ذات اور اس کی صفات پر ٹھیک ٹھیک ایمان ہو۔ وہ کسی کو کسی حیثیت سے اس کا شریک اور ساجھی نہ سمجھتے ہوں صرف اسی پر بھروسہ رکھتے ہوں۔ صرف اُسی کو حاجت روا اور کارساز مانتے ہوں۔ ان کی نظر میں فریاد سننے والا اور بگڑی بنانے والا اُس کے سوا کوئی نہ ہو۔ وہ ہر طرف سے کٹ کر صرف اُس سے جڑ گئے ہوں۔ اُنھوں نے ہر ایسی اطاعت سے منہ موڑ لیا ہو جو خدا کی اطاعت

سے آزاد ہو۔ وہ ہر کسی کا حکم ماننے سے پہلے یہ دیکھ لیتے ہوں کہ وہ خدا کے حکم کے خلاف تو نہیں ہے۔ پھر انھوں نے اپنے اندر یہ صفت پیدا کرلی ہو کہ وہ جو کچھ کریں خالص خدا کے لیے کریں دُنیا میں لوگ جتنے کام بھی کرتے ہیں اُن میں کہیں بھی یہ بات آپ نہ پائیں گے کہ اُن کے شروع کرنے سے پہلے اِنسان کا تعلق خدا سے دُرست کیا جائے۔ قوم اور وطن کے لیے یا اپنے نفس یا اپنے خاندان کے لیے لوگ طرح طرح کے کام کرنے اُٹھتے ہیں۔ یہ سب کام خدا سے بے تعلق ہوکر بھی کیے جاسکتے ہیں یہاں تک کہ خدا کا انکار کرکے بھی یہ سب کام ہوسکتے ہیں لیکن اللہ کے دین کا کام ایک ایسا کام ہے جس میں کوئی کامیابی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک آدمی کا تعلق اللہ کے ساتھ دُرست نہ ہو، اس کمی کو نہ علم دُور کرسکتا ہے نہ دولت۔ اس کے بغیر اچھی سے اچھی لکھی ہوئی کتابیں اور بہتر سے بہتر تقریریں سب بے کار ہیں۔ دولت کے ڈھیر بھی اس کمی کو پورا نہیں کرسکتے۔ اللہ کے دین کا کام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی جو کچھ کرے اللہ کے لیے کرے اور اللہ سے اپنا تعلق دُرست کرکے کرے۔

دوستو اور عزیزو! اب آپ ہی سوچیے کہ کیا یہ کوئی ایسی بات ہے کہ جو صرف پڑھے لکھوں ہی کے کرنے کی ہو یا اس کے لیے مال داری شرط ہو۔ یہ تو ہر شخص کا اپنا کام ہے اور اس کے لیے اسے سب سے پہلے اپنے نفس سے نمٹنا پڑے گا۔ بس یہیں آپ کا امتحان ہے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کام تو ہمارے بس کا نہیں۔ ارادہ شرط ہے۔ ارادہ ہوگا تو اس کام کے سارے تقاضے آپ معلوم کرسکتے ہیں۔ دین کا کام کرنے کے لیے اور بھی بنیادی باتوں کی ضرورت ہے ان کا ذکر آئندہ انشاء اللہ آپ کے سامنے آئے گا۔ اللہ سے دُعا کیجیے کہ وہ ہم سب کے دِلوں کو دین کا کام کرنے کے لیے آمادہ کردے اور اس راہ کی تمام مشکلوں کو ہمارے لیے آسان بنادے۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِیْمَ۔ لِیْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ۔ فَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

حقیقی کامیابی

(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ۔ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بِہٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ نُسَارِعُ لَھُمْ فِی الْخَیْرَاتِ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝

عزیزو اور دوستو! کامیابی کون نہیں چاہتا؟ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ وہ کامیاب زندگی بسر کرے اور خیر و فلاح اُس کے حصے میں آئے۔ البتہ نقطۂ نظر کا فرق اپنی جگہ ہے یوں تو کامیابی کے بے شمار پیمانے اور بے شمار تصوّرات ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایک مؤمن کی نظر میں بڑی بڑی تقسیمیں دو ہیں۔ کامیابی کا ایک مادّی تصور ہے جس میں اچھا کھانا، اچھا لباس، اچھا گھر، مال اولاد، نام و نمود، اثر و رسوخ، اقتدار اور حکومت سب چیزیں شامل ہیں جو لوگ کامیابی کا یہ تصور رکھتے ہیں اُن کی نظر میں یہ مادّی کامیابی جسے جس درجے میں حاصل ہو گئی وہ اُسی درجے میں کامیاب ہے لیکن اِسلام کی نظر میں فلاح اور کامیابی کا مفہوم اِس مادّی کامیابی کے مفہوم سے بالکل مختلف ہے۔ اسلام کی نظر میں کامیاب وہ ہے جو اِس دُنیا سے اس طرح رخصت ہو کہ اسے آخرت میں خُدا کی خوشنودی، اس کی جنّت اور اس کا قرب حاصل ہو جائے۔

کامیابی کے تصور کے اس اختلاف کی وجہ سے لوگوں کے سوچنے کا انداز بالکل بدل جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مادّی نعمتوں سے نوازا اور مادّی اعتبار سے وہ خوش حال اور کامیاب ہو گئے تو وہ اس غلط فہمی کا شکار بھی ہو گئے کہ وہ اپنے کو کامیاب سمجھنے کے ساتھ ساتھ راہِ راست پر بھی سمجھنے لگے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم خدا کے پیارے بھی ہیں اور اس کے برخلاف جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مادی خوش حالی عطا نہیں فرمائی اُن کے بارے میں وہ یہ سمجھنے لگے کہ یہ لوگ یقیناً غلط راستے پر ہیں اور خدا ان سے ناراض ہے جب ہی تو یہ طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہیں۔

اِس طرح کی غلط فہمی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ یہ دُنیا دارالجزا نہیں ہے بلکہ دارُالعمل ہے یعنی یہ کہ یہاں ہر انسان جس حال میں بھی ہے دراصل وہ امتحان کی حالت میں ہے۔ یہاں اوّل تو انسان کو اُس کے کاموں کی اخلاقی جزا اور سزا ملتی ہی نہیں اور اگر ملتی بھی ہے تو بہت محدود پیمانے پر۔ یہاں ہر حالت میں امتحان ہی امتحان ہے۔ ایک شخص کو اگر نعمتوں سے نوازا گیا ہے، مال و دولت، اولاد، اقتدار اور حکومت اُسے ملی ہے تو اُس کا امتحان اس حالت میں ہو رہا ہے اور یہ دیکھا جا رہا ہے کہ اس مقام تک پہنچنے کے بعد وہ کیا طرزِ عمل اختیار کرتا ہے۔ دوسری طرف اگر کوئی مشکلات کا شکار ہے اور اس پر آفتوں پر آفتیں آ رہی ہیں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اُس کی یہ حالت لازماً اُس کے لیے سزا ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حالت بھی امتحان ہی کی حالت ہے۔ اگر کوئی شخص یا کوئی قوم نیکی کے راستے سے ہٹی ہوئی ہے، فسق و فجور میں مُبتلا ہے اور ظلم اور ناانصافی کو اُس نے اپنا شیوہ بنا لیا ہے۔ اُس کے باوجود اُس کی رسّی ڈھیلی ہے۔ اُس پر نعمتوں کی بارش ہو رہی ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ دراصل اللہ نے اُسے بہت بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اُس پر اللہ کی رحمتیں نہیں ہیں بلکہ خدا کا عذاب ہے۔ کیونکہ ہو سکتا تھا کہ اگر اُس کی غلطیوں پر اُسے کوئی چوٹ لگتی اور ظلم و ناانصافی کے

بعد وہ کسی مصیبت کا شکار ہو جاتا تو شاید اُس کی آنکھیں کھُل جاتیں۔ وہ اپنی روش پر پچھتاتا اور اُسے توبہ نصیب ہو جاتی لیکن اب جبکہ اُس پر نعمتوں کی بارش ہو رہی ہو تو کون سی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی غلطی پر چونکے اور ذرا ٹھہر کر اپنی روش پر غور کرے۔ وہ تو مال و دولت سے بدمست ہو کر اور زیادہ شرارت پر اُتر آئے گا اور اس طرح اپنے آپ کو خُدا کے غضب کا اور زیادہ مستحق بنائے گا۔ اس کے برخلاف جہاں ایک طرف سچی خدا پرستی ہو۔ پاکیزہ اخلاق ہوں۔ معاملات اچھے ہوں۔ اللہ کی مخلوق کے ساتھ رحمت اور شفقت کا برتاؤ ہو اور اس کے باوجود وہ شخص مصیبتوں کا شکار ہو اور چوٹوں پر چوٹیں اُسے لگ رہی ہوں تو اُس کے بارے میں یہ فیصلہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ اُس کی یہ حالت خدا کی ناراضگی کی علامت ہے۔ حقیقت پر اگر نظر ہو تو یہ حالت خُدا کا غضب نہیں اُس کی رحمت ہی ہے سُنار جب سونے کو کھوٹ سے پاک کر کے کھرا بنانے کا فیصلہ کرتا ہے تو اُسے بار بار بھٹیوں میں تپاتا ہے یہاں تک کہ وہ کُندن بن جاتا ہے۔ بندۂ مُومن جب سختیوں کا شکار ہوتا ہے تو اُسے خُدا کی طرف پلٹنا، اپنی کوتاہیوں پر نظر کرنا اور خُدا کی رحمت طلب کرنے کی طرف توجہ دینا زیادہ آسان ہوتا ہے تکلیفوں کے کفارے میں اُس کی چھوٹی موٹی غلطیاں معاف ہوتی ہیں اور اس طرح یہ حالت اس کے لیے رحمت کا سبب بن جاتی ہے۔ پھر آدمی کے دعویٰ ایمان کے سچا ہونے کا ثبوت بھی اِس سے مِلتا ہے کہ وہ مصیبتوں میں کہاں تک ثابت قدم رہا۔ مُومنوں کی شان تو یہ ہے کہ وہ دُنیا میں خُدا سے بے خوف ہو کر نہیں رہتے کہ جو جی چاہے کرتے رہیں اور کبھی نہ سوچیں کہ اوپر کوئی خدا بھی ہے جس کی خوشی اور ناخوشی کا خیال اُنھیں ہر وقت رکھنا چاہیے۔ وہ خدا کی نشانیوں پر غور کرتے ہیں اور اُس کی اُتاری ہوئی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ اپنے تمام کاموں پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں کہ کہیں کسی طرح وہ برباد نہ ہو جائیں۔ مثلاً آپ جانتے ہیں کہ ریا ایک طرح کا شرک ہے اور اس سے اچھے اچھے اعمال اکارت ہو جاتے ہیں۔ اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی فرماں برداری

میں جو کچھ بھی نیکیاں کرتے ہیں، جو کچھ بھی خدمات انجام دیتے ہیں۔ جو کچھ بھی قربانیاں کرتے ہیں اُن پر وہ پھُولتے نہیں ہیں، نہ اُن کے نفس میں یہ غرور پیدا ہوتا ہے کہ وہ بڑے متقی ہیں اور نہ اپنے خدارسیدہ ہونے کا احساس کر کے وہ اپنے کو کوئی بڑی چیز سمجھنے لگتے ہیں۔ اُن کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف وہ اپنے مقدور بھر نیک کام کرتے رہتے ہیں مگر سب کچھ کرنے کے بعد بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ خدا جانے یہ قبول ہو یا نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیکیوں کے مقابلے میں ہمارے گناہ وزنی ثابت ہوں اور ہم اپنے رب کی مغفرت سے محروم رہ جائیں۔ اس خیال سے وہ برابر کانپتے رہتے ہیں اور ہر وقت اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ آپ نے سُنا ہو گا کہ حضرت عمرؓ جیسا جلیل القدر انسان جب دُنیا سے رخصت ہونے لگا تو اُس نے کہا کہ میں اگر آخرت میں برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں تو غنیمت ہے۔ یہی ہے مُومن کے سوچنے کا انداز۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ مُومن طاعت کرتا ہے اور پھر بھی ڈرتا رہتا ہے اور مُنافق معصیت کرتا ہے اور پھر بھی بے خوف رہتا ہے۔

زندگی وہی کامیاب ہے جو آخرت کی کامیابی کا سبب بن سکے۔ اِس اعتبار سے ہمیں برابر اپنی حالت پر نظر رکھنا چاہیے۔ ذہن اور فکر کی اصلاح مقدم ہے۔ اِس سے اعمال کی اصلاح ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو صحیح ایمان کی دولت سے نوازے اور اپنی خوشی کے کاموں کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں یہ طاقت بخشے کہ ہم ہر حال میں اُس کے فیصلے پر راضی رہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَاسْتَغْفِرُوْہُ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمِ۔

حقیقی کامیابی

(۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ۔ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ــــــ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْکَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ○ ذَرْھُمْ یَاْکُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا وَیُلْھِھِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ○

عزیزو! اور دوستو! ـــــ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

بُعید نہیں کہ ایک وقت وہ آجائے جب وہی لوگ جنھوں نے آج اِسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے چھپتا چھپتا کر کہیں گے کہ کاش ہم مُسلمان ہو گئے ہوتے۔ چھوڑو انھیں۔ کھائیں، پئیں، مزے کریں۔ اور بھلاوے میں ڈالے رکھے اُن کو جھوٹی اُمید۔ عنقریب اُنھیں معلوم ہو جائے گا۔"

آپ سب مصیبت اور تکلیف کے معنیٰ جانتے ہیں، اور عیش و آرام کا مطلب بھی سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص مُفلسی کا شکار ہے یا بیمار ہے یا کسی حادثہ سے دوچار ہو گیا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ وہ سخت مصیبت میں پڑ گیا۔ اور بڑی تکلیفیں جھیل رہا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی اِنسان خوب کھاتا پیتا ہے، زندگی کی سہولتیں اُسے حاصل ہیں، وہ تندرست ہے، اور آرام سے

زندگی بسر کر رہا ہے۔ تو آپ کہتے ہیں کہ وہ عیش میں ہے ——— لیکن آپ کی یہ رائے صرف اُس کے ظاہر کو دیکھ کر قائم ہوتی ہے۔ اُسے آخری رائے نہ سمجھئے۔

فرض کیجیے کہ غیب کا وہ پردہ جو موت کے بعد اُٹھنے والا ہے، آج ہی اُٹھ جائے اور انجام کی وہ تصویر جو آخرت میں سامنے آنے والی ہے، آج ہی آپ کے سامنے آجائے۔ اور آپ یہ دیکھیں کہ وہ مفلس اور کنگال جسے کبھی اطمینان کے ساتھ بھر پیٹ کھانا نصیب نہ ہوا، اُسے تو آج بڑے انعامات مِل رہے ہیں، اور اس کا درجہ بلند ہو رہا ہے۔ کیونکہ اُس نے مفلسی میں نہ کبھی شکایت کا کوئی لفظ مُنہ سے نکالا، نہ کبھی اپنے اللہ سے مایوس ہوا، دِل اس کا مطمئن اور غنی رہا۔ اس نے ہر حال میں ان نعمتوں کا شکر ادا کیا جو اُسے حاصل تھیں۔ اور ان نعمتوں کے نہ مِلنے کا شکوہ نہ کیا جن سے وہ محروم تھا۔ وہ اگر مفلس تھا تو اس نے تندرستی اور ایمان پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ غرض یہ کہ شکر اور توکل سے اس کا دِل مطمئن رہا۔ اس لیے آج اللہ اس سے راضی ہے، اور اب جو انعامات اس پر ہو رہے ہیں اس پر وہ بھی راضی اور خوش ہے تو آپ ہی بتائیے کہ آپ میں سے کون ایسا ہوگا جو یہ نہ چاہنے لگے کہ کاش اسے بھی ایسے ہی حالات سے دوچار ہونا پڑتا، اور وہ بھی اس شخص کی طرح کامیاب ہوتا۔ اسی طرح اُس شخص کا تصور کر لیجیے جو ہمیشہ بیمار رہا، لیکن پُورے طور پر صابر اور شاکر ثابت ہوا۔ تکلیفیں جھیلیں، لیکن ہمیشہ شکر ادا کیا۔ یا اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے، اور وہ حادثات سے دوچار ہوا، لیکن اس کے ہاتھ سے اللہ کا دامن کبھی نہ چھوٹا ——— آج وہ نوازا جا رہا ہے اور اُس نے جو کچھ کھویا، اُس کا لاکھوں گُنا آج اُسے دیا جا رہا ہے۔ تو آپ کیسے یہ کہہ سکیں گے، کہ یہ شخص بدنصیب رہا۔

ایک اور مثال اپنے تصور میں لائیے۔ ایک شخص عام زندگی میں ایک اوسط درجے کا مُسلمان تھا، جس کی زندگی میں کوئی قابلِ ذکر خیر نظر نہ آتی تھی، اس کے برخلاف بہت سی کوتاہیاں جیسا کہ عام طور پر پائی جاتی ہیں، وہ سب اس میں موجود تھیں۔ اچانک وہ کسی

حادثہ کا شکار ہو گیا۔ کچھ غنڈوں اور ظالموں نے اُسے محض مُسلمان جان کر طرح طرح اذیتیں دیں، اور اسے جان سے مار ڈالا۔ لیکن باوجود کمزور اور بے بس ہونے کے اُس نے آخر وقت تک ہمت سے کام لیا، ظلم کے خلاف اُس سے جو کچھ کرتے بنا، وہ سب کچھ کیا، اپنے ایمان پر قائم رہا، اور اس حال میں جان دی کہ اُسے مرتے دَم تک اللہ یاد رہا۔ اس کی اس جرأت اور ایمان پر قائم رہنے کی وجہ سے اُسے تو درجۂ ولایت عطا ہو گیا۔ اس کا شمار شہداء میں ہوا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ نبیوں اور صدیقوں کے بعد اللہ کے ہاں درجہ شہیدوں کا ہی اونچا ہوتا ہے۔

اب سوچیے کہ اگر غیب کا پردہ اُٹھ جائے اور آپ کافروں کے ہاتھوں مارے جانے والے اس مُسلمان مظلوم کا یہ انجام کسی طرح دیکھ لیں تو کیا آپ یہ آرزو نہ کریں گے کہ کاش ایسا ہی انجام آپ کا بھی ہوتا۔

اِسی طرح آپ ان لوگوں کے بارے میں غور کر لیجیے جو آج دولت اور اقتدار کے نشے میں مَست ہیں جن کے لیے بظاہر عیش ہی عیش ہے۔ جن کے لیے کسی چیز کی کمی نہیں لیکن غیب کا پردہ اُٹھ جانے کے بعد آپ دیکھتے ہیں کہ ان کے لیے بدترین عذاب ہے۔ قبر سے لے کر حشر تک، اور حشر سے لے کر جہنم تک ناقابلِ تصور مصیبتوں کا شکار ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ جہنم کی پہلی لپٹ لگنے کے بعد ہی ان سے جب پُوچھا گیا کہ بتاؤ کبھی تم آرام اور عیش کی زندگی بھی تو گزار چکے ہو؟ تو وہ کہیں گے "اے ہمارے رَب! ہم نے کبھی سُکھ اور آرام دیکھا ہی نہیں۔" ایک ہی لپٹ میں وہ دولت اور حکومت کے سارے عیش و آرام بھول جائیں گے۔ جس شخص کو آخرت کا یقین ہے، وہ تو اس منظر کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے جس کا نقشہ اوپر تلاوت کیے ہوئے اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں کھینچا گیا ہے کہ "وہ وقت دُور نہیں، جب ان مشرکوں اور کافروں کے اونچے سے اونچے آدمی یہ آرزو کریں گے کہ کاش اُنھوں نے اللہ کی اطاعت قبول کر لی ہوتی، اور آج وہ اپنے مالک کے حضور باغی اور غدار کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک وفادار اور غلام کی حیثیت سے پیش ہوتے۔"

بھائیو! اور دوستو!! ـــــــ اِس منظر کو سامنے رکھو، اور پھر فیصلہ کرو کہ حقیقی عیش کیا ہے؟ اور واقعی مصیبت کس چیز کا نام ہے؟ اللہ کا شکر ہے، آپ سب لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، آخرت کی زندگی کو اصل زندگی جانتے ہیں. آخرت ہی کی کامیابی کو کامیابی سمجھتے ہیں۔ اور اسی کامیابی کے لیے برابر کوشش کر رہے ہیں۔ آپ کو یہ دھوکہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ مصیبت اور تکلیف کا صحیح مطلب نہ سمجھیں۔ یا دُنیوی عیش و آرام کو کوئی بڑی چیز سمجھ لیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

عَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّھُوَ کُرْہٌ لَّکُمْ ـــــــ "ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، لیکن وہ تمھارے لیے بُری ہو" ـــــــ یا عَسٰی اَنْ تُکْرِھُوْ شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ "ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو، لیکن وہ تمھارے لیے اچھی ہو"

بھائیو! دُنیوی حالت کے بارے میں یہ ہے وہ حقیقی نقطۂ نظر جو اسلام ہمیں بتاتا ہے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کے ارشادات سے اس آخری اور ہمیشہ رہنے والی زندگی کی جھلکیاں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ اور اس حقیقت کا کچھ نہ کچھ علم ہمیں ہو جاتا ہے، جو ہر شخص کی موت کے بعد اس کے سامنے آنے والی ہے۔ یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اَب جن لوگوں کا اس حقیقت پر ایمان ہے ان کی نظر میں نہ اس دُنیا کی مصیبت کوئی مصیبت ہے، اور نہ یہاں کا عیش کوئی عیش ۔ وہ تو ہر وقت اسی دُھن میں لگے رہتے ہیں کہ چاہے حالت مصیبت یا تکلیف کی ہو یا عیش اور آرام کی۔ ہر حال میں ان کا رویّہ وہ رہنا چاہیے جو اللہ کو پسند ہو، اور جس کے نتیجے میں اُنھیں آخرت کی کامیابی میسر آئے۔

آپ نے سُنا ہوگا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہٗ شہید کیے گئے۔ دشمنوں نے ان کے مبارک جسم کی بے حُرمتی کی، ان کا کلیجہ نکال کر چبا ڈالا اسی طرح کتنے ہی اللہ کے پیارے جن کے بارے میں یقین ہے کہ وہ بہترین انسانوں میں تھے

یہاں تک کہ کتنے ہی انبیاء اور رسول ظالموں کے ستم کا نشانہ بنے۔ تو یہ سب کیا ہے۔ دراصل اسی طرح اُن اللہ کے پیاروں کے رُتبے بلند ہوئے۔ ان کو اَبَدی زندگی میں اونچے مرتبے عطا ہوئے۔ اور اس لیے یہ سب حالات اُن کے حق میں گویا رحمت ہی رحمت تھے۔

بھائیو! اللہ کی ایسی رحمت کے مستحق اب سے پہلے بھی بہت سے لوگ ہو چکے ہیں اور اب بھی ہوتے رہتے ہیں۔ فیصلہ اس بات پر ہے کہ کس نے اپنا امتحان کس طرح دیا؛ وہ امتحان جو مصیبتوں میں بھی ہوتا ہے اور عیش و آرام میں بھی۔

اللہ سے دُعا کیجیے کہ وہ ہمیں اپنی مرضی کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور تنگی ہو یا مصیبت فراخی ہو یا آرام، ہر حالت میں اپنی رحمت سے دُور نہ کرے۔ اور ہمارا انجام ایسا کر دے کہ ہمیں آخرت میں اس کے نیک اور پسندیدہ بندوں کا ساتھ نصیب ہو۔ اصل کامیابی یہی ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ ۔ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرُوْہُ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

انسانی مساوات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْغَنِیِّ الْحَمِیْدُ۔ اَلْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ۔ ذِی الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدُ۔ اَحْمَدُہٗ وَاَشْکُرُہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہُ الْعَزِیْزُ الْحَمِیْدُ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَفْضَلَ مَنْ دَعَا اِلَی الْاِیْمَانِ وَالتَّوْحِیْدِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ۔ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَزَّوَجَلَّ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۔

دوستو! اور عزیزو! ـــــ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے"۔

بھائیو! انسان کی ایک گمراہی ایسی ہے جس نے ہمیشہ بڑے بڑے فساد مچائے ہیں بلکہ یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے کہ آج تک جتنے بڑے بڑے فساد دنیا میں رونما ہوئے ہیں ان کا ایک بہت بڑا سبب یہی گمراہی ہے جس کی اصلاح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمائی ہے جس کی تلاوت ابھی آپ کے سامنے کی گئی۔ پرانے زمانے سے آج تک انسان اس گمراہی کا شکار رہا ہے کہ اس نے انسانیت کے وسیع تصور کو چھوڑ کر ہمیشہ اپنے گرد چھوٹے

چھوٹے دائرے بنائے ہیں۔ اب جو کوئی اس دائرے کے اندر پیدا ہوا ہے اُسے اُس نے اپنا جانا اور اس دائرے کے باہر جو انسان موجود تھے انھیں اُس نے غیر سمجھا اور اپنا دشمن جانا۔ یہ دائرے کسی عقلی یا اخلاقی بنیاد پر نہیں کھینچے گئے بلکہ ہمیشہ محض اتفاقی پیدائش کی بنیاد پر کھینچے گئے۔ کہیں انسان نے اپنے خاندان کو دائرہ بنایا اور اپنے خاندان سے باہر پیدا ہونے والوں کو غیر سمجھا۔ کبھی یہ دائرہ قبیلے اور نسل کی بنیاد پر کھینچا گیا، اور جو لوگ اس قبیلے یا نسل سے باہر تھے انھیں اپنا دشمن اور مخالف سمجھا گیا۔ کبھی یہ دائرے جغرافیائی خطّوں کی بنیاد پر بنے اور کبھی ایک خاص رنگ رکھنے والوں نے اپنے کو ایک دائرے کے اندر سمجھا، اور اس کے باہر کے لوگوں کو غیر جانا۔ یہاں تک کہ کبھی زبان کو اس دائرے کی بنیاد بنایا گیا اور ہر اُس انسان کو غیر سمجھا گیا جو وہ زبان نہ بولتا ہو۔ پھر اتنا ہی نہیں ہوا کہ ان دائروں کے اندر آنے والوں کے ساتھ انسان کچھ زیادہ محبت اور الفت کا برتاؤ کرتا، اور آپس میں کچھ زیادہ ہمدردی اور تعاون کا عمل کرتا۔ اور اس دائرے کے باہر جو انسان تھے ان سے محبت اور ہمدردی کا تعلق کچھ کم ہوتا۔ بلکہ اسے انسانیت کی بدنصیبی کہیے کہ انسان نے اپنے دائرے کے باہر والے انسانوں سے نفرت اور عداوت کا تعلق قائم کیا۔ انھیں اپنے سے کمتر سمجھا۔ اور انھیں ذلیل اور حقیر جان کر ان پر ہر طرح کے ظلم اور ستم کو جائز کر لیا۔ انسان نے اپنی اس حماقت کے لیے طرح طرح کے فلسفے گڑھے۔ یہاں تک کہ ایسے مذاہب بھی پیدا ہو گئے، جنھوں نے انسانوں کو مختلف دائروں میں تقسیم کرنے کی تائید کی اور ان کے سہارے ایسے قوانین بنائے گئے کہ انسانوں کے ایک گروہ نے صدیوں تک دوسرے گروہوں کو اپنا غلام بنائے رکھا۔ آپ نے سُنا ہو گا کہ یہودیوں نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی چہیتی قوم قرار دیا اور اپنے مذہبی احکام تک میں یہودیوں اور غیر یہودیوں کے لیے الگ الگ ضابطے بنا لیے۔ ہندوؤں کے ہاں تو باقاعدہ ورن آشرم مذہب کا جزو بنا لیا گیا۔ کچھ ذاتوں کو اونچا اور کچھ کو نیچا سمجھ لیا گیا۔ اور سب انسانوں پر برہمنوں کی برتری قائم کر دی گئی۔ اونچی ذات کے

اِنسانوں کو پاک اور نیچی ذات کے اِنسانوں کو ناپاک سمجھا گیا۔ اور کچھ طبقوں کو تو انتہائی ذلیل شمار کیا گیا۔ کچھ ایسی ہی حالت امریکہ میں کالے اور گوروں کے درمیان قائم ہو گئی۔ گوروں نے اپنے آپ کو اعلیٰ اور برتر جانا اور کالوں پر ہر طرح کے ظلم و ستم کو جائز سمجھا غرض یہ کہ اِنسانوں کے بہت سے گروہوں میں یہ خیال موجود رہا، اور اب تک موجود ہے کہ ان کے اپنے دائرے کے باہر جو انسان پائے جاتے ہیں وہ ذلیل ہیں، اور اُن کے جان و مال پر ہاتھ ڈالنے میں کوئی ہرج نہیں۔ اسی قسم کے تصورات کا یہ نتیجہ ہے کہ آج دُنیا میں جہاں موقع مِل جاتا ہے ایک دائرے کے لوگ اپنے دائرے سے باہر والوں کے ساتھ انتہائی وحشیانہ برتاؤ کرتے ہیں اور ان کے جان و مال کو اپنے لیے بالکل حلال جانتے ہیں۔ اسی قسم کے تصورات کے نمونے ہمیں اپنے مُلک میں بھی نظر آتے ہیں اور باہر بھی۔ بھائیو! سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا یہ کوئی اچھی علامت ہے؟ کیا یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ ایک انسان صِرف اس لیے ذلیل اور حقیر ٹھہرا دیا جائے کہ وہ کسی خاص دائرے میں پیدا ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس پیدائیش میں نہ اس کے اختیار کو دَخل ہے اور نہ خواہش کو۔ اور کیا کسی انسان کو صِرف اِس لیے بڑا اور قابلِ احترام مان لیا جائے کہ وہ اتفاقیہ کسی خاص نسل یا خاندان میں پیدا ہو گیا ہے۔ یا اس کا رنگ سفید یا سُرخ ہے، یا وہ فلاں اور فلاں زبان بولتا ہے یا اس کا وطن فلاں مُلک یا فلاں شہر ہے۔ حالانکہ اس کے اپنے اخلاق اور معاملات چاہے کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔

دوستو! اور عزیزو!! ـــــــ اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات میں سے اس کا سب سے بڑا احسان اس کی وہ ہدایت ہے جو اسلام کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس کا ایک گوشہ یہ بھی ہے کہ اسلام نے اِس طرح کے دائروں کی بنیاد پر انسانوں اور انسانوں کے درمیان عزت اور ذلّت کے معیار قائم کرنے کو بالکل غلط ٹھہرایا وہ یہ کہتا ہے کہ اے انسانو! تم سب ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہو۔ آج تمھاری

جتنی نسلیں پائی جاتی ہیں اور تم جتنے بھی خاندان یا قبیلوں میں بٹے ہوئے ہو وہ۔ سب ہیں ایک ہی جوڑے کی اولاد۔ اور اس طرح گویا سب بھائی بھائی ہیں۔ اور انسان ہونے کے لحاظ سے نہ کوئی اونچا ہے اور نہ نیچا۔ پھر اسلام یہ بتاتا ہے کہ اے انسانو تم سب کا پیدا کرنے والا بھی ایک ہی ہے۔ ایسا نہیں کہ کسی کو تو کسی بڑے درجے کے دیوتا نے پیدا کیا ہو اور کوئی کسی چھوٹے درجے کے دیوتا کی مخلوق ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس حقیقت کو بھی بار بار یاد دلایا ہے کہ تم سب انسان ایک ہی طرح کے مادے سے بنے ہو۔ ایسا نہیں کہ کسی کا مادہ تخلیق تو بہت پاکیزہ اور بڑھیا ہو اور کسی کا گھٹیا یا ناپاک۔ سب کی پیدائش اسی حقیر پانی سے ہوتی ہے جو اگر بڑھیا ہے تو سب کے لیے بڑھیا ہے۔ اور ناپاک ہے تو سب کے لیے ناپاک۔ تم سب ایک ہی طریقے سے پیدا ہوتے ہو اور سب کی تخلیق کا مادّہ ایک سا ہی ہے۔

اِس اہم حقیقت کو بتانے کے بعد اسلام اس بات کو ایک امر واقعی کی حیثیت سے تسلیم کرتا ہے کہ اِنسان مختلف قوموں اور برادریوں میں بے شک بٹے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اِس آیت میں فرمایا گیا جو آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ یہ قوموں اور برادریوں کی تقسیم باہم تعارف کے لیے ہے۔ اس کی بنیاد نہ کسی اونچ نیچ پر ہے، اور نہ ذلت اور عزت پر۔ اس بُنیاد پر کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ دوسروں پر اپنی بڑائی جتائے اور اپنے کو اونچا اور دوسروں کو نیچا سمجھے۔ یہ حق نہ کسی خاص رنگ والے کو ہے اور نہ کسی خاص ملک والے کو۔

اِس حقیقت کو واضح کرنے کے بعد اسلام بتاتا ہے کہ انسانوں اور انسانوں کے درمیان فضیلت اور برتری کی بنیاد اگر کوئی ہے اور ہو سکتی ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے۔ پیدائش کے اعتبار سے تم سب برابر ہو۔ لیکن اپنے خیالات اور اعمال کے اعتبار سے یقیناً تم میں سے کچھ لوگوں کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور ہونا چاہیے۔ اگر پیدائش کی

بنیاد پر فضیلت اور بڑائی کا فیصلہ کر دیا جاتا تو یہ بڑا ظلم ہوتا۔ کیونکہ تم میں سے کسی کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنی مرضی یا خواہش سے جس دائرے میں چاہے پیدا ہو جائے۔ البتہ تم میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ضرور دیا گیا ہے کہ وہ جیسے چاہے کام کرے۔ اس لیے تمھارے درمیان اگر فضیلت اور بڑائی کا کوئی معیار ہو سکتا ہے تو وہ صرف تمھارے اعمال کی بُنیاد پر ہو سکتا ہے۔ اِس اعتبار سے اصل چیز جس کی بنیاد پر ایک انسان دوسرے انسان سے افضل ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ دوسروں سے بڑھ کر خُدا سے ڈرنے والا ہو۔ بُرائیوں سے بچنے والا ہو۔ نیکی اور پاکیزگی کی راہ پر چلنے والا ہو۔ ایسا آدمی چاہے کسی خاندان اور نسل سے تعلق رکھتا ہو، کسی مُلک میں پیدا ہوا ہو، کسی رنگ کا ہو، یا کوئی زبان بولتا ہو، وہ اپنی ذاتی خُوبیوں کی بنا پر قابل قدر ہے۔ اور حقیقی معنیٰ میں ان لوگوں سے افضل ہے جو ان خوبیوں میں اس کے برابر نہ ہوں۔ اِنسانوں میں اصل معنیٰ میں ذلیل اور نیچ اِنسان وہی ہے جو اِن خوبیوں سے محروم ہو، چاہے وہ کالا ہو یا گورا۔ مشرق میں پیدا ہوا ہو یا مغرب میں۔ کِسی خاندان یا نسل یا وطن کی نسبت اسے بزرگ اور محترم نہیں بنا سکتی۔

بھائیو! اور دوستو! یہ ہے وہ سب سے بڑا احسان اسلام کا جو اُس نے انسانیت پر کیا۔ اِس احسان کی مثال آپ کو اِسلام کے سوا کہیں دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید سے بار بار اس بات کو صاف فرمایا ہے جب مکّہ فتح ہوا تو آپؐ نے کعبہ کے طواف کے بعد ایک تقریر فرمائی اور اس میں فرمایا "شکر ہے اس خُدا کا جس نے تم سے جاہلیت کا عیب اور تکبّر دُور کر دیا۔ لوگو! تمام اِنسان بس دو ہی حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک نیک اور پرہیزگار جو اللہ کی نگاہ میں عزت والا ہے دوسرا فاجر اور شقی جو اللہ کی نگاہ میں ذلیل ہے۔ ورنہ سارے انسان آدمؑ کی اولاد ہیں۔ اور اللہ نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔"

ایسے ہی الفاظ حضورؐ نے آخری حج کے موقع پر عرفات کے میدان میں تقریر فرماتے ہوئے

ارشاد فرمائے۔ فرمایا "لوگو! خبردار رہو تم سب کا خدا ایک ہے۔ کسی عرب کو کسی عجمی پر، اور کسی عجمی کو کسی عرب پر، اور کسی گورے کو کسی کالے پر، اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزّت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔"

اِس طرح کے کتنے ہی ارشادات حدیثوں میں موجود ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ دادا پر فخر کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن تمھارا نسب نہیں پوچھا جائے گا۔ اللہ تمھاری صورتوں اور تمھارے مال کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمھارے اعمال دیکھتا ہے۔"

یہی وہ بہترین تعلیمات ہیں جن کی بنیاد پر اسلام ہی ایک ایسی عالمگیر برادری بنا سکتا ہے جس میں نہ چھوت چھات ہو، اور نہ اُونچ نیچ۔ اِس برادری میں شریک ہونے والے تمام انسان چاہے وہ کسی نسل یا مُلک سے تعلق رکھتے ہوں، مساویانہ حقوق پا سکتے ہیں۔

اِنسانی مساوات اور وحدت کے جو کامیاب اصول اسلام نے دیئے ہیں، آج بھی کسی دوسری جگہ اُن کی مثال نہیں ملتی۔ حالانکہ اب اِنسانیت اس طرح کی مصنوعی اور اور ظالمانہ تقسیموں سے عاجز آچکی ہے، اور ہر طرف سے مساوات اور وحدت کی ضرورت کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ اور انسانوں کو جوڑنے کے لیے طرح طرح کے فلسفے اور اُصول بنائے جا رہے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ اسلام نے جس زمانہ میں انسانی مساوات اور وحدت کا یہ سبق دیا تھا وہ آج کے زمانے سے بہت مختلف تھا۔ اس وقت تو کوئی یہ سُننا بھی گوارا نہ کرتا تھا کہ سارے انسان برابر ہو سکتے ہیں۔ اس دَور میں غلامی کا رواج تھا۔ اس دَور میں یہودی تصورات غالب تھے۔ اس دَور میں شودروں کا مقام ناپاک جانوروں سے بدتر تھا۔ اور اس دَور میں اِنسان بھیڑ بکریوں کی طرح خریدے اور بیچے جاتے تھے۔ اس وقت اِسلام نے انسانی مساوات اور وحدت کا یہ سبق سکھایا۔ اور عملاً ایک ایسا

معاشرہ بنا کر دکھایا جہاں واقعی ان اصولوں پر پورا پورا عمل ہوتا تھا۔

بھائیو! اور عزیزو! یہی ایک پہلو ایسا ہے کہ اگر انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ یہ دین یقیناً اس خدا کی طرف سے آیا ہے جو سارے انسانوں کا رب ہے۔ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا مذہب نہیں۔ کیونکہ ایسا ہوتا تو اس میں بھی یقیناً نسلی یا ملکی یا قومی برتری کا ویسا ہی رنگ موجود ہوتا جیسا انسانوں کے بنائے ہوئے دوسرے ضابطوں، قانونوں، اصولوں یا مذہبوں میں پایا جاتا ہے ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اس دین پر پیدا کیا اور ہمیں اس کی پیروی کی توفیق عطا فرمائی۔ یقیناً یہ اس کا سب سے بڑا فضل ہے۔ یہ ہمارے لیے دنیا کی بھی سب سے بڑی دولت ہے، اور آخرت کی بھی۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہمیں اپنی خوشنودی کے کام کرنے کی سعادت بخشے تاکہ ہمارے اندر صحیح معنیٰ میں وہ اوصاف پیدا ہو سکیں جن کی بنیاد پر انسان اللہ کی نظر میں عزت کا مستحق ہوتا ہے اور اونچا مقام پاتا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اَقُوْلُ قَوْلِيْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۔

اسماءِ حُسنیٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتَابَ وَاَخْرَجَ النَّاسَ بِہٖ مِنَ الْجَھْلِ وَالضَّلَالِ اِلٰی نُوْرِ الْعِلْمِ وَالْھُدٰی، اَحْمَدُہٗ سُبْحَانَہٗ وَ اَشْکُرُہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ دَاعِیًا اِلَی الْھُدٰی وَالْاِصْلَاحِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ، وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ حٰمٓ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ۝

عزیز دوستو! قرآن پاک میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کا ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے یہ نام دراصل اس کی صفات ہیں۔ ایمان کی تکمیل کے لیے ان تمام صفات پر یقین کرنا ضروری ہے۔ یہی صفات انسان کے سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کے رُخ متعین کرتی ہیں۔

ابھی جو آیت آپ کے سامنے تلاوت کی گئی، اِس میں اللہ تعالےٰ کی چند صفات کا بیان ہے، فرمایا گیا کہ وہ عزیز ہے۔ عزیز کا ترجمہ زبردست ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ سب پر غالب ہے، وہ جو فیصلہ کرے، اُسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وہ جو چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ کائنات میں کوئی ہستی ایسی نہیں کہ جو اس سے مقابلہ کر کے جیت جائے۔ نہ کوئی اس کی گرفت سے بچ سکتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اس سے منہ موڑ کر کامیابی کی اُمید رکھتا ہے تو وہ دھوکے میں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ دن اُس کی رسّی ڈھیلی چھوڑ دی جائے اور کچھ عرصہ کے لیے

اس کو من مانی کرنے کی چھوٹ دے دی جائے۔ لیکن اس سے یہ بات نہ سمجھنا چاہیے کہ کوئی اُسے نیچا دِکھا سکتا ہے۔ ایسا اگر کوئی سوچتا ہے تو وہ سخت دھوکے میں ہے۔ دوسری طرف اسی صفت میں اس کے مُومن بندوں کے لیے بڑی دھارس کا سامان ہے۔ ہوسکتا ہے کہ خدا کی راہ پر چلتے ہوئے وہ ستائے جائیں سختیوں کا نشانہ بنائے جائیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ اگر ایسا ہو رہا ہے تو وہ ناکام ہو رہے ہیں۔ اُن کا رب سب پر غالب ہے۔ تمام معاملات اس کے قبضے میں ہیں۔ وہ جب چاہے گا، پانسہ پلٹ جائے گا۔

پھر اسی صفت کے ساتھ دوسری صفت علیم بھی لگی ہوئی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ وہ وفاداروں کی وفاداری سے بھی باخبر ہے اور باغیوں کی بغاوت کو بھی دیکھ رہا ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے کسی وہم اور گمان قیاس کی بُنیاد پر نہیں کرتا، بلکہ وہ ہر چیز کا براہ راست علم رکھتا ہے۔

عزیزو اور دوستو! آپ جانتے ہیں کہ مُسلمان بہت سی ایسی چیزوں پر یقین رکھتا ہے، جنہیں کبھی اس نے نہیں دیکھا اور نہ کوئی اُن کو دیکھ سکتا ہے۔ مثلاً جنت اور دوزخ پر یقین رکھتا ہے، فرشتوں کے وجود پر یقین رکھتا ہے۔ آخرت میں پیش آنے والی ان تمام باتوں کو سچ جانتا ہے جن کی خبر اللہ اور رسُول نے دی ہے۔ اس ایمان کی بنیاد بھی اللہ تعالیٰ کی یہی صفت عِلم ہے۔ بندۂ مُومن کو یقین ہے کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور اس کا عِلم بالکل ٹھیک ہے اس میں کبھی کوئی غلطی نہیں ہوتی اسی بنیاد پر وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ جن حقیقتوں کی معلومات اللہ دے رہا ہے صِرف وہی صحیح ہو سکتی ہیں۔ انسان اگر اُنھیں نہ مانے گا یا اُن کے خلاف باتوں پر یقین رکھے گا تو وہ یقیناً جہالت کا شکار ہو جائے گا۔ پھر اسی صفت عِلم کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ ہی صحیح طریقے پر جانتا ہے کہ انسان کی حقیقی فلاح کس بات میں ہے اس لیے جب وہ فلاح کی کوئی راہ بتاتا ہے تو پھر اس سے بہتر راہ دوسری نہیں ہو سکتی۔ اسی یقین کا یہ تقاضا ہے کہ اِنسان اِن تمام اصولوں اور

ضابطوں کی پیروی کو موجب فلاح سمجھے جو اللہ کی طرف سے مقرر کیے جائیں۔ کیونکہ اس کی دی ہوئی ہدایت کی بُنیاد حکمت اور صحیح علم پر ہے جس میں غلطی کا امکان نہیں۔ ایسے علیم کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات کو اِنسان اگر قبول نہیں کرے گا تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ وہ خود ہی تباہی کے راستے پر جانا چاہتا ہے۔ اسی صفت علم کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان اپنے افعال اور اعمال کے بارے میں ہمیشہ چوکنّا رہے۔ کیونکہ اُسے یہ یقین ہونا چاہیے کہ اس کی کوئی حرکت اللہ سے چھُپی ہوئی نہیں ہے وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے وہ سینوں میں چھپے ہوئے ارادوں اور نیتوں کو بھی جانتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اُس کے حضور بہانے بنا کر بچ نکلے۔

تیسری صفت جو یہاں بیان ہوئی ہے وہ غافر الذنب اور قابل التوب ہے۔ یعنی گناہ معاف کرنے والا۔ اور توبہ قبول کرنے والا یہی وہ اہم صفت ہے کہ جس سے انسان کی ڈھارس بنتی ہے اور زندگی کا رُخ تبدیل کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ جو لوگ غفلت اور نادانی یا شرارت اور سرکشی کی وجہ سے خُدا کی نافرمانی کرتے رہے ہوں اُنھیں بھی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ کی یہ صفت انہیں اپنے رویّہ پر نظر ثانی کرنے کی دعوت دیتی ہے اس میں کھُلا ہوا اعلان ہے کہ اگر اب بھی وہ غلط روش سے باز آجائیں تو اللہ کے دامن رحمت میں جگہ پا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اصل صفت رحم ہے وہ مہربانی ہی کرنا چاہتا ہے اور کرتا ہے۔ عذاب اور سزا تو ان بندوں کے لیے ہے جو پُوری ڈھٹائی کے ساتھ غلط روش پر جمے رہیں اور توبہ کیے بغیر ہی اس دُنیا سے رُخصت ہو جائیں۔

جہاں تک گُناہوں کے معاف کرنے کا تعلق ہے وہ تو اکثر توبہ کے بغیر بھی اللہ تعالےٰ معاف فرماتا رہتا ہے۔ مثلاً ایک شخص خطائیں بھی کرتا ہے اور نیکیاں بھی۔ اُس کی نیکیاں خطاؤں کے معاف ہونے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ چاہے اُسے توبہ کرنے کا موقع ملا ہو یا نہ ملا ہو اِسی طرح دُنیا میں اِنسان پر جو مصیبتیں اور تکلیفیں آتی ہیں مثلاً بیماریاں۔ رنج و غم یا نقصانات وغیرہ وہ سب اس کی خطاؤں کا بدل بن جاتی ہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ

خطاؤں کی بخشش کی یہ رعایت صرف ان اہل ایمان کے لیے ہے جن کی عام روش سرکشی اور بغاوت کے جذبے سے خالی ہو۔ رہے کفار اور مشرکین اور وہ سرکش اور باغی انسان جو جان بوجھ کر خدا کی نافرمانی کرتے رہتے ہیں، اُن کی معافی کے لیے توبہ ضروری ہے۔

چوتھی صفت جس کا ذکر اوپر آیا ہے وہ ہے "سخت سزا دینے والا"۔ اس صفت کا ذکر کر کے یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ بندگی کی راہ اختیار کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ جتنا رحیم و مہربان ہے، بغاوت اور سرکشی کرنے والوں کے لیے وہ اتنا ہی سخت بھی ہے۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ "صاحب فضل" ہے یعنی اس کی رحمتیں اور عنایتیں محدود نہیں ہیں۔ وہ بہت کچھ دے سکتا ہے اور دیتا ہے۔ وہ غنی ہے فیاض ہے اور اُس کی نعمتوں اور احسانوں کی کوئی حد نہیں، بندوں کو جو کچھ مل رہا ہے وہ اسی کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے ہر چیز اسی کے فضل اور احسان سے پل رہی ہے۔

بھائیو اور عزیزو! اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے چار پانچ کا ذکر آپ نے سُنا، اسی طرح اس کے سارے نام دراصل اُس کی صفات ہیں۔ ان صفات پر آپ جتنا غور کریں گے آپ کا دل اسی بات پر مطمئن ہوگا کہ معبود حقیقی کوئی دوسرا نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے لوگوں نے چاہے کتنے ہی جھوٹے معبود بنا لیے ہوں، وہ سب غلط ہیں، ان میں سے کسی میں وہ صفات موجود ہی نہیں جو ایک معبود میں ہونا چاہیئں، یہ صفات صرف ایک ذات میں ہیں اور وہ اللہ کی ذات ہے اور آخری بات یہ ہے کہ آخر کار سب کو اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے، وہی حساب لینے والا ہے کوئی دوسرا لوگوں کے اعمال کا حساب لینے والا اور جزا اور سزا دینے والا نہیں لہٰذا اس کو چھوڑ کر اگر کوئی شخص دوسرے معبودوں کی طرف رُخ کرتا ہے تو وہ اپنی اس غلطی کا خمیازہ اس زندگی میں بھی بھگتے گا اور آخرت میں بھی اسے اس حماقت کا تلخ نتیجہ بھگتنا ہی پڑے گا۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

امانت داری

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرضِ ۔ وَلَہُ الحَمدُ فِی الْاٰخِرَۃِ وَھُوَ الحَکِیمُ الخَبِیرُ ۔ یَعلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرضِ وَمَا یَخرُجُ مِنھَا، وَمَا یَنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا یَعرُجُ فِیھَا وَھُوَ الرَّحِیمُ الغَفُور ۔ اَحمَدُہٗ سُبحَانَہٗ وَاَشکُرُہٗ وَاَسئَلُہُ المَزِیدَ مِنھَا ۔ وَاَشھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحدَہٗ لَا شَرِیکَ لَہٗ وَاَشھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبدُہٗ وَرَسُولُہٗ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبدِکَ وَرَسُولِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ وَسَلِّم تَسلِیمًا کَثِیرًا ۔

اَمَّا بَعدُ ۔ فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیمِ ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُم اَن تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھلِھَا ۔

بزرگو اور دوستو!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد آپ نے سنا فرماتا ہے کہ "مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو۔"

یہ ارشاد ہم پر ایک بہت بڑی ذمہ داری ڈالتا ہے، مومن کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے۔ اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ اس امانت کو اس کے اصل مالک کی منشاء کے مطابق کام میں لانا چاہیے۔ لہٰذا اگر ہماری زندگی، اللہ کی بخشی ہوئی صلاحیتیں اور اللہ کے بخشے ہوئے وسائل و ذرائع اللہ کی مرضی کے مطابق کام میں لگ رہے ہیں تب تو ٹھیک ہے یہ امانت کا صحیح استعمال ہے اور اگر کہیں انہیں ہم اپنی مرضی یا اپنے علاوہ دوسرے انسانوں کی مرضی کے مطابق کام میں لا رہے ہیں تو یہ امانت میں خیانت ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ہر ہر قدم پر ہماری آزمائش ہو رہی ہے اور ہم یا تو اس آزمائش میں کامیاب

ہو رہے ہیں یا ناکام۔

بھائیو اور عزیزو! اگر آپ عوام الناس سے تعلق رکھتے ہیں یعنی سماج میں آپ کو کوئی اہم ذمہ دارانہ حیثیت حاصل نہیں ہے تب بھی آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ کے سپرد کوئی امانت نہیں ہے۔ سچ پوچھیے تو ایک بہت بڑی امانت آپ کے سپرد کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ خود نیکی اور خیر کی راہ اختیار کریں۔ کوئی کام اللہ کی ناخوشی کا نہ کریں اور جہاں تک بن پڑے اُس کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھائیں اور پھر اس راہ میں آپ ایسے سرگرم ہوں کہ کوئی لیڈر، کوئی رہنما کوئی حاکم یا کوئی اثر رکھنے والا شخص شر کی سرپرستی کرنا چاہے اور سماج میں شر پھیلانا پسند کرے، تو وہ عوام الناس کے جذبۂ خیر پسندی کے سامنے مغلوب ہو جائے اور شر کے ارادے سے باز آجائے۔ مثلاً اگر وہ چاہتا ہے کہ وہ فسق و فجور کا کوئی اڈہ قائم کرے جُوے بازی کو خوب صورت شکلیں اور اچھے اچھے نام دے کر رائج کرے، رقص و سرود کی محفلیں جمائے اور اس طرح سماج میں شر کو عام کرے، تو یہ دیکھ کر اُس کی ہمتیں پست ہو جائیں کہ عوام الناس اس کی ان اسکیموں کا بائی کاٹ کرتے ہیں اور ان چیزوں کی طرف ہو کر نہیں پھٹکتے اگر سماج میں یہ طاقت پیدا ہو جائے تو پھر شر پسند لیڈروں کو پنپ جانے کا موقع نہیں ملے گا بلکہ اُن کے بدلے خیر پسند لوگ اوپر آئیں گے اور رہنمائی اور ذمہ داری ان کے ہاتھوں میں منتقل ہو گی، حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کیسی سچی بات فرمائی ہے کہ "جیسے تم ہو گے ویسے ہی تم پر حکمراں مُسلط ہونگے"۔ اِس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عوام الناس ساری ذمہ داری لیڈروں اور حکمرانوں پر ڈال کر بری الذمہ نہیں ہو سکتے، بلکہ انہیں یہ سمجھنا پڑے گا کہ معاملات کو صحیح رُخ پر لانے میں خود اُن کی ذمہ داری بھی دوسروں سے کچھ کم نہیں ہے۔

بھائیو! یہ بات بالکل سچ ہے کہ عام طور پر حکمراں گروہ سوسائٹی کا مکھن ہوتا ہے اور اب اس دَور میں جبکہ عوام ہی کے ہاتھوں یہ لیڈر اور نمائندے منتخب ہوتے ہیں۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ عوام جیسے ہوں گے ویسے ہی لوگوں کو وہ اوپر لائیں گے اب رہے وہ لوگ جو رہنمائی اور قیادت

کے مقام پر رکھے جاتے ہیں، اُن کو قیادت کی امانت دی گئی ہے اگر وہ اس امانت کا صحیح استعمال نہیں کرتے تو وہ خیانت کرتے ہیں، ایسے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے مقام کی ذمہ داری کو محسوس کریں۔ اور انہیں جو کام سونپا گیا ہے اُسے پوری دیانتداری اور خلوص کے ساتھ انجام دیں:

حکومت اور اقتدار کے علاوہ بھی امانت کی بہت سی شکلیں ہیں مثلاً اگر آپ کو سوجھ بوجھ اور عقل و فہم کی امانت دی گئی ہے تو اس امانت کا تقاضا ہے کہ آپ اس سے کام لیں اور جو بات صحیح ہو اُسے ظاہر کریں اور عوام کو بار بار کسی ایک ہی سوراخ سے ڈسے جانے کی مصیبت سے بچائیں اور اپنی عقل اور سمجھ کی روشنی میں آپ نے جس بات کو حق جانا ہے اُس کے ظاہر کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کریں۔ عام طور پر مفاد پرست قسم کے لوگ ہر چڑھتے سورج کی پوجا کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں، اُن کے نزدیک حق اور ناحق کے پیمانے بدلتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ سمجھتے کچھ ہیں لیکن کہتے کچھ ہیں اور اُسے وہ اپنی زبان میں "مصلحت" کہتے ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی سمجھ اور عقل کی امانت کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اس طرح کی روش اختیار نہ کرے، جب کبھی موقع پر حق کے خلاف آوازیں اُٹھ رہی ہوں تو جو لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا، اُن کے لیے ایسے موقع پر خاموش رہنا امانت میں خیانت کرنا ہے۔ اِسی لیے کہا گیا ہے کہ سچی گواہی کا چھپانا بھی امانت میں خیانت کرنا ہے۔

بھائیو! اور عزیزو! ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے دائرے میں کسی نہ کسی امانت کا امین ہے۔ اور یہاں کسی ایک امین کی ذمہ داری دوسرے سے کم نہیں ہے کیونکہ ہر ایک کو الگ الگ امانت دینے والے کے حضور کھڑا ہونا ہے اور اپنی امانتوں کا حساب دینا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سب بھائیوں کو اُن کی اس اہم ذمہ داری کی طرف متوجہ کروں۔

آج ہم سب کے لیے اس پہلو کی طرف توجہ کرنے کا موقع باقی ہے کیوں کہ ہم سب کو اللہ کی بخشی ہوئی مہلت ملی ہوئی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے توجہ کرنے سے پہلے یہ مہلت ختم ہو جائے

اور ہم اپنے مالک کے حضور خدا نہ کرے اِس حال میں پیش ہوں کہ امانت میں خیانت کرنے کا الزام ہم پر ہو اور ہم کوئی صفائی پیش نہ کر سکیں۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِي وَلَكُمْ وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَلَكُمْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوبُ إِلَيْهِ۔ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ٥

حوصلہ بلند رکھو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِلْاِسْلَامِ۔ وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ، وَجَعَلَنَا خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ، تَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ، وَتُؤْمِنُ بِاللّٰہِ، اَحْمَدُہٗ سُبْحَانَہٗ وَاَشْکُرُہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی وَالنُّوْرِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

دوستو اور عزیزو!

قرآن کریم میں جگہ جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پچھلے انبیاء سے یہ کہا گیا ہے کہ "بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ" یعنی ایمان لانے والوں کو خوش خبری دے دو۔ سورہ بقرہ میں فرمایا وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ "اے پیغمبر جو لوگ ایمان لے آئیں اور اپنے عمل درست کرلیں اُنہیں خوشخبری دے دو کہ ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی"۔ اس خوشخبری دینے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آخرت میں نجات ان ہی لوگوں کے لیے ہے یہ اس ہمیشہ رہنے والی زندگی میں اللہ کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے اور وہاں اُن کو بڑی عزت اور آرام سے رکھا جائے گا، لیکن ساتھ ہی اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ان اہلِ ایمان کو اللہ کی راہ میں حق کے دشمنوں کی طرف سے جو تکلیفیں پہنچیں گی اور حق کا کلمہ بلند کرتے ہوئے اُنھیں باطل کے علمبرداروں سے مقابلہ کرنے میں جو دشواریاں پیش آئیں گی اور دُنیوی زندگی میں یہ جن جن مصیبتوں سے دوچار ہوں گے اُن سب کا انجام بھی بہت اچھا ہوگا۔ آپ نے سُنا ہوگا کہ مصر میں بنی اسرائیل

کو فرعون اور اُس کی قوم کے ہاتھوں کیسی کیسی مصیبتیں جھیلنا پڑیں، اسی زمانے میں جب یہ اللہ کے بندے فرعون کے ظلم وستم کا نشانہ بنائے جا رہے تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور اُن کے بھائی کو یہ ہدایت کی کہ تم مصر میں اپنی قوم کے لیے چند مکان مہیا کرلو اور یہاں نماز باجماعت کا اہتمام کرو۔ اس ہدایت دینے کے بعد فرمایا: "وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ" یعنی اہلِ ایمان کو خوشخبری دے دو۔ مُراد یہ ہے کہ حالات کے دباؤ سے اہلِ ایمان پر مایوسی، مرعوبیت اُور پژمردگی کی جو کیفیت چھائی ہوئی ہے وہ دُور ہونا چاہیے۔ مُومنوں کو پُراُمید رہنا چاہیے۔ ان کی ہمت بندھاؤ اور اُن کے حوصلے بڑھاؤ اُن کے اندر یہ اعتماد پیدا کرو کہ ہر معاملے میں آخری فیصلہ بہر حال اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ انھیں اُس کی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہیے، انھیں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ جب وہ فیصلہ کرے گا تو حالات کو بدلتے دیر نہیں لگے گی۔ مومنوں کے لیے مایوس اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں، ان کا ولی اور سرپرست بہت زبردست ہے۔ انھیں بس ایک بات کی فکر کرنا چاہیے اور وہ یہ کہ ان کا خدا ان سے خوش رہے، اس کے بعد ان کے لیے خوشخبری ہی خوش خبری ہے۔

بھائیو اور عزیزو! مُومن جب اللہ کی راہ میں کچھ کام کرنے کے لیے اُٹھتا ہے تو اُس کی راہ میں دُشواریاں بھی آتی ہیں اور اسے ناموافق حالات سے دوچار بھی ہونا پڑتا ہے لیکن خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے دِلوں میں ایسے حالات میں مایوسی اور بَددلی پیدا نہیں ہوتی مُومن ہر حال میں پُراُمید رہتا ہے کیونکہ اُس کی ذمّہ داری بس اتنی ہی ہے کہ وہ جو کچھ کرسکتا ہے اُسے کرتا رہے۔ نتائج کیا نکلتے ہیں۔ اُس کی ذمّہ داری اس پر نہیں ہے، مُومن اللہ کی راہ میں غیر مشروط جدوجہد کرتا ہے وہ یہ شرط لگا کر کام نہیں کرتا کہ میری کوششوں کے نتیجے میں بُرائیاں لازماً مٹ جائیں گی، نہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کی کوششوں کے باوجود حق قائم نہیں ہوا اور باطل میدان سے نہیں ہٹا تو وہ ناکام رہے گا مُومن کے سامنے صرف ایک بات ہوتی ہے وہ یہ کہ میرے خدا نے مجھ پر یہ ذمّہ داری ڈالی ہے کہ میں بُرائی کو مٹانے کے لیے

بھرپور کوشش کروں۔ حق کو غالب کرنے کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں لگا دوں۔ معروف کا حکم دوں۔ اور منکر سے روکوں۔ لوگوں کو بھلائی کی راہ پر چلاؤں اور برائی کے راستے بند کروں اور اس کام میں اللہ کی دی ہوئی قوت اور اس کی بخشی ہوئی صلاحیت کو پوری طرح لگا دوں اس کے بعد اگر دنیا سے برائیاں نہ مٹیں، حق کا غلبہ نہ ہو اور باطل میدان سے نہ ہٹے تو میں ناکام نہیں ہوں۔

بھائیو! مجھے اور آپ کو یہی جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے، اس کے بعد ہمارے لیے مایوسی کا کوئی مقام نہیں یہ جذبہ اگر بیدار ہو تو ایک اکیلا آدمی حق کے لیے پوری دنیا سے لڑائی مول لے سکتا ہے اور پوری ہمت اور بے خوفی کے ساتھ برائی کے خلاف جنگ کرنے کے لیے میدان میں اتر سکتا ہے۔

دوستو! ایک بات آپ ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں وہ یہ ہے کہ خیر کا کام کبھی ضایع نہیں ہوتا، آپ ہرگز یہ نہ سمجھ لیں کہ برائی اور شر کے خلاف آپ جو تھوڑی سی قوت لگائیں تو اس کا فائدہ ہی کیا ہے آپ نیکی کو طاقت پہنچانے کے لیے اور خیر کا علم بلند کرنے کے لیے چاہے کتنا ہی تھوڑے سے تھوڑا عمل کریں وہ کبھی ضایع نہیں ہوتا وہ اپنا پھل لا کر رہتا ہے چاہے اس پر ایک زمانہ ہی گزر جائے۔ آپ بھلائی کو فروغ دینے کے لیے جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ بہر حال اپنا ایک اثر چھوڑتا ہے یہ اثر کبھی جلد دکھائی دے جاتا ہے اور کبھی بہت دنوں کے بعد دکھائی دیتا ہے، کچھ لوگ جب اپنی ان کوششوں کے نتیجے فوراً نہیں دیکھتے یا انہیں کسی قریب زمانے میں اپنی کوششوں کے نتیجے نکلتے نظر نہیں آتے تو ان کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑنے لگتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ برائی کے اس سیلاب کے سامنے ایک تنکا کھڑا کرنے کا فائدہ ہی کیا خرابیوں کے موجودہ طوفان کے مقابلے میں وہ اپنی کوششوں کو بہت حقیر سمجھتے ہیں لیکن ایسا سمجھنا کسی طرح بھی درست نہیں، پہلی بات تو یہی ہے کہ ان کی کوششیں بہر حال ان کے لیے مفید ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلوص کی قیمت ہے نتائج اس کے اپنے ہاتھ

میں ہیں ، اُس نے ہمیں نتائج کے لیے ذمہ دار نہیں ٹھہرایا ہے، ہماری کوششیں کسی حال میں بھی بیکار نہیں جاتیں۔ اور بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ آخرت کے اجر و ثواب کے لحاظ سے ہمیں مایوس نہ ہونا چاہیے بلکہ دُنیوی نتائج کے لحاظ سے بھی ہمیں یہ یقین رکھنا چاہیے کہ بھلائی کے لیے جو چھوٹی سے چھوٹی کوشش بھی کی جاتی ہے وہ اپنا اثر رکھتی ہے اور کبھی نہ کبھی اس کا نتیجہ سامنے آتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حالات چاہے کیسے بھی ہوں اللہ کے لیے کام کرنے والوں کے دلوں میں مایوسی اور نااُمیدی ہرگز نہ پیدا ہونے پائے۔ مؤمن یہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ وہ خیر کے لیے کوئی کام کرے اور وہ ضایع ہو جائے یا اس کے لیے بے نتیجہ رہے اس راہ میں آپ اپنا مال وقت اور اپنی دوسری صلاحیتیں جو کچھ بھی صرف کریں گے اس کا پھل بھی آپ کو ملے گا اور اُس کے اثرات بھی مُرتب ہوں گے البتہ اگر آپ کسی وجہ سے مایوس ہو کر اپنا وقت اپنا مال اور اپنی صلاحیتیں اللہ کی راہ میں صرف کرنے میں کوتاہی کریں گے تو آپ کا اَجر کم ہو جائے گا اور اگر جان بوجھ کر آپ پہلوتہی کریں گے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اِس کوتاہی کا جواب دینا پڑ جائے۔ البتہ اس بات کا پُورا یقین رکھیے کہ اگر آپ نے اپنی حد تک پوری پوری کوشش کر لی تو آپ کو آخرت میں پُورا اجر ملے گا۔ چاہے آپ کی کوششوں کے نتیجہ میں اِس دُنیا سے بُرائی مِٹے یا نہ مٹے وہ نظامِ حق جو آپ قائم کرنا چاہتے ہیں وہ آپ کی آنکھوں کے سامنے قائم ہو یا نہ ہو۔

راہِ حق کے مُسافروں کے لیے یہی وہ پہلو ہے جس کی بُنیاد پر ہمیشہ یہی کہا گیا ہے کہ "بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْن"۔ "مؤمنوں کے لیے خوش خبری دے دو" یقیناً مومنوں کے لیے خوشخبری ہی خوشخبری ہے اِس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

فَاتَّقُوا اللّٰہَ عِبَادَ اللّٰہِ وَاَخْلِصُوا لَہُ الْعَمَلَ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

تین اچھائیاں اور تین بُرائیاں

نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَتُوْبُ اِلَیْہِ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا

اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاۗءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝

بزرگو اور دوستو! اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو۔“ اِس مختصر سی آیت میں تین ایسی چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر پورے انسانی سماج کی دُرستی کا انحصار ہے اور تین ایسی بُرائیوں سے روکا گیا ہے جو تباہی کا اصل سبب ہیں، پہلی چیز عدل ہے اس میں دو باتیں شامل ہیں، ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم رہے یعنی جس کو جتنا ملنا چاہیے اتنا ملے، اور دوسرا یہ کہ ہر ایک کا جو حق ہے وہ اُسے بے لاگ طریقے سے دیا جائے ہماری زبان میں عدل کے مقابلے میں جو لفظ بولا جاتا ہے وہ انصاف ہے لیکن اس سے کچھ ایسا تصور پیدا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم برابر برابر ہونی چاہیے، لیکن یہ بات فطرت کے خلاف ہے اور عدل کا مفہوم اس سے کچھ مختلف ہے، عدل چاہتا ہے کہ حقوق کی تقسیم توازن اور تناسب

کے ساتھ ہو۔ ہر حال میں برابری شرط نہیں ہے، بلاشبہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں برابری ہی ہونی چاہیے۔ اس حد تک یہ بات عدل کے مفہوم میں شامل ہے۔ مثلاً حقوق شہریت میں سب لوگوں کو برابر ہونا چاہیے لیکن کچھ پہلو ایسے بھی ہیں جہاں مساوات عدل کے خلاف ہے۔ مثلاً معاشرتی اور اخلاقی اعتبار سے ماں باپ اور اولاد کے درمیان مساوات درست نہیں۔ اونچے درجوں کی خدمات انجام دینے والوں اور کم درجے کی خدمت کرنے والوں کے معاوضے میں مساوات مناسب نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ انسانی سوسائٹی میں جہاں اس قسم کی بے قید مساوات پر عمل کرنے کی کوشش کی گئی وہ نہ تو کامیاب ہوئی اور نہ اُس کے اچھے نتیجے نکلے۔ اسلام عدل قائم کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے حکم کا منشا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی اور سیاسی اور تمدنی حقوق پوری ایمانداری کے ساتھ ادا کیے جائیں۔ آج انسانی سوسائٹی اسی عدل سے محروم ہے یا تو حقوق کی تقسیم انتہائی ناانصافی کے ساتھ ہو رہی ہے یا پھر اس کے توڑ پر مصنوعی اور غیر فطری مساوات قائم کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اُمن اور اطمینان کی حالت میسر نہیں۔

دوسری چیز جس کا حکم اللہ تعالےٰ دے رہا ہے احسان ہے اس کا مطلب ہے نیک برتاؤ فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویّہ، رواداری، خوش خلقی درگزر ایک دوسرے کے ساتھ رعایت اور ایک دوسرے کا پاس ولحاظ۔ دوسرے کو اُس کے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا یہ انصاف سے زیادہ ایک چیز ہے، اجتماعی زندگی میں اُس کی اہمیت عدل سے بھی زیادہ ہے۔ کوئی معاشرہ صرف اس بُنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا کہ اس کا ہر شخص ہر وقت ناپ تول کر دیکھتا رہتا ہے کہ اُس کا کیا حق ہے تاکہ اُسے وصُول کر کے چھوڑے اور دوسرے کو کتنا حق ہے تاکہ اُسے اُتنا ہی دے دے اس طرح جو تعلقات قائم ہوں گے ہو سکتا ہے کہ اس میں کشمکش نہ ہو حقوق کی چیخ پکار

نہ ہو لیکن محبت شکر گزاری، ایثار اخلاص اور خیر خواہی سے وہ معاشرہ محروم رہے گا۔ زندگی ہو گی جس میں چاہے اُلجھنیں نہ ہوں لیکن اِس میں مٹھاس اور لطف بھی نہیں ہوگا۔

تیسری چیز جس کا حُکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ صلہ رحمی ہے یعنی رشتہ داروں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا اور اُن کے حقوق ادا کرنا۔ اس کا مطلب بس اتنا ہی نہیں ہے کہ آدمی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ خوشی اور غم میں شریک رہے اور جائز حدوں کے اندر اُن کا حامی و مددگار رہے بلکہ اس کے معنیٰ یہ بھی ہیں کہ ہر کھاتا پیتا آدمی اپنے مال پر صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کے حقوق نہ سمجھے بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے۔ خاندان کے خوش حال لوگوں پر شریعت یہ ذمّہ داری ڈالتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑیں۔ اِسلام کی نگاہ میں وہ معاشرہ بہت بُرا ہے جس میں ایک شخص عیش کرے اور اسی کے خاندان کے دوسرے لوگ محتاج اور پریشان ہوں۔ خاندان کے غریب لوگوں کا پہلا حق اپنے خاندان کے کھاتے پیتے لوگوں پر ہے۔ کھاتے پیتے لوگوں پر یہ ذمہ داری ہے کہ پہلے وہ اپنے غریب رشتہ داروں کا حق ادا کریں اس کے بعد دوسرے لوگوں کے حقوق ان پر آتے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی بار بار تشریح فرمائی ہے کہ آدمی کے سب سے پہلے حق دار اس کے ماں باپ ہیں اُس کے بیوی بچے ہیں اس کے بھائی بہن ہیں اور پھر جو زیادہ قریب ہیں اتنا ہی زیادہ اُن کا قریبی حق ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے ایک بار اسی اُصول کے ماتحت ایک یتیم بچّے کی پرورش کا ذمّہ دار اس کے چچا زاد بھائیوں کو بنایا۔ رشتہ داروں کے ہوتے سب سے پہلی ذمّہ داری رشتہ داروں پر آتی ہے اس کے بعد دوسروں پر۔ اسلام ایک ایسا معاشرہ بنانا چاہتا ہے جس کا ہر شخص اپنے اپنے افراد کو سنبھالنے اور اوپر اُٹھانے کا ذمّہ دار ہو اگر یہ پہلو صحیح طریقے پر ہمارے سامنے رہے تو ظاہر ہے کہ ہمارے کتنے ہی مسئلے حل ہو سکتے ہیں جس معاشرے میں ان تینوں باتوں پر ٹھیک ٹھیک عمل ہو۔ ظاہر ہے کہ اس میں کیسی خوش حالی ہوگی اور معاشرتی اعتبار

سے وہاں کیسا میل جول اور کیسی محبت پائی جائے گی اور اخلاقی حیثیت سے اس کا مقام کیسا بلند ہوگا۔ مالکِ کائنات کی یہ ہدایات ہمارے سارے دُکھوں کا علاج ہیں، بشرطیکہ ہم اُنھیں اپنائیں اور اُن کے ہوتے پھر اور دوسری تجویزوں اور ترکیبوں کی طرف نہ دیکھیں۔

اِسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین بھلائیوں کے مقابلے میں تین بُرائیوں کا بھی تذکرہ فرمایا ہے اور ان سے روکا ہے پہلی چیز فحشاء ہے جس میں تمام بے ہودہ اور شرمناک فعل داخل ہیں مثلاً برہنگی، بے حیائی بدفعلی کی ساری صُورتیں چوری، شراب نوشی، بھیک مانگنا، کنجوسی، ظُلم، گالیاں بکنا بدکلامی، غیبت وغیرہ ساری خرابیاں اس میں داخل ہیں۔ان کاموں کا کرنا بھی بُرا اور اُن کا پھیلانا بھی بُرا اسی لیے جھوٹا پروپیگنڈہ تہمت تراشی چھپے ہوئے جرائم کی تشہیر، بدکاریوں پر اُبھارنے والے افسانے اور ڈرامے اور فلم، ننگی تصویریں، عورتوں کا بَن ٹھن کر باہر نکلنا، عورتوں اور مَردوں کا میل جول، اسٹیج پر عورتوں کا ناچنا اور گانا اور اسی طرح کی تمام چیزیں یہ سب فحشاء میں شامل ہیں۔کسی سوسائٹی کو تباہی کی طرف لے جانے والی اور اُسے برباد کرنے والی چیزوں میں یہ ایک بہت اہم خرابی ہے۔

دوسری چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے مُنکر ہے اس میں ہر وہ بُرائی شامل ہے جسے ہر زمانے میں اِنسان نے عام طور پر بُرا سمجھا ہے اور جو ہمیشہ ہر مذہب میں ناپسندیدہ سمجھی گئی ہے۔

تیسری چیز بغی ہے اِس کے معنٰی ہیں حَد سے گزر جانا۔آپ دوسروں کے حقوق پر دست درازی کریں تو یہ بغی ہے اِنسانوں کے حقوق تلف کرنا بھی بغی ہے اور خُدا کے حقوق ادا نہ کرنا بھی بغی ہے۔خُدا کا یہ حق ہے کہ حُکم وہ دے جس نے پیدا کیا ہے وہی حکم چلانے کا بھی حقدار ہے اب اگر یہ حق کسی دوسرے کا تسلیم کیا جائے تو یہ بغی ہے، خدا کی اطاعت کے مقابلے میں دوسروں کی اطاعت کرنا بغی ہے اِسی طرح خُدا کا یہ حق ہے کہ بندگی اور پرستش اس کی کی جائے۔

دُعائیں اس سے مانگی جائیں۔ اب اگر کسی دوسرے کے آگے سر جھکایا جائے اُس کی پرستش اور بندگی کی جائے یا اس سے حاجتیں طلب کی جائیں تو یہ بغی ہے اور یہی سارے فساد کی جڑ ہے کہ اِنسَان خُدا کے حقوق سے مُنہ موڑے اور بندوں کے حقوق تلف کرے۔

بھائیو اور دوستو! اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کا حکم دیا اور تین باتوں سے روکا۔ غور کیجیے تو آپ کے سارے دُکھوں کا علاج گویا اس مختصر ہدایت میں موجود ہے۔ لیکن علاج چاہے کیسا ہی بہتر سے بہتر تجویز کیا جائے اور دوا چاہے کیسی ہی عمدہ سے عمدہ معلوم کی جائے لیکن فائدہ تو اسی وقت ہوگا جب اُسے استعمال بھی کیا جائے یہی حال ان باتوں کا بھی ہے جو ابھی آپ کے سامنے آئیں یہ ہمارا کام ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنی انفرادی زندگی میں اور پھر اپنی اجتماعی زندگی میں عدل قائم کریں، احسان کی فضا پیدا کریں اور رشتہ داروں کے حقوق سے لاپروائی برتنا ترک کردیں۔ اپنے سماج کو فحشاء سے پاک کریں۔ مُنکر سے روکیں اور بغی سے بچائیں یہی ہماری کامیابی کی کنجی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ان ہدایات کی اہمیت کو سمجھیں انھیں قبول کریں اور دُنیا کے سامنے ایک کامیاب سماج کا نمونہ پیش کردیں۔ یہی سب سے بڑی سعادت ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ اَجْمَعِیْنَ اِنَّہٗ ھُوَالْبَرُّ الرَّحِیْمُ ۝

دین کی دعوت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ، وَ لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ، وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ اَحْمَدُہٗ عَلٰی نِعَمِہٖ وَاَشْکُرُہٗ، وَقَدْ تَاَذَّنَ بِالزِّیَادَۃِ لِلشَّاکِرِیْنَ۔ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ، لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَا رَبَّ لَنَا سِوَاہُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی "وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ، وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ، وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔"

عزیزو اور دوستو!

دین کی طرف دعوت دینے کا کام اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ مسلمان اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اللہ کی زمین شر اور فساد سے پاک رہے۔ اللہ کی نظر میں سب سے بڑا فساد یہ ہے کہ اللہ کے بندے کسی اور کو اپنا آقا اور مالک بنا لیں یا اپنے آقا کو بھول جائیں اور سمجھ لیں کہ اُن کا کوئی آقا اور مالک ہے ہی نہیں۔

بھائیو! آپ نے ایک عرصے سے اپنی اِس ذمہ داری کو جیسا ادا کرنا چاہیے، ادا نہیں کیا۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اگر آپ کسی بُرائی کو روکنے کی طرف سے غفلت برتیں گے تو اُس کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپ کے دِل سے بُرائی کی نفرت کم ہونے لگے گی۔ اور اچھی باتوں کی قدر آپ کے دِل میں گھٹ جائے گی۔ اور اتنا ہی نہیں کچھ دنوں بعد حالت یہ ہوگی کہ بُری

باتیں بھلی معلوم ہونے لگیں گی اور اچھی باتوں سے دل اُچاٹ ہو جائے گا۔

اور اتنا ہی نہیں معاملہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور انسان کی بدنصیبی اِس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ پھر وہ بُرائی کا علمبردار ہو جاتا ہے اور بھلائی کو مٹانے پر تُل جاتا ہے۔ جب یہ نوبت آجاتی ہے تو کھلم کھُلا بدی کا پرچار ہونے لگتا ہے اور نیکی کی راہیں بند ہو جاتی ہیں۔ بھلے لوگوں کی زندگی دُشوار ہو جاتی ہے، بُرے لوگ ہر طرف چھا جاتے ہیں۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار دین کی دعوت کی طرف سے غفلت برتنے کے نتائج بیان فرماتے ہوئے مُؤثر انداز میں ارشاد فرمایا:۔

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا طَغٰى نِسَاءُكُمْ وَفَسَدَ شَبَابُكُمْ وَتَرَكْتُمْ جِهَادَكُمْ۔

"اُس وقت تمہارا حال کیا ہوگا جب تمہاری عورتیں بے قابو ہو جائیں گی، تمہارے نوجوان بَدچلن ہو جائیں گے اور تم دین کی راہ میں جدوجہد کرنا چھوڑ بیٹھو گے"۔

بھائیو! آپ جانتے ہیں کہ کسی سماج میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سماج کی عورتیں ان حدوں سے باہر ہو جائیں جن کا پاس ولحاظ رکھنا معاشرے کی اصلاح کے لیے ضروری ہے۔ عورت کی طرف سے اگر آوارگی اور آزادی کی ابتدا ہو اور وہ چال چلن کے اعتبار سے بے قید ہو جائے تو پھر اس معاشرے میں اخلاق اور پاکیزگی نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی۔ یہی صُورت نوجوانوں کی بداخلاقی کی ہے۔ جب یہ بگڑتے ہیں تو پھر اصلاح کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا ــــــ پھر اُس وقت اس فساد کی انتہا ہو جاتی ہے جب نیک اور صالح لوگ ان خرابیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جدوجہد بھی چھوڑ بیٹھیں اور گوشوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے میں ہی اپنی نجات سمجھ لیں۔ جہاد دراصل دین کی رُوح ہے ہر مسلک اور ہر نظام کو اپنے قیام کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ اس کے ماننے والے اس کو قائم کرنے اور قائم رکھنے کے لیے مُسلسل جدوجہد کرتے رہیں، جب کسی نظام کے قائم کرنے اور قائم رکھنے والے ہاتھ

ڈھیلے پڑ جاتے ہیں تو پھر وہ نظام قائم نہیں رہتا۔ یہی بات اسلامی نظام کے بارے میں بھی سچ ہے۔ اس کو قائم رکھنے کے لیے ایک طرف تو ایک صالح معاشرے اور بہترین اخلاقی قدروں کی ضرورت ہے لیکن دوسری طرف مسلسل جدوجہد بھی درکار ہے۔ اِنھی دو باتوں کی طرف حضوؐ کے ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے۔

جب صحابۂ کرامؓ نے حضورؐ کی زبان سے یہ بات سُنی تو انھیں بڑا تعجب ہوا۔ کیونکہ ان کے سامنے جو اسلامی معاشرہ موجود تھا اُس کو دیکھتے ہوئے یہ کچھ اَن ہونی سی بات معلوم ہوتی تھی کہ عورتیں اور نوجوان اِس طرح بُرائی کا شکار ہو جائیں گے اور مُسلمان اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنا چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ انھوں نے تعجب کے ساتھ عرض کیا "قَالُوْا وَاِنْ ذٰلِكَ لَكَائِنٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" بولے اے اللہ کے رسُول کیا یہ بھی ہونے والا ہے"؟ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"قَالَ نَعَمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ وَاَشَدُّ مِنْہُ سَیَکُوْنُ"

ہاں۔ بے شک یہ بھی ہوگا اور قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اِس سے بھی زیادہ سخت مرحلہ آنے والا ہے۔

حضورؐ کی زبانِ مُبارک سے یہ بات سُن کر تو سُننے والوں کو اور زیادہ تعجب ہوا اور اُنھوں نے پُوچھا: اے اللہ کے رسُولؐ! اس سے زیادہ سخت مرحلہ اور کون سا ہے؟ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

كَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا لَمْ تَاْمُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔

اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب نہ تم نیکی کا حکم دوگے اور نہ بُرائی سے روکوگے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعینؓ کے لیے یہ خبر اور بھی زیادہ حیرت میں ڈالنے والی تھی اُن کے ذہنوں میں تو اہلِ ایمان کا نقشہ یہی تھا کہ یہ ایک ایسی جماعت کا نام ہے جس کا مقصدِ زندگی ہی نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا ہے وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی مُسلمان ایسا

بھی ہو سکتا ہے جو نہ نیکی کا حکم کرے اور نہ برائی سے روکے۔ چنانچہ انھوں نے پھر نہایت تعجب کے ساتھ عرض کیا کہ "یارسول اللہ! کیا یہ بھی ہونے والا ہے ؟" اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی ارشاد فرمایا۔ فرمایا ہاں ایسا بھی ہوگا۔ مزید فرمایا کہ اُس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس سے بھی سخت مرحلہ سامنے آنے والا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ وہ کیا مرحلہ ہے ؟ ارشاد ہوا کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا رَءَیْتُمُ الْمَعْرُوْفَ مُنْكَرًا وَّالْمُنْكَرَ مَعْرُوْفًا اُس وقت تمھارا کیا حال ہوگا جب تم دیکھو گے کہ معروف منکر بن گیا اور منکر معروف ہو گیا۔

یہ بات اور بھی زیادہ تعجب کی تھی۔ اُس وقت کے ذہنوں میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی تھی کہ اللہ کے دین کے نام لیوا اور رسول اللہؐ کے اُمتی ایسے ہو جائیں گے کہ اُن کی نظر میں برائی اور بدی بھلی ہو جائے اور جو باتیں اچھی ہیں اور اللہ کو پسند ہیں اُنہیں وہ ناپسند کرنے لگیں۔ اُن کے ذہنوں میں مسلمانوں کی جو خصوصیات تھیں ان کے پیشِ نظر وہ لوگ ایسا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ اُنھوں نے پھر اپنے شدید تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ "یارسول اللہؐ! کیا ایسا بھی ہو جائے گا ؟" اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا "ہاں ایسا بھی ہو جائے گا بلکہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اس سے بھی زیادہ سخت مرحلہ آنے والا ہے" صحابہؓ نے پھر عرض کیا کہ "یارسول اللہؐ! اس سے زیادہ سخت اور کیا مرحلہ ہوگا ؟" تب ارشاد فرمایا كَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا اَمَرْتُمْ بِالْمُنْكَرِ وَنَهَيْتُمْ عَنِ الْمَعْرُوْفِ" اُس وقت تمہارا حال کیا ہوگا جب خود تم برائی کا حکم دو گے اور بھلائی سے روکو گے۔

اِس کیفیت کا تو تصور بھی صحابہؓ کے لیے قابلِ برداشت نہ تھا۔ یہ تو ان کے لیے ایسا ہی تھا کہ جیسے پانی کا کام اگرچہ آگ بجھانا ہے لیکن کبھی ایسا ہو جائے کہ پانی ہی سے آگ لگنے لگے اُن کے ذہنوں میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی تھی کہ مسلمان جو خود خیر کا سرچشمہ ہے اس کے دم سے بدی پھیلنے لگے۔ اور جو پیدا ہی ہوا ہے بدی مٹانے کے لیے وہی بدی کو پروان چڑھانے لگے چنانچہ

اُنھوں نے پھر اپنے شدید تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ یارسُول اللہؐ! کیا یہ بھی ہونے والا ہے؟ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اس خُدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اِس سے بھی زیادہ سخت مرحلہ آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ـــــ کہ "میں نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ اس وقت میں ان کے لیے ایسا فتنہ برپا کروں گا کہ بڑے بڑے سنجیدہ لوگ بھی چکّر میں پڑ جائیں گے"۔

بھائیو اور عزیزو! یہ ہے وہ آخری منزل اس خرابی اور اس بدنصیبی کی جس کی ابتداء دعوت کے کام کی طرف سے بے پَروائی کے نتیجے میں ہوتی ہے اور پھر منزل بہ منزل ترقی کرتے کرتے اِس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ پھر کوئی علاج ممکن نہیں رہتا۔ خیر کا چراغ گُل ہو جاتا ہے۔ فساد اور ظلم کی اندھیری چھا جاتی ہے۔ اِنسان کی اخلاقی رہنمائی کے لیے کوئی شکل باقی نہیں رہتی اور انسان اپنے ہاتھوں بوئے ہوئے کانٹوں اور جھاڑ جھنکاڑ میں ایسا اُلجھ کر رہ جاتا ہے کہ پھر بچاؤ کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ ہر تدبیر اُلٹی پڑتی ہے جس اُلجھن کو دُور کرنا چاہتا ہے اُس کے نتیجے میں دس نئی اُلجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں جس مصیبت کو دُور کرنا چاہتا ہے اُس کے نتیجے میں سیکڑوں عذاب جان کے لاگو ہو جاتے ہیں اور پھر اُسے کہیں کوئی روشنی دِکھائی نہیں دیتی۔

دعوتِ دین کی طرف سے بے نیازی، اپنے ماحول کو بُرائیوں سے پاک کرنے کی کوشش سے جان چُرانا، بَدی اور فساد کو پھیلنے دینا، ایسی بڑی کوتاہی ہے کہ اس کی وجہ سے آپ کو شخصی طور پر تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کرنا ہی پڑے گی۔ لیکن بات اِتنی ہی نہیں ہے بلکہ مسلمان اگر اپنی اِس ڈیوٹی سے غافل ہوتا ہے تو ساری انسانیت تباہی کا شکار ہوتی ہے۔ آج دُنیا جس فساد اور بَدامنی کی حالت میں گرفتار ہے وہ دراصل اسی فرض سے کوتاہی برتنے کا نتیجہ ہے مسلمانوں کی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے دُنیا کی رہنمائی کے لیے مامور کیا تھا۔ جب یہی اپنے فرض سے غافل ہو گئے تو نتیجہ اس کے سوا کیا ہوتا جسے اب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

بھائیو اور عزیزو! یہ ہے آپ کا حقیقی مقام اس دُنیا میں اور یہ ہیں آپ کی ذمہ داریاں

اب اِس حقیقت کی روشنی میں کیا ہم میں سے ہر ہر شخص کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی حالت کا جائزہ لے۔ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھے اور اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق اللہ سے توفیق طلب کرتے ہوئے دین کی دعوت کے کام کے لیے اُٹھ کھڑا ہو، اللہ تعالےٰ ہم سب کو اپنی خوشنودی کے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جو کوتاہیاں ہو چکی ہیں اُن سے درگزر فرمائے اور آئندہ کے لیے ہمیں ہمت دے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور اُدا کریں۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

سچّائی کی قدر و قیمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَثْنٰى عَلٰى عِبَادِهِ الصَّادِقِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ وَصِدْقِهِمْ اَلْفَوْزَ الْعَظِيْمَ ۔ اَحْمَدُهٗ سُبْحَانَهٗ حَمْدَ مَنْ خَافَهٗ وَرَجَاهُ وَاَشْكُرُهٗ مُعْتَرِفًا لَّهٗ بِنَعْمَاهُ ۔

وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ الصَّادِقُ الْاَمِيْنُ ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهِ الَّذِيْنَ اَثْنَى اللّٰهُ عَلَيْهِمْ بِالصِّدْقِ وَوَصَفَهُمْ بِهٖ وَالتَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۔

اَمَّا بَعْدُ ۔ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ : يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۔

دوستو اور عزیزو! ——— اللہ تعالیٰ کا ارشاد آپ نے سُنا فرمایا: "کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچّوں کے ساتھی بن جاؤ"۔

باری تعالیٰ کا یہ فرمان اس کے ان بندوں کے لیے ہے جو اُسے اپنا آقا اور مالک مانتے ہیں اور جنہوں نے اُس کی اطاعت کا اقرار کیا ہے۔ جنہیں یہ یقین ہے کہ اُن کا مالک ہر ہر بات سے باخبر ہے اور ایک دِن اُنہیں اُسی کے حضور کھڑے ہو کر اپنے اچھے اور بُرے کاموں کا حساب دینا ہے۔

ایسے لوگوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم زندگی میں کوئی کام ایسا نہ کرو جو اللہ کو ناخوش کرنے والا ہو۔ ہر وقت اللہ کا خوف تمھارے دِل میں موجود رہے، اور تم جو کچھ کرو اُس کی نافرمانی سے ڈرتے

ہوئے کرو اور تمہیں یہ ڈر لگا رہے کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے اور تمہیں اس کے عذاب سے دوچار ہونا پڑے۔ دل کی اسی کیفیت کا نام تقویٰ ہے۔ یہی کیفیت انسان کو بُری باتوں سے روکتی ہے اور نیکی کے راستوں پر چلاتی ہے۔ اسی کیفیت کے نتیجے میں وہ اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ جن کا نتیجہ جنت ہے۔ اور یہی کیفیت انسان کو اس راستے سے محفوظ رکھتی ہے جو دوزخ کی طرف لے جانے والا ہے اور یہ آپ جانتے ہی ہیں کہ جسے جنت مل گئی اور جو دوزخ سے بچا لیا گیا وہی اصل میں سب سے بڑا کامیاب شخص ہے دُنیا میں بھی اُس کے لیے خیر ہے اور آخرت میں بھی بہترین انجام اسی کے لیے ہے۔

عزیزو اور دوستو! تقویٰ کی روش اختیار کرنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ تم صادقین کے ساتھی بنو۔ صادقین ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو اپنے ایمان میں سچے ہیں جو اپنے اقوال میں سچے ہیں۔ اور جو اپنے افعال میں سچے ہیں۔ فرمایا گیا تم ایسے ہی لوگوں کو اپنا ساتھی بناؤ تمہیں چاہیے کہ تم ایمان میں ان کے ساتھی بنو جو ایمانی کیفیات ان کے اندر ہیں وہی تم بھی اپنے اندر پیدا کرو۔ اقوال میں اُن کے ساتھی بنو جس طرح کی باتیں ان کے مُنہ سے نکلتی ہیں ویسی ہی باتیں تم کرو جس طرح وہ اللہ کے دین کا چرچا کرتے ہیں دوسروں تک اُس کی باتیں پہنچاتے ہیں لوگوں سے نرمی اور خوش خلقی سے بات کرتے ہیں ویسا ہی انداز تم بھی اختیار کرو پھر افعال میں بھی تم ان کے ساتھی بنو۔ ان کے صبح و شام کے مشاغل کیسے پاکیزہ ہیں اُن کا وقت اللہ کی عبادت میں صرف ہوتا ہے۔ مخلوق خدا کی خدمت میں صرف ہوتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے میں صرف ہوتا ہے تم بھی ایسا ہی طریقہ اختیار کرو اعمال میں بھی اُن کے ساتھی بنو۔ وہ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں جان کی بازی لگاتے ہیں تم اُن کے دست و بازو بن کر ان کا ساتھ دو۔ دین کی خاطر وہ گھر چھوڑ کر نکلیں تو تم بھی اُن کے ساتھ نکلو۔ دین کی خاطر وہ جان لڑائیں تو تم بھی قدم پیچھے نہ ہٹاؤ ہر مرحلہ میں اُن کے ساتھ رہو۔ یہ لوگ وعدے کے سچے ہیں۔ جو کچھ کسی سے کہہ دیتے ہیں ویسا ہی

کرتے ہیں۔ تم بھی ایسے ہی بنو۔ یہ لوگ معاملات کے کھرے ہیں۔ دھوکہ، چھل، فریب کے قریب نہیں پھٹکتے۔ تمہیں بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ تم بھی انہی جیسا بننے کی کوشش کرو۔ ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی۔ یہی ہے مطلب کُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کا۔

اللہ کے بندو! سچائی کی قدر و قیمت پہچانو یہ انسانی اخلاق میں سب سے اونچے درجہ کا اخلاق ہے۔ شخصی زندگی کے لیے بھی انتہائی ضروری اور جماعتی زندگی کے لیے بھی انتہائی اہم۔ کسی انسان کی انسانیت سچ کے بغیر ترقی نہیں کرسکتی اور اجتماعی زندگی کا کوئی نظم بغیر سچ کے باقی نہیں رہ سکتا۔ کوئی فرد یا کوئی جماعت خوبیوں کے ادنیٰ درجے تک بھی نہیں پہنچ سکتی جب تک اس میں سچائی کی خوبی نہ ہو۔ سچائی ایمان کی دلیل ہے۔ نفس کی پاکیزگی کی علامت ہے قلب کی اصلاح کی ضامن ہے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ تمام انسانی صفات کی بنیاد ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے بندہ اللہ کو بھی محبوب ہوتا ہے اور بندوں کو بھی۔ ایسے شخص کو لوگ سچا جانتے ہیں اس سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ بھی اُس سے محبت کرتا ہے سچے ہی آدمی سے لوگ معاملہ کرنا پسند کرتے ہیں اس کی عزت کرتے ہیں اگر وہ عالم ہے تو اُس کے علم پر بھروسہ کرتے ہیں۔ فائدہ اُٹھاتے ہیں اگر طبیب ہے تو اُس کے مشوروں کو وزن دیتے ہیں اور اُسکی بتائی ہوئی تدبیروں پر عمل کرتے ہیں۔ اگر وہ تاجر ہے تو اُس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی سے معاملہ کرتے ہیں غرضیکہ زندگی کے ہر میدان میں اس کا مقام اونچا رہتا ہے اور وہ اپنے سچ کی وجہ سے کامیابی حاصل کرتا ہے نفع کماتا ہے۔ عزت کا مقام پاتا ہے اور لوگوں کا محبوب ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی شخص سے یہ صفت جاتی رہے۔ لوگ اُسے جھوٹا سمجھنے لگیں تو ہمیشہ وہ اس کے نفاق سے گھبراتے ہیں اس کے دھوکے اور جال سے ڈرتے ہیں۔ کبھی اس پر بھروسہ نہیں کرتے۔ اور ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں کہ نہ جانے کب اور کہاں دھوکہ دے جائے۔ کیونکہ جسے اللہ کا خوف نہیں، وہ بندوں کا خوف کیا کرے گا۔ معاملات کا کھرا اور سچا تو وہی شخص ہو سکتا ہے جسے یہ یقین ہو کہ اُس کی زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ لکھ لی جاتی ہے۔ اور اُس کے افعال اور اعمال کی نگرانی کرنے

کے لیے اللہ نے فرشتے مقرر کر دیئے ہیں۔

بھائیو آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نہایت شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے کہ انسان کوئی بات بغیر علم کے نہ کہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ کان اور دل بھی کی باز باز پرس ہونی ہے۔ یعنی جو کچھ کہو پورے علم اور یقین کی بنیاد پر کہو شبہ اور گمان کی بنیاد پر باتیں منہ سے نہ نکالو کیونکہ اس صورت میں انسان جھوٹ کا مرتکب ہو جاتا ہے اور غلط باتیں منہ سے نکالنے لگتا ہے۔

سب سے بڑا جھوٹ اللہ کے ساتھ دوسروں کو اس کے اختیارات حقوق اور صفات میں شریک کرنا ہے۔ اسی کا نام شرک ہے اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا ظلم اور بالکل ناقابلِ معافی جرم قرار دیا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی جھوٹ بات کہنا بدترین گناہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کوئی جان بوجھ کر میرے بارے میں جھوٹ بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "دیکھو سچ کو اپنے اوپر لازم کر لو کیونکہ سچ انسان کو نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ اور ایک شخص سچ بولتا رہتا ہے اور سچ پر ہی جما رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے نزدیک سچا لکھ لیا جاتا ہے۔ اور دیکھو تم جھوٹ سے پرہیز کرو کیونکہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں اور ایک شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ پر جما رہتا ہے یہاں تک اُسے اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔" حضورؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ "نہایت افسوس ہے اُن پر جو لوگوں میں بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں اس لیے سُناتے ہیں کہ انھیں ہنسائیں۔ اور اس میں وہ جھوٹ بولتے ہیں تو بڑی تباہی ہے ایسے لوگوں کے لئے صحیح

بڑی تباہی۔"

اللہ کے بندو! فیصلہ کرلو کہ اب اللہ کا تقویٰ اختیار کروگے ہر معاملے میں سچائی اختیار کرنا اپنے اوپر لازم کرلوگے۔ اسی سے تمام خیر کے دروازے کھلتے ہیں۔ یہی اللہ کی مرضی کا راستہ ہے۔ یہی راستہ جنّت کی طرف لے جاتا ہے اور خبردار جانتے بوجھتے کبھی جھوٹ کے قریب نہ جاؤ۔ جھوٹی بات مُنہ سے نہ نکالو کیونکہ تمام بُرائیوں کے دروازے اسی سے کھلتے ہیں یہی راستہ اللہ کی ناخوشی کا راستہ ہے اور یہی انسان کو دوزخ تک لے جاتا ہے۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو ایمان اور عمل کی سچائی نصیب کرے اور ہر طرح کے جھوٹ سے باز رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں یہ سعادت عطا فرمائے کہ ہم قرآن پاک سے اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایات سے اپنی زندگی کے لیے صحیح روشنی حاصل کرتے رہیں خود سچے بنیں اور سچوں کے ساتھی بن جائیں۔ جھوٹ سے دُور رہیں اور جھوٹوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہ رہے۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاسْتَغْفِرُهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ٥

اللہ کا وعدہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ اَحْمَدُهٗ سُبْحَانَهٗ وَاَشْكُرُهٗ وَاَسْئَلُهُ التَّوْفِيْقَ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ بِيَدِهِ الْهِدَايَةُ وَالتَّوْفِيْقُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ التَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِاِحْسَانٍ ۝

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِیْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِیْ شَيْئًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

بزرگو اور بھائیو! آپ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنا۔ وہ فرماتا ہے کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ اُن کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، اور اُن کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی موجودہ حالتِ خوف کو اَمن سے بدل دے گا پس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔ تم نماز

قائم کرو۔ زکوٰۃ دو اور رسُول کی اطاعت کرو۔ اُمید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔"

بھائیو! آپ نے سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو خلافت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ بات اُن مُسلمانوں سے نہیں کہی گئی ہے جو صرف مَردم شماری کے اعتبار سے مُسلمان ہیں بلکہ یہ وعدہ اُن مُسلمانوں سے ہے جو ایمان میں سچّے ہوں جن کے اخلاق و اعمال اچھے ہوں اور جو اللہ کے اس دین کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرنے والے ہوں جو اللہ کو پسند ہے۔ پھر اُن کی زندگی ہر طرح کے شرک سے پاک ہو وہ کسی کو نہ خُدا کی ذات میں شریک ٹھہراتے ہوں اور نہ کسی کو ان اختیارات اور حقوق کا مالک سمجھتے ہوں جو اللہ کے لیے مخصوص ہیں وہ صرف اللہ کے بندے ہوں اس کے سوا کسی کی غلامی اور اطاعت کا پھندہ ان کے گلے میں نہ ہو۔ لیکن جو لوگ ان خوبیوں کے اعتبار سے کورے ہوں اور محض زبانی ایمان کے مُدعی ہوں۔ تو ان سے نہ اللہ نے خلیفہ بنانے کا وعدہ کیا ہے اور نہ وہ خلافت کے لائق ہی ہیں تو ایسے لوگوں کو جن میں وہ خوبیاں نہ ہوں جن کا ذکر اوپر ہوا کبھی یہ اُمید نہ رکھنا چاہیے کہ اُنھیں وہ عزت اور سربلندی نصیب ہوگی جس کا وعدہ اللہ نے کیا ہے۔

بھائیو! حکومتیں تو دُنیا میں قائم ہوتی ہی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ دُنیا کا انتظام بہرحال چلے گا۔ اگر اللہ کے نیک بندے اور اُس کا نام لینے والے اپنے اندر وہ خُوبیاں پیدا نہ کرسکیں گے جن کا ذِکر اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اور جو اس کا خلیفہ بننے کے لیے ضروری ہیں تو پھر اُنھیں دُنیا کا انتظام نہیں سونپا جائے گا اور پھر وہ لوگ آگے ہو جائیں گے جو دوسرے اعتبار سے بہتر ہوں گے کچھ لوگ جب اللہ کے نافرمانوں اور اُس کے باغیوں کو حکومتوں کی کرسیوں پر دیکھتے ہیں تو اُنھیں دھوکا ہونے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دعویٰ کیسا ہے کہ اُس نے ایسے لوگوں کو حکومت عطا فرمائی۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے خلافت کا وعدہ فرمایا ہے، اور اس سے مُراد وہ حکومت ہے جو اللہ کے بنائے ہوئے قانون پر عمل کرے اور یہ ثابت کر دِکھائے کہ وہ واقعی اللہ کی نیابت کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کر رہا ہے۔ اللہ نے اِسی کا وعدہ

کیا ہے۔ ایسی حکومت کے مستحق صرف اہلِ ایمان ہیں۔ وہ اہلِ ایمان جن میں اخلاق اور عمل صالح کی صفات موجود ہوں۔ ایسے ہی نیک لوگوں کے ہاتھوں اللہ کا پسندیدہ دین یعنی اِسلام مضبوط بُنیادوں پر قائم ہوتا ہے اور یہ نعمت صِرف اللہ کے اُن بندوں کے نصیب میں آتی ہیں جو خالِص اللہ کی بندگی پر قائم رہیں جن کی زندگیوں میں شرک کی ملاوٹ ذرا بھی نہ ہو۔

بھائیو! آپ نے دیکھا کہ مُسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے کیسا بڑا وعدہ فرمایا ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ اللہ سے زیادہ سچا وعدہ اور کسی کا نہیں ہوسکتا اسے ہر طرح کی قدرت حاصل ہے وہ جو چاہے کرسکتا ہے اس کے وعدے کے پُورا کرنے میں کہیں سے کوئی رُکاوٹ نہیں ڈالی جاسکتی۔ اب اگر مُسلمان خلافت سے محروم ہیں اُنھیں دوسروں کی غلامی میں زندگی گزارنا پڑرہی ہے یا وہ طرح طرح کے خوف اور اندیشوں کا شکار ہیں اُن کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہیں ہے تو اُس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ اپنے کو مُسلمان کہتے تو ہیں لیکن ان کی بہت بڑی تعداد ان خوبیوں سے محروم ہے جن کے بغیر اللہ کا یہ وعدہ پُورا نہیں ہوسکتا۔

بھائیو! یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ کے دین کی سربلندی کا انحصار کثرت اور قِلت پر نہیں ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ تعداد میں کم لوگوں نے بارہا اپنے سے زیادہ لوگوں پر فتح پائی ہے۔ اللہ کا وعدہ جو قیامت تک اس کی کتاب میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ بالکل سچا ہے وہ اس وعدے کو پُورا کرکے رہے گا وہ اپنے لشکر کی مَدد فرماتا رہا ہے اور آئندہ بھی فرمائے گا۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اللہ کے بندوں میں ایمان اخلاق اور عمل صالح کی وہ خوبیاں پیدا ہو جائیں جن کی ضرورت ہے۔ اللہ کے دین کی سَربلندی کے لیے صرف تعداد کی کثرت شرط نہیں ہے اس کے لیے کچھ اور ہی صفات مطلوب ہیں۔

بزرگو اور بھائیو! جن صفات کا ذِکر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کے ساتھ فرمایا

ہے ان پر پوری توجہ دینا ہم میں سے ایک ایک آدمی کی ذمے داری ہے، ایمان، اخلاق اور عمل صالح کے اعتبار سے ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے۔ اللہ کے دین کے ساتھ ہمارا جو عملی تعلق ہے اُس پر غور کرنا چاہیے۔ اللہ کی بندگی اور اُس کی اطاعت کے سلسلے میں ہمارا جو حال ہے ہمیں اُسے اپنے سامنے رکھنا چاہیے اور اللہ کے سوا جن دوسروں کی غلامی اور وفاداری کے طوق ہماری گردنوں میں پڑگئے ہیں اُنھیں ہمیں محسوس کرنا چاہیے اور ان تمام پہلوؤں سے ہم میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی زندگی کو درست کرنا چاہیے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ کسی ایک دو یا دس بیس آدمیوں کے دُرست ہو جانے کے بعد ہی اللہ کا وعدہ پُورا ہو جائے اور جس حکومت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ مِل جائے اس کے لیے تو بہر حال وہ سارے اسباب جمع ہونا ضروری ہیں جن کے بغیر انقلابات نہیں آیا کرتے لیکن ہم میں سے ہر شخص کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ چاہے دُنیا میں خلافت ملنے کا وعدہ آج پُورا ہو یا اس میں ابھی کچھ وقت لگے وہ شخص بہر حال کامیاب ہے جس نے اپنی زندگی کو دُرست کرلیا اُسے یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ کی مدد اُس کی شامل حال ہوگی اُس پر اللہ کی خصوصی رحمت کا سایہ رہے گا اور اگر وہ کسی آزمائش کا شکار بھی ہوگیا تو یہ بھی اُس کے درجات کی بلندی کا سبب بنے گا اور نتیجے کے اعتبار سے آخرت میں وہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہوگا جو اس دِن اللہ کی رحمت کے سائے میں ہوں گے جس دن سوائے اس کی رحمت کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ایسے شخص کو اللہ تعالےٰ سکونِ خاطر اور اطمینانِ قلب نصیب فرمائے گا وہ ان حالات میں بھی مطمئن اور ثابت قدم رہے گا جن حالات میں اس سے زیادہ مضبوط اور طاقت ور لوگوں کو آپ انتہائی پریشانی کا شکار دیکھیں گے۔ اللہ کی ذات پر اعتماد اس کے رحم و کرم پر بھروسہ انسان میں وہ قوت پیدا کرتا ہے جس کا اندازہ وہ لوگ کر ہی نہیں کر سکتے جو یا تو خدا پر ایمان نہیں رکھتے یا جن کا ایمان کسی اعتبار سے کمزور ہے۔

عزیزو اور دوستو! ایمان کی جن صفات کا ذکر اوپر بار بار آپ کے سامنے کیا گیا ان

کے پیدا کرنے کے لیے جو تدبیر آپ کو کرنا ہے۔ اس کا ذکر بھی اللہ تعالےٰ نے اِسی موقع پر فرمادیا ارشاد فرمایا ہے کہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رسُولؐ کی اطاعت کرو۔ اُمید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ یہ ہے وہ تدبیر جس سے آپ اللہ تعالےٰ کے رحم وکرم کو متوجہ کرسکتے ہیں۔ اور جس کی بدولت آپ کی زندگی صحیح اِسلامی زندگی بن سکتی ہے۔ نمازوں کا اہتمام کیجیے، اِس طرح جیسے کہ اہتمام کرنے کا حق ہے۔ آپ پابندی سے نماز پڑھیں، اور سوچ سمجھ کر پڑھیں۔

جماعت کا اہتمام کریں اور نماز پڑھتے وقت آپ کے اندر وہ صفات زیادہ سے زیادہ پیدا ہوں جو ایک اچھی نماز کے لیے شرط ہیں۔ نماز اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق میں سب سے اہم حق ہے اور اس کی تاکید کا مطلب یہی ہے کہ آپ اللہ کے تمام حقوق ٹھیک ٹھیک اَدا کریں اِسی طرح زکوٰۃ بندوں کے حقوق میں ایک بہت بڑا بنیادی حق ہے اُس کی تاکید سے اشارہ اس طرف ہے کہ تم بندوں کے حقوق میں بھی کوتاہی نہ کرو۔ زکوٰۃ اِسلامی عبادات میں ایک نہایت اہم بنیادی عبادت ہے اِس کا نظم قائم کرنا اُسے پابندی سے اَدا کرنا مُسلمانوں کی نہایت اہم ذمّے داری ہے۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں اگر ہم اپنی زکوٰۃ کا نظم دُرست کرلیں تو یقین رکھیے کہ ہمارے بہت سے اجتماعی مسائل انتہائی خوبی کے ساتھ حل ہوجائیں اور آخری بات یہ کہ جب تک رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت نہ ہوگی سُنّت کی پیروی کا جذبہ زندگی کے تمام کاموں میں موجود نہ ہوگا۔ ہماری زندگیاں اسلامی نہیں ہوسکتیں۔ یہی وہ باتیں ہیں جن کے بغیر ہم اللہ کے رحم وکرم کے ہمیشہ سے زیادہ ضرورتمند ہیں، ہمارے لیے اس کے رحم وکرم کے سوا اب کوئی سہارا باقی نہیں ہے ہم نے اپنی سب تدبیریں آزما دیکھیں ہمیں کہیں سے وہ کامیابی نہیں ملی جو ہم چاہتے تھے ہمیں یقیناً اپنے آقا اور مولا کے رحم وکرم کی ضرورت ہے اس کے بغیر ہمارا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

دوستو اور عزیزو —— اللہ تعالیٰ انتہائی کریم ورحیم ہے۔ اُس کا دامن

رحمت ہر وقت ہمیں اپنے سائے میں لینے کے لیے تیار ہے۔ شرط ایک ہی ہے کہ ہم اُس کے دامن کے سائے کی طرف قدم تو بڑھائیں اُس کا وعدہ ہے کہ اگر ہم اس طرف ایک قدم بڑھائیں گے تو اُس کی رحمت ہماری منزل آسان کر دے گی اس کی رحمت خود ہماری طرف متوجہ ہو گی لیکن اگر ہم مُنہ پھیر کر دوسری طرف بھاگتے رہیں اور اس کے رحم وکرم سے محروم رہیں تو پھر شکوہ کس بات کا۔ معاملہ ہم میں سے ہر شخص کی اپنی ذات کا ہے وہ خود اپنے کو دُرست کرے۔ اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑے۔ اپنے ساتھ لے چلنے کی کوشش کرے اور بالکل یک سو ہو کر رب کی رحمت طلب کرے وہ یقیناً ملے گی۔

اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا وَّیُمۡدِدۡکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِیۡنَ وَیَجۡعَلۡ لَّکُمۡ جَنّٰتٍ وَّیَجۡعَلۡ لَّکُمۡ اَنۡہٰرًا۔

بھائیو! اللہ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہو۔ وہ بڑا مہربان اور بخشش کرنے والا ہے، اُس کی راہ میں جدوجہد کا پُورا پُورا حق اَدا کر دو۔ اُس نے تمہیں ایک بہترین اُمت بنایا ہے وہ تمہارا بہترین مددگار ہے۔ ہم اللہ سے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں اپنی کتاب اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت سے فائدہ پہنچائے۔ اور اب میں اللہ سے اپنے لیے آپ کے لیے اور تمام مُسلمانوں کے لیے ہر گُناہ سے استغفار کرتا ہوں آپ بھی اللہ سے معافی چاہیں بے شک وہ غفور الرحیم ہے۔

اَسۡتَغۡفِرُ اللہَ لِیۡ وَلَکُمۡ وَلِسَائِرِ الۡمُسۡلِمِیۡنَ مِنۡ کُلِّ ذَنۡبٍ وَّاَتُوۡبُ اِلَیۡہِ وَاَسۡتَغۡفِرُ وَاللہِ اِنَّہٗ ھُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ۔

دشمن کا مقابلہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتَابَ وَاَخْرَجَ النَّاسَ بِہٖ مِنَ الْجَھْلِ وَالضَّلَالِ اِلٰی نُوْرِ الْعِلْمِ وَالْھُدٰی، اَحْمَدُہٗ سُبْحَانَہٗ وَاَشْکُرُہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، وَ اَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَرْسَلَہُ اللّٰہُ دَاعِیًا اِلَی الْھُدٰی وَالْاِصْلَاحِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

بھائیو اور عزیزو ——— !

حالات موافق اور مخالف آتے ہی رہتے ہیں ۔ افراد کی زندگی میں بھی نرم اور گرم حالات آتے ہیں ۔ قوموں کی زندگی میں بھی آسانیاں اور سختیاں آتی رہتی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ اُس نے ہمیں اپنے دین کی نعمت سے نوازا ۔ یہ دین ہمیں پوری زندگی کے لیے اور زندگی کے تمام حالات کے لیے واضح ہدایات دیتا ہے ۔ زندگی کا کوئی مرحلہ ایسا نہیں جس کے لیے رہنمائی اللہ کے دین میں موجود نہ ہو چنانچہ عیش اور آسانیوں کی حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے وہ بھی ہمیں بتا دیا گیا ہے اور پریشانیوں اور مشکلات میں ہمارا طریقہ کیا ہو یہ بھی ہمیں سکھا دیا گیا ہے ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دین سے ہمارا رشتہ مضبوط ہو اور ہم ہر حال میں دین کی رہنمائی کی طرف رجوع کریں اور ہر حال میں اللہ کی ہدایات سے روشنی حاصل کریں ۔

عزیزو اور دوستو ! اس وقت مختلف اسباب کے ماتحت ہم اور آپ بہت سخت حالات سے دوچار ہیں کچھ تو یوں ہی امن و امان کی فضا ختم ہو رہی ہے پھر خاص طور پر ہمارے

لیے حالات اور زیادہ سخت ہیں۔ایسے حالات میں ہمیں ایک واقعہ سے رہنمائی ملتی ہے۔حضرت عمرؓ کا زمانہ تھا۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ غیر اسلامی ممالک میں دعوت و تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ دشمن قوی تھا۔حالات خطرناک تھے ایسے وقت حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو نصیحت فرماتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ "میں تم کو اور تمہارے ساتھ جو دوسرے مسلمان ہیں اُن سب کو حکم دیتا ہوں کہ ہر حال میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔یہی اللہ کا تقویٰ دشمن کے خلاف سب سے بہتر ساز و سامان ہے اور یہی جنگ کی بہترین چال ہے۔"

بھائیو! آپ نے دیکھا کہ دشمن کے مقابلے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے مسلمانوں کو کیا مشورہ دیا۔آپ جانتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی ترقی کا دَور تھا۔دشمن کے مقابلے میں ان کی طاقت کم نہ تھی ایسے موقعوں پر کوئی کمانڈر اپنے سپاہیوں کو جو مشورہ بھی دیتا، اس سے بالکل مختلف مشورہ حضرت عمرؓ نے اپنے فوجیوں کو دیا۔اصل بات یہ ہے کہ جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتا ہے اور اُس کی ناخوشی سے ڈرتا رہتا ہے، اَللہ کی تائید اور حفاظت اُس کے ساتھ ہوتی ہے اور مومن کا سب سے بڑا سہارا اللہ کی حفاظت اور نصرت ہے۔یہ نہ ہو تو بڑے سے بڑے ساز و سامان سے بھی کام نہیں چل سکتا اور یہ حاصل ہو تو معمولی قوت کے ساتھ بھی اپنے سے کہیں زیادہ قوت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔مومن کا کام یہ ہے کہ وہ کسی حال میں اپنے آپ کو اللہ کی حفاظت اور اُس کی نصرت سے محروم نہ ہونے دے اور اُس کے لیے بہرحال تقویٰ کی ضرورت ہے۔

اِسی موقع پر حضرت عمرؓ نے مزید نصیحت فرماتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ "دیکھو تم لوگ دشمن سے حفاظت کا جتنا خیال رکھتے ہو، اس سے زیادہ اپنے کو معصیت سے بچانے کا خیال رکھنا۔اِس لیے کہ تمہارا گناہ خود تمہارے لیے تمہارے دشمن سے زیادہ خوفناک ہے۔مسلمان اس لیے کامیاب ہوتا ہے کہ اُس کے دشمن اللہ کی معصیت میں گرفتار ہوتے ہیں اور اللہ کی تائید

اور نصرت سے محروم ہوتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہو تو ہم کبھی اُن کے مقابلے میں کامیاب نہ ہوں اِس لیے نہ ہم تعداد میں اُن کے برابر ہیں اور نہ ساز و سامان میں، ایسی حالت میں اگر ہم معصیت میں بھی اُن کی سطح پر آجائیں تو اُن کی طاقت ہم سے بڑھ جائے گی لیکن اگر ہم معصیت سے دُور رہیں تو ہم اُن پر غالب رہیں گے اور یہ غلبہ قوت کی زیادتی کے سبب نہیں ہوگا بلکہ معصیت سے دُور رہنے کے باعث ہوگا۔

دوستو اور بزرگو ــــ! حضرت عمرؓ کی اِس نصیحت کی روشنی میں اگر ہم اپنے گریبان میں مُنہ ڈالیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ہماری پریشانی کا اصل سبب کہاں ہے۔ بلاشبہ ہم تعداد میں کم ہیں۔ ساز و سامان بھی ہمارے پاس تھوڑا ہی ہے لیکن ہم کیا معصیت میں بھی دوسروں سے کم ہیں؟ یقیناً نہیں پھر بتائیے کہ ہمیں کامیابی کیسے حاصل ہو۔ اب دو ہی صورتیں ہیں اگر ہم کسی دشمن سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو اس سے زیادہ طاقت اور اس سے زیادہ ساز و سامان فراہم کریں۔ پھر یہ ممکن ہے کہ اگر ہم اس معصیت میں اس سے کم نہ ہوں تب بھی وہ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ دُنیا میں دو مقابل طاقتوں کے فیصلے اسی بُنیاد پر ہوتے رہتے ہیں لیکن اگر آپ دُنیا کی اور دوسری قوموں کی طرح ایک قوم نہیں ہیں بلکہ آپ ایک ایسی اُمت ہیں جس کا تعلق اللہ سے اور اللہ کے دین سے ہے تو پھر آپ کے لیے کامیابی کی ایک ہی راہ ہے۔ آپ معصیت میں دوسروں سے کم رہیں۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی معصیت سے قطعاً دُور رہیں۔ یوں کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کریں۔ اپنی پُوری زندگی پر گہری نظر ڈالیں۔ جہاں جہاں اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہو تو اس سے بچیں عبادات میں کوتاہی ہو تو اُسے پُورا کریں۔ معاملات میں خرابی ہو تو اُسے دُور کریں۔ اسی طرح اخلاق، معاشرت، معیشت، حقوق العباد غرض یہ کہ پُوری زندگی کو اللہ کی ہدایات کے مطابق بسر کرنے کا فیصلہ کریں۔ آپ کی طاقت کا اصل سرچشمہ یہی ہے۔ آپ کو پہلی جنگ اپنے نفس اور اپنی خواہشات سے کرنا ہے۔ آپ اس میں جیت جائیں گے تو اللہ تعالیٰ

آپ کو ہر دشمن پر فتح نصیب کرے گا۔ دوستو آپ خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب اُس کے نام لیوا معصیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وہ اُن پر ایسے لوگوں کو مسلّط کرتا ہے جو ان سے بھی بُرے ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل نے جب اللہ کی نافرمانی کی راہ اختیار کی تو اُن پر مجوس کو مسلط کیا گیا۔ جب مسلمانوں نے اللہ کی راہ سے مُنہ موڑا تو اُن پر کبھی چنگیزیوں کو غلبہ دیا گیا اور کبھی اسرائیلیوں کو، آج جو ہماری حالت ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی اسی سُنّت کے عین مطابق ہے جب تک ہم اللہ کے غضب کو حرکت میں لانے والے اعمال کا ارتکاب کرتے رہیں گے ہمارے لیے فلاح کی کوئی راہ ہموار نہ ہوگی ہمارا معاملہ دوسرے تمام لوگوں سے مختلف ہے۔ یہاں دو قوموں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایک طرف ہم ہیں جو اللہ کے وفادار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کے باوجود اس دعوے کے تقاضے پُورے نہیں کرتے اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنھوں نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا اس لیے یہاں معاملہ دو قوموں کا نہیں ہے۔ یہاں کامیابی اور ناکامی کے فیصلے کے لیے کچھ دوسرے ہی اُصول ہیں ہمیں تو جب بھی غلبہ نصیب ہوگا وہ محض اللہ کی مدد اور اس کی رحمت اور نصرت کی بُنیاد پر ہوگا۔ اِس لیے ہمارا سب سے پہلا کام یہی ہے کہ ہم اپنے آپ کو اللہ کی مدد اُس کی نصرت اور اُس کی رحمت کا مستحق بنائیں۔ اپنے نفس کے خلاف اللہ سے مدد طلب کیجیے۔ اِس کے بعد اپنی ہر کامیابی کے لیے اللہ سے فتح کی طلب کیجیے۔ یہی ہماری کامیابی کی راہ ہے۔

دوستو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور اُس کی معصیت سے دُور رہنے کا جو مشورہ آپ کے سامنے آیا اگر اجتماعی طور پر اس پر عمل ہونے لگے تو آپ دیکھیں گے کہ ہمیں اجتماعی فائدے حاصل ہوں گے اور اجتماعی طور پر ہم اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فضل کا مشاہدہ کریں گے لیکن جب تک یہ بات حاصل نہیں ہے۔ ہم میں سے ہر ہر شخص کو انفرادی طور پر تقویٰ اختیار کرنے اور معصیت سے بچنے کا فوری اہتمام کرنا چاہیے ایسا کرتے ہی ہمیں انفرادی

فائدے حاصل ہونے لگیں گے۔ بالکل ممکن ہے کہ اگر آپ کا اپنا ذاتی معاملہ اللہ تعالٰی سے ٹھیک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اِس دُنیا میں آپ کی حفاظت کریں اور آپ مختلف پریشانیوں سے محفوظ رہیں لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ظاہرہ حالات میں جب تک اللہ تعالٰی کی اجتماعی نصرت نہ آئے آپ کو اس زندگی میں کچھ نقصان پہنچ جائے لیکن یہ یقین رکھیے کہ اگر تقویٰ کی زندگی بسر کرتے ہوئے اور معصیت سے دُور رہتے ہوئے آپ کو یہاں کوئی نقصان بھی پہنچ جائے۔ یہاں تک کہ آپ کو اپنے جان و مال سے بھی محروم ہونا پڑے تب بھی ہرگز افسوس کا مقام نہیں ہے یہ خود ایک بڑی کامیابی ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالٰی کے یہاں جو بلند درجے نصیب ہوں گے اُن کے مقابلے میں جان و مال کے یہ نقصانات کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ مُومن کی نظر ہر حال میں آخرت کے انجام پر رہتی ہے وہ پُوری بے خوفی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرتا ہے اور اگر وہ کبھی سخت حالات میں گھِر بھی جائے تو مَردانہ وار مقابلہ کرتا ہے وہ دشمنوں کے لیے نرم چارا نہیں ہوتا وہ اپنی حفاظت کے لیے آخری دَم تک کشمکش کرتے ہوئے جان دیتا ہے کیونکہ اُسے یہ بتا دیا گیا ہے کہ جان و مال کی حفاظت کے لیے بھی اگر کوئی شخص جان دیتا ہے تو وہ شہید ہے اور شہادت مُومن کی نظر میں سب سے بڑی دولت ہے۔ شہید کا درجہ اللہ تعالٰی کی نظر میں بہت اونچا ہے اور یہ آپ جانتے ہی ہیں کہ مُومن کی نظر اسی آخری انجام پر ہے وہ دُنیا کا سب کچھ دے کر بھی اللہ کے نزدیک اونچا درجہ حاصل کرنا چاہتا ہے یہی اُس کی آرزو ہے اور اسی کے لیے وہ کوشش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسی آخری کامیابی کے لیے جان توڑ کوشش کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنی خوشنودی سے نوازے اور جس دن سوائے اس کے فضل اور رحمت کے کوئی سہارا ممکن نہ ہو گا وہ ہمیں اپنے فضل اور رحمت سے سرفراز فرمائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

ایمانؔ کا مفہوم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ وَرَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَحْمَدُہٗ سُبْحَانَہٗ لَہُ الْکِبْرِیَاءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَسَلِّمْ ——— اَمَّا بَعْدُ۔

عزیزو اور دوستو!

آپ جانتے ہیں کہ اسلام کی بُنیاد ایمان پر ہے اور ایمان کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ پر اُس کے رسُولوں پر، اُس کی کتابوں پر، قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، اور تقدیر پر ایمان لائے۔ یوں تو ایمان کے بہت سے اجزا ہیں لیکن اللہ پر ایمان ان سب اجزا کی بُنیاد ہے۔ اِس کے بغیر ایمان کا کوئی دوسرا جز و مستند نہیں۔ سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے کا مطلب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ اِس کا مطلب صِرف یہ نہیں ہے کہ اللہ ہے۔ اللہ تو یقیناً ہے۔ آپ مانیں تب بھی اور نہ مانیں تب بھی ۔ صِرف اِتنی بات کہ "اللہ ہے" تو بہت سے کافر بھی مانتے ہیں۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ یہ بات تسلیم کریں کہ اللہ ہی اس کائنات کا خالق ہے اور ہمیں بھی اسی نے پیدا کیا ہے۔ وہی اس کا مالک ہے۔ یہاں جو کچھ ہے اُسی کا ہے۔ وہی ہمارا حاکم ہے اور ہم سب اُس کے محکوم ہیں۔ عبادت کے لائق صِرف وہی ہے۔ ہم سب اُس کے غلام ہیں اور ہمیں اُس کی بندگی کرنا چاہیے۔ جب کوئی شخص ان سب باتوں کو سچے دل سے مان لے اور ان سب باتوں کا اقرار کرے تو ہم کہیں گے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آیا۔ اِسی طرح اللہ کے رسُول پر ایمان لانے کا مطلب بھی صِرف یہ نہیں ہے کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو

اللہ کا رسول مان لیں یہ تو ایک واقعہ کا اظہار ہوا ایمان لانے کا فائدہ جب ہوگا کہ جب آپ دل سے یہ بات مان لیں کہ اس کائنات کے فرمانروا کی طرف سے دُنیا کے بسنے والے انسانوں کے لیے ہدایت کا پیغام لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں۔ آپؐ نے جو کچھ بتایا ہے وہ اللہ کے حکم کے مطابق بتایا ہے اور اب ہمیں دُنیا کے تمام کاموں میں آپؐ ہی سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنا ہے۔ ہم اب ہر معاملہ میں آپؐ ہی کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں گے اور آپؐ ہی کی بات مانیں گے۔ آپؐ کی ہدایت اور حکم کے خلاف کسی کی بات نہ مانیں گے اور آپ کو چھوڑ کر ہم کسی دوسرے کے پیچھے نہیں چلیں گے۔

اِسی طرح اللہ کی کتاب پر ایمان لانے کا مطلب بھی صرف یہ نہیں ہے کہ ہم یہ بات مان لیں کہ قرآن مجید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ خُدا کی طرف سے اُتاری گئی ہے اور ہم یہ بات تسلیم کریں کہ اب ہماری رہنمائی اور ہدایت کے لیے آخری سند یہی کتاب ہے جو ہدایت یا حکم اِس کتاب سے ثابت ہے وہی ماننے کے قابل ہے اس کے خلاف کسی بڑے سے بڑے انسان کی بات بھی ماننے کے قابل نہیں۔ ہماری زندگی کے لیے بنیادی قانون وہی ہے جو اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ اس کے خلاف کوئی قانون ایسا نہیں جس کی اطاعت کی جائے۔ یہی قانون انسان کی زندگی کے لیے بہترین قانون ہے۔

اِسی طرح آخرت پر ایمان لانے کا مطلب بھی صرف اِتنا نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ یہ بات تسلیم کرلیں کہ مَرنے کے بعد انسان دوبارہ زندہ ہوگا۔ یہ ایمان بھی اس وقت مکمل ہوتا ہے جب آپ دِل سے یہ بات مان لیں کہ ہم اِس زندگی میں جو کچھ کر رہے ہیں ہمیں اِس کا حساب آخرت کی زندگی میں اپنے مالک کے حضور دینا ہوگا اور اُسی کے مطابق ہمیں اچھا یا بُرا بدلہ ملے گا ہم ان سب باتوں کو دل سے سچا جانیں جو آخرت کے بارے میں قرآن پاک میں بیان ہوئی ہیں یا جن کا ذِکر صحیح حدیثوں میں آتا ہے۔ جب تک اِنسان کو اللہ تعالےٰ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے ہر ہر کام کے حساب دینے کا یقین نہ ہو، آخرت پر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

بزرگو اور دوستو! یہ تو ہے ایمان کی تشریح جب تک آپ ان تمام باتوں کو دل سے سچا نہ جانیں اور زبان سے اقرار نہ کریں آپ کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ اِسی ایمان کی بُنیاد پر اسلام قائم ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جو کچھ مانا ہے۔ آپ اسی کے مطابق عمل بھی کرنے لگیں۔ مثلاً آپ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ہمارا آقا مالک اور معبود صرف اللہ ہے یہ بات مان لینے کے بعد آپ واقعی اللہ کے بندے بن جائیں۔ عبادت اسی کی کریں، اطاعت اسی کی کریں اس کے احکام کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھائیں۔ اُس کی طرف سے جو حکم ملے اُس کے ادا کرنے میں کوئی حیلہ بہانہ تلاش نہ کریں وہ جس کام سے روک دے آپ اُس سے رُک جائیں وہ جس کام سے منع کرے آپ اُس کے قریب نہ جائیں تو یہ اِسلام ہے اسی طرح رسولؐ پر ایمان لانے کو سمجھ لیجئے کہ اگر واقعی آپ ایسی زندگی بسر کر رہے ہیں جس میں آپ ہر کام رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق کر رہے ہیں ہر کام میں ان کی اطاعت کو مقدم رکھتے ہیں اور کبھی ایسے کام کے قریب نہیں جاتے جس سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے تو یہی اسلام ہے اسی طرح اگر آپ اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب قرآن کی ہدایات پر عمل کرتے ہیں اور جو قانون اس کتاب میں دیا گیا ہے اُس کے ماتحت زندگی گزارتے ہیں اور ہر کام کرتے وقت یہ دھیان رکھتے ہیں کہ آیا اس کام کا بدلہ قیامت میں اچھا ملے گا یا بُرا اور اس طرح آپ کی زندگی قرآنی ہدایات کے مطابق بسر ہو رہی ہے اور ہر معاملے میں آپ آخرت کی جواب دہی کا خیال رکھ کر ہی کوئی رویّہ اختیار کرتے ہیں تو یہی اسلام ہے۔ اِسلامی زندگی میں جنت کا شوق اور دوزخ کا خوف قدم قدم پر نمایاں ہوتا ہے مُسلمان کو آپ ہر اس کام کی طرف لپکتے دیکھیں گے جس سے جنت ملتی ہے اور وہ ہر اس کام سے دُور بھاگے گا جس کے نتیجے میں دوزخ کا اندیشہ ہو۔

اِس طرح آپ نے دیکھا کہ ایمان کا مطلب ہے کہ کچھ باتوں کا زبان سے اقرار کرنا اور انھیں دِل سے ماننا۔ اِسلام کا مطلب ہے ان پر عمل کرنا۔ ایمان لانے کے بعد جب کوئی شخص اسلامی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کرے گا تو اُس کا ہر کام اللہ اور اس کے رسُول کی ہدایت

کے مطابق ہوگا اور ہر کام کی آخری غرض آخرت کی کامیابی ہوگی۔ اسلامی زندگی کے بنیادی ستون وہ احکام ہیں جن کی تعمیل ہر مسلمان پر ایمان لاتے ہی فرض ہو جاتی ہے، اِس میں نماز، روزہ زکوٰۃ اور حج اسلامی زندگی کے انتہائی اہم ارکان ہیں اُن کے بغیر آپ اِسلام کا کوئی تصور نہیں کر سکتے یہ اگر نہ ہوں تو سمجھنا چاہیے کہ ابھی اسلام میں کسر ہے۔ یہی وہ اہم ستون ہیں جن پر اسلامی زندگی تعمیر ہوتی ہے۔

آپ یہ بات بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ اِسلام انسان کی پُوری زندگی کو اللہ کی ہدایات کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے ایسا نہیں ہے کہ زندگی کے چند معاملات اَور عبادات کا تعلق تو اسلام سے ہو اور زندگی کے باقی معاملات میں انسان آزاد ہو کہ جو چاہے کرے۔ لیکن اکثر ایسا ہوا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے کہ اللہ کے بندے زندگی کے تمام معاملات میں اسلام کی بتائی ہوئی راہ پر یا تو خود نہیں چلتے یا دوسرے انھیں چلنے نہیں دیتے جب ایسی صُورت حال پیدا ہو جائے تو اِسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ مسلمانوں کو اِس بات کے لیے پُوری جدوجہد کرنا چاہیے کہ زندگی کے تمام معاملات میں اسلام ہی غالب رہے اور مسلمان کی زندگی کا کوئی حصّہ بھی اِسلام سے باہر نہ رہنے پائے۔ اِسی کا نام جہاد ہے۔ اِس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کا بندہ بَن کر رہنے میں جو جو رُکاوٹیں سامنے آئیں انھیں دُور کرنے کی جان توڑ کوشش کی جائے۔ لوگوں کے ذہنوں کو پلٹنے کے لیے ضرورت ہو تو تقریر اور تحریر سے کام لیا جائے جس طرح کی دَوڑ دھوپ کی ضرورت ہو وہ کی جائے اور یہ کوشش اس وقت تک جاری رہے جب تک اللہ کا دین غالب نہ ہو جائے۔ یہانتک کہ اگر اس کام کی خاطر جان اور مال کی قربانی کی ضرورت بھی ہو تو پیچھے نہ ہٹا جائے اور جب اِس راہ میں جنگ کی ضرورت آ جائے تو اُس سے بھی مُنہ نہ موڑا جائے۔ اِس طرح جان لڑانے اور جدوجہد کرنے کو اسلام میں سب سے بڑی عبادت کہا گیا ہے۔ یہی وہ سب سے اہم ذمّہ داری ہے جو ایمان کا اقرار کرنے کے بعد ہر مُومن پر آ جاتی ہے۔ اُسے سب سے پہلے

یہ کوشش کرنا پڑتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اُس کی اپنی زندگی اسلامی ہدایات کے مطابق بسر ہو اس میں کوئی چیز اسلام کے خلاف نہ رہنے پائے اور پھر اس کے بعد دوسروں تک اللہ کے دین کی دعوت پہنچانا اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی اختیار کرنے کے لیے تیار کرنا اور اللہ کے دین کو دُنیا میں غالب کرنے کے لیے جہاں تک ممکن ہو مسلسل جدوجہد کرتے رہنا مسلمان کی سب سے اہم ذمہ داریاں ہیں۔ یہ ذمہ داریاں کسی خاص شخص یا گروہ یا جماعت کے لیے مخصوص نہیں ہیں۔ بلکہ ہر اُس شخص پر عائد ہوتی ہیں جو ایمان کا اقرار کرے چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو بُوڑھا ہو یا جوان مرد ہو یا عورت امیر ہو یا غریب لکھا پڑھا ہو یا ان پڑھ۔ دوستو اور عزیزو میں نے آپ کی ذمہ داریوں کی طرف اپنی گفتگو میں جو اشارے کیے ہیں ہوسکتا ہے وہ آپ کو کچھ زیادہ بھاری محسوس ہوں لیکن جب آپ ایمان اور اسلام کو سمجھیں گے تو محسوس کرلیں گے کہ یہ ہماری وہ کم سے کم ذمہ داریاں ہیں جو ہر مسلمان پر عائد ہوتی ہی ہیں اور یہ بات آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمان سے اللہ تعالےٰ نے جس نعمت بھری جنت کا وعدہ کیا ہے وہ آخر کوئی ایسی گری پڑی چیز تو نہیں ہے کہ بغیر کسی محنت کے یوں ہی کسی خاص خاندان یا گھرانے میں پیدا ہو جانے کی وجہ سے کسی کو مل جائے۔ ہر نعمت کے لیے انسان کو کچھ کوشش کرنا پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو صاف صاف ارشاد فرمایا ہے کہ مومن کی جان اور مال سب کچھ اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ اگر آپ اقرار کرتے ہیں کہ آپ مُومن ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ کوئی چیز آپ کی اپنی نہیں ہے جسے آپ بچا کر رکھیں آپ تو سب کچھ جنت کے بدلے بیچ چکے ہیں۔ اب آپ کو زندگی صرف اس طرح گزارنا ہے جو اللہ کو پسند ہو۔ اور آپ کو اپنی تمام صلاحیتیں صرف اِس طرح کام میں لانی ہیں جس طرح اللہ کی مرضی ہو۔ اس کام کے لیے سب سے پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ آپ اپنے دل اور دماغ میں اِس بات کا فیصلہ کرلیں کہ چاہے حالات کیسے ہی ہوں آپ کو ایک مسلمان کی طرح زندگی بسر کرنا ہے۔ حالات کیسے ہی ہوں آپ کو پکا مسلمان بن کر رہنا

ہے۔ اِس فیصلہ کے بعد آپ اپنے وقت کی قدر کیجیے۔ محنت سے کام کرنے کی عادت ڈالیے، وقت ایک دولت ہے جو اللہ نے دی ہے اس کو بے کار نہ ہونے دیجیے، کوئی نہیں جانتا کہ یہ مُہلت کب ختم ہونے والی ہے۔ آپ کو جو طاقت اور صلاحیت اللہ نے دی ہے وہ اللہ کی امانت ہے چاہے یہ مال و دولت ہو یا ذہنی و عملی صلاحیت اس کی قدر کیجیے اس کو صیح کاموں میں لگائیے جہاں تک بن پڑے اپنی دینی معلومات کو بڑھائیے۔ اچھی کتابوں کا مطالعہ کیجیے۔ دوسروں سے پڑھوا کر سُنیئے، اور دینی معلومات سے ہمیشہ اپنے ایمان کو تازہ رکھیے اور عمل کی قوت کو بڑھائیے۔ ایسی کتابیں فراہم کیجیے جو آپ کو آپ کے دین سے واقف کرائیں۔ قُرآن کا مطالعہ کیجیے اُردو میں قرآن کے ترجمے اور تفسیریں اچھی خاصی موجود ہیں ان سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کیجیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے ترجمے اور تشریحیں ہماری زبان میں موجود ہیں اُن کو پڑھیے اُن پر غور کیجیے اور ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کیجیے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت آپ کے صحابہؓ کی زندگیوں کے حالات اور دوسرے بزرگانِ دین کی پاکیزہ زندگیوں کے حالات کا مطالعہ کیجیے اِسی سے آپ کے اندر دینی رُوح پیدا ہوگی جن لوگوں کے لیے ممکن ہو وہ کچھ نہ کچھ عربی زبان سیکھنے کی ضرور کوشش کریں۔ اللہ کی کتاب سے فائدہ اُٹھانے اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے نفع حاصل کرنے کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔

اِسلامی زندگی بسر کرنے کے لیے نماز کا اہتمام ایسا ہی ضروری ہے جیسے زندہ رہنے کے لیے خوراک۔ اس سے کبھی غفلت نہ برتیئے اِس کے بعد نماز روزہ، زکوٰۃ اور حج کو اُن کی شرعی پابندیوں کے ساتھ اَدا کرنے کا اہتمام کیجیے۔ آج سارے ماحول میں غیر اسلامی خیالات اور اعمال کی بے حد کثرت ہے اُن سے دامن بچانے کے لیے بڑے اہتمام کی ضرورت ہے۔ ہر طرح کی بداخلاقی، بدکرداری اور غیر اسلامی کاموں سے پُوری کوشش کے ساتھ بچیے جب تک یہ ابتدائی باتیں اختیار نہ کی جائیں اور جہاں تک آپ کے بس میں ہے آپ اپنی زندگی کو اسلامی سانچوں میں نہ ڈھالیں اس وقت تک اگلا قدم بڑھانے کی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ دین کو قائم کرنا آپ

کی ذمہ داری ہے۔ پہلے اپنے نفس پر پھر اپنے قریبی ماحول پر اور پھر اس کے بعد اس کا دائرہ آگے وسیع ہوتا ہے۔ اُس کی صحیح ترتیب یہی ہے۔ جو لوگ اِس ترتیب کو اُلٹ دیتے ہیں وہ نہ یہاں کامیاب ہوتے ہیں اور نہ آخرت کی کامیابی اُن کے حصّے میں آتی ہے۔ اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرُاللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِالْمُسْلِمِیْنَ اِنَّهٗ هُوَالْبَرُّالرَّحِیْمُ۔

قرآن کا حق

(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ اَحْمَدُہٗ سُبْحَانَہٗ عَلٰی نِعَمِہِ الَّتِیْ لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰی وَالشُّکْرُہٗ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کِتَابٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ مُبَارَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِہٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ اَمَّا بَعْد۔

بھائیو اور عزیزو ـــــــ!

ہمارا اور آپ کا ایمان ہے کہ قرآن پاک اللہ کی آخری کتاب ہے یہ زمین اور آسمان کے بادشاہ کی طرف سے انسانیت کے نام آخری فرمان ہے اور اس اعتبار سے اس کی قدر وقیمت کا ہم جو اندازہ بھی لگائیں وہ کم ہی ہوگا جو لوگ اس حقیقت کو جانتے اور مانتے ہیں اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اور آپ ان ہی لوگوں میں سے ہیں، اُن کی سب سے اہم ذمّہ داری یہ ہے کہ وہ خود اپنے سے یہ سوال کریں کہ کیا وہ اِس فرمانِ عالی کا حق ادا کر رہے ہیں، وہ حق جو انھیں اَدا کرنا چاہیے۔ یہ بات اِس لیے بھی بہت ضروری ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی کی کامیابی اس کے بغیر ممکن ہی نہیں کہ ہم اِس فرمانِ عالی کا حق ٹھیک ٹھیک اَدا کریں۔

بھائیو اور عزیزو! میں آج کی صحبت میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر مسلمان پر قرآن مجید کے حقوق کیا کیا ہیں۔

قرآن کا سب سے پہلا حق تو ہم پر یہ ہے کہ ہم اُس پر ایمان لائیں۔ آپ جانتے ہیں کہ

ایمان کے دو پہلو ہیں۔ ایک زبان سے اقرار کرنا دوسرے دِل سے سچا جاننا۔ تو قرآن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اِس بات کا اقرار کریں کہ یہ سب اللہ کا کلام ہے۔ اِس میں کوئی ایک لفظ بھی کسی اور کا شامل نہیں ہے جو کچھ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ اللہ کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترا تھا وہ یہی ہے بالکل مکمل اور جُوں کا توں۔ کسی نے اس میں نہ کچھ گھٹایا ہے اور نہ بڑھایا ہے۔ یہ بات ہم زبان سے بھی کہیں اور دل سے بھی اسی بات کو سچا جانیں۔ اِس کے خلاف کوئی بات ہم تسلیم نہ کریں۔

عزیزو! ایمان کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ زبان سے اقرار کرنے اور دل سے سچا جاننے کے دعوے کے باوجود کبھی کبھی یہ بہت کمزور حالت میں ہوتا ہے اور انسان کو خود پتہ نہیں چلتا کہ اُس کے دل میں ایمان کس درجے کا ہے۔ البتہ دِل کی اس کیفیت کو انسان کے ظاہری اعمال سے ایک حد تک پرکھا جا سکتا ہے۔ یہی قرآن پر ایمان لانے کی بات لے لیجیے۔ اگر قرآن پر ویسا ایمان ہو گا جیسا کہ ہونا چاہیئے تو پھر آپ کے دل میں اُس کی بڑی عظمت ہو گی۔ آپ کا دل اُسے پڑھنے کو چاہے گا۔ پڑھنے میں دل لگے گا۔ پڑھتے وقت آپ پر کیفیت طاری ہو گی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپؐ جب قرآن پڑھنے کھڑے ہوتے تو ایسا محو ہو جاتے کہ کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں سوج جاتے تھے کبھی ایک تہائی کبھی آدھی اور کبھی دو تہائی رات اِسی طرح بسر ہو جاتی۔ کبھی کبھی آپؐ پر اتنا زیادہ اثر ہوتا کہ آپ کے آنسو بہنے لگتے۔ بات یہی تھی کہ آپؐ کو پُورا پُورا یقین تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اس کلام کی عظمت سے آپؐ کا دل معمور تھا اور یہ ممکن نہیں تھا کہ کہیں سے اس کی کوئی آواز کان میں پڑی ہو اور آپؐ متوجہ نہ ہو گئے ہوں۔ اس کے مقابلے میں دیکھیے ہمارے دِلوں کا حال کیا ہے۔ اُس کی عظمت سے ہمارے دل خالی ہیں۔ پڑھنے میں دِل نہیں لگتا۔ اس پر غور و فکر کی طرف رغبت نہیں ہوتی۔ اُس کے احکام اور ہدایات بار بار ہمارے سامنے آتی ہیں۔ لیکن ہم اکثر سُنی اَن سُنی کر دیتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ جانتے بُوجھتے بہت سے کام ایسے کرتے ہیں جن

کی صاف صاف ممانعت قرآن میں موجود ہے اور ایسے کاموں سے جان چراتے ہیں جن کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

عزیزو اور دوستو! میں آپ کو ملامت کرنے کھڑا نہیں ہوا ہوں۔ البتہ اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ میں خود اپنے نفس سے اور آپ سے یہ کہوں کہ ہم ذرا اپنے دل کو ٹٹولیں اور دیکھیں کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم محض ایک موروثی عقیدے کے طور پر قرآن کو اللہ کی کتاب تو کہتے ہوں لیکن ہماری زندگی اور زندگی کے معاملات سے اُس کا کوئی تعلق نہ ہو۔

آپ کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اچھا پھر اس کمی کو دُور کرنے کے لیے ہم کیا کریں۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ اس ایمان کو بڑھانے کا ذریعہ بھی خود قرآن ہی ہے۔ ایمان کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے ہم باہر سے لاکر دل میں ٹھونس دیں۔ یہ تو ایک روشنی ہے جو انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اِس روشنی کو پیدا کرنے اور بڑھانے میں خود قرآن کے مطالعہ سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ماحول کے اثر اور غلط تعلیم و تربیت کی وجہ سے انسان کے اندر کی یہ روشنی مدھم پڑنے لگتی ہے اور دُھندلی ہو جاتی ہے۔ بُرے اعمال اور گندے مشاغل بھی ایمانی روشنی کو دُھندلا کرتے ہیں۔

قرآن کا مطالعہ، جس کا ذکر ذرا تفصیل سے انشاءاللہ آئندہ آپ کے سامنے آئے گا، خود اِس بات کے لیے کافی ہے کہ اس سے آپ کی ایمانی کیفیت میں اضافہ ہو۔ اس میں وہ دلیلیں بھی آپ کے سامنے آئیں گی جن سے آپ کا یقین بڑھے گا وہ تفصیلات بھی آپ پڑھیں گے جن سے اس ایمان کو قوت ملے گی۔ اِس سے دِل کے زنگ دُور ہوتے ہیں۔ اسی سے مُردہ جذبات میں تازگی آتی ہے۔

قرآن پر ایمان جیسے جیسے گہرا اور مضبوط ہوتا جائے گا۔ قرآن کے ساتھ ہمارے تعلق میں بھی ایک انقلاب آئے گا ہم اپنے حقیقی مالک اور آقا کو دیکھ نہیں سکتے۔ اُس کی کوئی بات سُن نہیں سکتے البتہ اس کا یہ کلام ہمارے پاس ہے اور یہ ممکن نہیں کہ جس کی عظمت اور محبت کا احساس

ہم اپنے اس آقا کے سلسلے میں اپنے دل میں پائیں، اسی لگاؤ، اسی محبت اور اسی عظمت کا احساس اُسی کلام کے بارے میں ہمارے دلوں میں پیدا نہ ہو ہمیں محسوس ہو گا کہ یہی وہ سب سے بڑی دولت اور عظیم ترین نعمت ہے جو ہمیں میسر ہے۔ اس وقت اس کی تلاوت ہماری رُوح کی غذا بن جائے گی۔ اس کے بغیر ہمیں چین نہ آئے گا اور ہمارے دِل و دماغ کے لیے یہی ایک روشنی ہوگی جس کی مدد سے زندگی کے ہر شعبے میں ہم رہنمائی حاصل کر سکیں۔ اس کے پڑھنے سے کبھی ہمارا دل نہ بھرے گا۔ اِس پر غور و فکر کرنے سے رُوحانی مسرت حاصل ہوگی اور ہم اپنی بہترین صلاحیتیں اسی کو سمجھنے اور سمجھانے پر لگانے میں اپنی سب سے بڑی سعادت محسوس کریں گے۔

دوستو اور عزیزو ــــــ یہ ہے اللہ کی کتاب کا پہلا حق جو ہم پر عائد ہوتا ہے ہم اللہ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اِس حق کو اَدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَقُولُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اِنَّہٗ ھُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ۔

قرآن کا حق

(۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، خَلَقَ فَدَبَّرَ وَاَشْهَدُ اَنَّ نَبِيَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَكْرَمُ نَبِيٍّ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اَشْرَفُ كِتَابٍ، نَبِيٌّ اَكْمَلَ اللّٰهُ بِهِ الدِّيْنَ وَاَتَمَّ عَلَيْنَا بِهِ النِّعْمَةَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ، وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

عزیزو اور دوستو!

قرآن پاک کی تلاوت ایک بہت بڑی عبادت ہے۔ اور ہم پر جو اُسے خدا کی کتاب تسلیم کرتے ہیں قرآن کا یہ حق ہے کہ ہم اُس کی تلاوت کریں ایمان کو تر و تازہ رکھنے کے لیے قرآن کی تلاوت ایک بڑا مؤثر ذریعہ ہے۔ یوں سمجھیے کہ رُوحانی زندگی کے لیے اس کی حیثیت غذا کی سی ہے۔ تلاوت عربی زبان کا ایک لفظ ہے۔ اس کا مطلب ہے نہایت احترام اور تعظیم کے ساتھ مقدس آسمانی کتاب سمجھتے ہوئے اسے پڑھنا سمجھنا اور اس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کے لیے اپنے آپ کو حوالے کر دینا۔ قرآن کوئی ایسی کتاب نہیں ہے کہ جسے ایک مرتبہ سمجھ لینا کافی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت نہیں تھی کہ آپ اسے بار بار پڑھتے لیکن قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالےٰ نے آپ کو مسلسل قرآن پڑھتے رہنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ مکہ کی زندگی میں جب حالات بہت سخت تھے تو انتہائی

تاکیدی حکم ہوا کہ رات کا بڑا حصّہ آپؐ اپنے اللہ کے حضور کھڑے ہوکر اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنے میں بسر کریں اس کے علاوہ جب بھی مشکلات اور مصیبتوں کا زور ہوتا تو صبر اور استقامت کی طاقت حاصل کرنے کے لیے نماز اور قرآن پڑھنے ہی کا حکم ہوتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی تلاوت مسلسل کرتے رہنا بے حد ضروری ہے۔ خاص طور پر جب حالات سخت ہوں مصیبتوں کا ہجوم ہو اور مسلمان اپنے کو بے یار و مددگار پاتے ہوں تو اس وقت ان کو قوت دینے والی چیزوں میں نماز اور قرآن کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ مومن کی رُوح کی غذا ہے۔ اس سے ایمان تر و تازہ ہوتا ہے اور تر و تازہ رہتا ہے۔

دوستو اور عزیزو! قرآن مجید کی تلاوت ہر زمانہ میں اُن لوگوں کی زندگی کے معمولات میں شامل رہی ہے جنھیں دینی ذوق تھا۔ قرآن کی تلاوت اگر پابندی سے ہو رہی ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ مسلمان کا تعلق دین سے باقی ہے اور وہ اُسے باقی رکھنا چاہتا ہے اس لیے نہایت ضروری ہے کہ ہر مسلمان اپنے حالات اور صلاحیت کو سامنے رکھ کر کوئی ایسی مقدار ضرور متعین کرے جسے وہ پابندی کے ساتھ روزانہ پڑھتا ہے۔ قرآن کے اس طرح پڑھنے میں اِس بات کا اہتمام بھی کرنا چاہیے کہ اس کا کچھ نہ کچھ حصّہ آپ سمجھ کر ضرور پڑھیں قرآن سمجھنے کے لیے عربی کا جاننا بلاشُبہ مُفید ہے لیکن شرط نہیں۔ جو لوگ عربی نہیں جانتے وہ بھی ترجموں کی مدد سے کام چلا سکتے ہیں۔ اور اُردو زبان میں تو ایسی تفسیریں بھی موجود ہیں جن سے قرآن سمجھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہر شخص قرآن کو پوری طرح سمجھ سکتا ہے۔ بڑے بڑے عالم جنھوں نے قرآن ہی کے سمجھنے میں اپنی عمریں کھپا دیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُنھوں نے قرآن کو پُوری طرح سمجھ لیا ہے۔ قرآن کے بہت سے حصے ایسے ہیں جن پر وہ مسلسل غور کرتے رہتے ہیں لیکن اِس کے باوجود قرآن کے وہ حصّے جن میں ہمارے لیے نصیحتیں ہیں، جن میں اللہ تعالےٰ کی ذات اور صفات کا ذکر ہے، جن میں آخرت کی یاد دہانی کرائی گئی ہے، عذاب و ثواب کا ذکر ہے اور جنت دوزخ کے حالات بیان ہوئے ہیں ایسے

تمام حصے آسان ہیں ۔ اور ایک انسان اگر غور کرے تو وہ اُن سے نصیحت حاصل کر سکتا ہے اِس لیے یہ فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے کہ ہم قرآن سے کچھ نہیں پا سکتے ۔ کوشش کرنا چاہیے یقیناً بہت سی باتیں سمجھ میں آئیں گی ۔ اس سلسلے میں انتہائی اہم بات جو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے یہ ہے کہ قرآن کے مطالعہ سے جو بات آپ کو معلوم ہو جائے آپ اُس کے مطابق زندگی میں عمل کرنے کی کوشش کریں ۔ قرآن کو سمجھنے میں اس کا بھی بڑا دخل ہے ۔ اگر آپ قرآن کے کسی حکم کو سمجھ لیں یا قرآن میں بتائی ہوئی اس کی بات کو سامنے رکھ کر آپ اپنی روش میں ضروری تبدیلی کر لیں تو آپ دیکھیں گے کہ پھر مزید قرآن سمجھنا آپ کے لیے آسان ہوتا چلا جائے گا ۔ اللہ تعالیٰ کا عام قاعدہ ہے کہ وہ اُن لوگوں کی رہنمائی فرماتا ہے جو خیر کے راستے پر قدم بڑھاتے ہیں ۔ اور خیر کی روش اختیار کرتے ہیں ۔

عزیزو اور دوستو! قرآن کی مسلسل تلاوت سے کوئی شخص بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا ۔ وہ حضرات بھی جو دن رات قرآن پر غور و فکر کرتے رہتے ہیں اور قرآن کی ایک ایک آیت سمجھنے پر مدتیں صرف کر دیتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو قرآن کی تعلیم دیتے رہتے ہیں ۔ سب اس بات کے محتاج ہیں کہ وہ پابندی سے تلاوت کریں بلکہ سچ بات یہ ہے کہ دوسروں کے مقابلے میں اُنھیں قرآن پڑھنے کی زیادہ ضرورت ہے ۔

دوستو اور بزرگو!

قرآن کی تلاوت کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ہر شخص اپنی حد تک اچھے انداز اور اچھی آواز سے قرآن مجید پڑھے ۔ اچھی آواز ہر شخص کو بھاتی ہے اور اچھی چیزوں کو پسند کرنا جو انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے ۔ اُسے اسلام دبانا یا مٹانا نہیں چاہتا بلکہ اس جذبہ کو صحیح رُخ پر لگانا چاہتا ہے ۔ انسان خوب صورت چیزوں کو دیکھنا پسند کرتا ہے ۔ کوئی وجہ نہیں کہ قرآن مجید کی کتابت اور طباعت میں وہ حسن پیدا نہ کیا جائے جو پیدا کرنا ممکن ہے ۔ انسان اچھی آواز سننا پسند کرتا ہے ۔ کوئی وجہ نہیں کہ قرآن اچھی سے اچھی آواز میں نہ پڑھا جائے ۔ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔ اور جو لوگ اچھی طرح قرآن نہیں پڑھتے انھیں ناپسند فرمایا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی راستے سے گزرتے اور کسی صحابی کو اچھی آواز سے قرآن پڑھتے ہوئے سنتے تو دیر تک کھڑے ہوکر سنتے رہتے اور اس کی تعریف کرتے۔ کبھی کبھی حضورؐ اپنے صحابہؓ سے فرمائش بھی کرتے کہ ہمیں قرآن پڑھ کر سناؤ۔ صحابہؓ کہتے کہ رسولؐ اللہ! آپ پر تو قرآن نازل ہوا ہے کیا ہم آپ کو قرآن سنائیں تو حضورؐ فرماتے ہاں میں چاہتا ہوں کہ دوسروں سے سنوں۔ پھر جب آپؐ قرآن سنتے تو آپؐ پر ایک کیفیت طاری ہوتی کبھی آنسو جاری ہوجاتے اور کبھی ایک ہی آیت کو بار بار پڑھنے کی ہدایت کرتے۔ البتہ اِس بارے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کہ قرآن کے پڑھنے میں بناوٹی انداز اختیار نہ کیا جائے۔ جو لوگ گانے کا انداز اختیار کرلیتے ہیں اور خواہ مخواہ بناوٹ کے طریقے اختیار کرتے ہیں وہ ہرگز پسندیدہ نہیں قرأت کے وہ انداز جس میں گلے بازی اور بے جا تکلف کا غلبہ ہوجائے ناپسند کیا گیا ہے اور اس سے روکا گیا ہے۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنَا بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَارْفَعْنَا بِالْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ۔ وَتَقَبَّلْ مِنَّا قِرَاءَ تَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الرَّءُوْفُ الرَّحِیْمُ۔

قرآن کا حق

(۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ الْقَادِرِ، هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ، الْعَزِیْزُ الْقَهَّارُ الْمُطَّلِعُ عَلَی السَّرَائِرِ وَالضَّمَائِرِ خَلَقَ فَقَدَّرَ اَحْمَدُهٗ سُبْحَانَهٗ عَلٰی خَفِیِّ لُطْفِهٖ وَجَزِیْلِ بِرِّهٖ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَاحِبُ الْاٰیَاتِ وَالْمُعْجِزَاتِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ، وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا

اَمَّا بَعْدُ:- بزرگو اور دوستو!

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے جو ہماری ہدایت اور رہنمائی کے لیے اُتاری گئی ہے۔ یہ ہم سب کا ایمان ہے۔ اِس اعتبار سے ہم پر اس کتاب کے بہت سے حقوق ہیں ایک حق یہ بھی ہے کہ ہم جب اس کی تلاوت کریں تو تلاوت کے ظاہری آداب کا بھی لحاظ رکھیں ظاہری آداب سے مُراد یہ ہے کہ ہم باوضو ہو کر تلاوت کریں۔ قبلہ رُخ ہو کر اَدب کے ساتھ بیٹھیں اور یہ تصور کرتے رہیں کہ یہ اُس شہنشاہ مُطلق کا کلام ہے جو ساری کائنات کا بادشاہ ہے جس کے ہاتھ میں ساری کائنات کا انتظام ہے اور جس کی طرف سے اِنسانوں کی رہنمائی کے لیے یہ کتاب نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی عظمت اور کبریائی کا جتنا تصوّر ہمارے دِل میں بیٹھے گا اتنی ہی عظمت ہمارے دل میں اللہ کے کلام کی ہوگی اور اسی وقت یہ ممکن ہوگا کہ ہم اُسے نصیحت حاصل کرنے اور ہدایات و احکام لینے کے لیے پڑھیں اور اسی وقت ہمارے اندر یہ آمادگی پیدا ہوگی کہ ہم اپنی بُرائیوں، اپنے خیالات اور اپنی پسند اور ناپسند کو چھوڑ کر ان چیزوں کو اختیار کرسکیں جنھیں اختیار کرنے کا حکم یہ کتاب دیتی ہے اور ان چیزوں کو چھوڑ سکیں

جنھیں یہ کتاب ناپسندیدہ قرار دیتی ہے چاہے وہ چیزیں خود ہمیں کتنی ہی مرغوب اور پسندیدہ کیوں نہ ہوں جو لوگ پہلے کچھ خیالات قائم کر لیتے ہیں اور پھر اُن کی تائید کے لیے قرآن کی آیتیں ڈھونڈتے ہیں وہ اس سے ہدایت حاصل نہیں کرتے بلکہ اکثر اس بات کا اندیشہ رہتا ہے کہ وہ اور زیادہ گمراہی میں پڑ جائیں۔ قرآن مجید کے پڑھنے کے لیے جو لفظِ تلاوت استعمال ہوتا ہے وہ بڑا بامعنیٰ ہے۔ تلاوت کے معنی ہیں پیچھے چلنا اِس لیے قرآن کا یہ حق ہے کہ ہم اُسے اس لیے پڑھیں کہ ہمیں اس کے پیچھے چلنا ہے نہ یہ کہ قرآن کو اپنی رایوں کا پابند بنانا ہے اور اپنے پسندیدہ خیالات اور نظریات کے لیے قرآن سے سند حاصل کرنا ہے۔

دوستو اور عزیزو! قرآن پاک کی تلاوت کی سب سے زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اسے نماز میں پڑھیں خصوصاً تہجد کے وقت اپنے رَب کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں اور انتہائی سکون اور اطمینان کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور اس کے مضامین کو دِل میں جمائیں اِس طرح ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنے کو ترتیل کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی بات کا حکم دیا گیا تھا کہ آپ رات کو نماز میں ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھا کریں۔

اِس طرح ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنے سے قرآن کی باتیں دل میں اُترتی ہیں اور جب بندہ اللہ کی راہ میں اس کے دین کی خاطر مصیبتوں کا مقابلہ کرتا ہے تو اسی ترتیل سے اُس کے دل میں سکون اطمینان اور جماؤ پیدا ہوتا ہے۔ مشکل حالات کا مقابلہ کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے اور بندہ اپنے آپ کو رب کی حفاظت اور حمایت میں محفوظ محسوس کرنے لگتا ہے۔

بزرگو اور دوستو! جب آپ ترتیل کا حق اَدا کرنا چاہیں گے تو آپ اس بات کی ضرورت محسوس کریں گے کہ آپ کو قرآن کا زیادہ سے زیادہ حصہ یاد ہو۔ اب سے پہلے عام طور پر قرآن یاد کرنے کا ذوق تھا بدقسمتی سے یہ بھی تقریباً ختم سا ہو گیا ہے۔ قرآن یاد کرنے کی ایک صورت تو یہ تھی کہ پُورا قرآن حفظ کیا جائے۔ اُس کے لیے بچپن کا زمانہ موزوں ہو سکتا ہے

اوراس وقت قرآن کے سمجھنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پورا قرآن یاد کرنے کا یہ ذوق بھی اب کم ہو رہا ہے۔ بس لے دے کے غرباء کے ایک طبقہ نے اُسے ایک پیشہ کے طور پر اختیار کر لیا ہے۔ شرفاء اور کھاتے پیتے گھرانوں میں اس کا کبھی کوئی خیال بھی نہیں آتا حالانکہ اب سے پہلے شرفاء کے گھرانوں میں اس کا بے حد رواج تھا۔ ہر خاندان کوشش کرتا تھا کہ کم سے کم ایک حافظ تو اُن کے یہاں ہونا ہی چاہیے ویسے کئی کئی حافظ بھی ایک خاندان میں ہوتے تھے۔ قرآن حفظ کرنے کا یہ طریقہ نہایت مُبارک طریقہ ہے اور قرآن جو آج تک اپنی اصل صُورت میں محفوظ ہے اُس کی ایک بڑی وجہ قرآن حفظ کرنے کا طریقہ بھی ہے لیکن قرآن کے سلسلے میں ترتیل کا حق اُدا کرنے کے لیے تو ہر مُسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ قرآن حفظ کرنے کا سلسلہ جاری رکھے اور جہاں تک ممکن ہو وہ راتوں کو اپنے رب کے حضور کھڑے ہو کر قرآن کی ترتیل کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے۔ یہ بہت بڑی محرومی ہے کہ یہ ذوق ختم ہو گیا ہے اچھے اچھے دین دار اور عالم بھی اس بات کا اہتمام نہیں کرتے کہ وہ قرآن کی ترتیل کا حق ادا کریں بس لے دے کر مسجدوں کے امام قرآن کے کچھ حصّے یاد کر لیتے ہیں تاکہ وہ انھیں نمازیں پڑھانے میں کام دے سکیں اور وہ بھی بس چند رکوعوں اور چند سُورتوں کو یاد کر لینا کافی سمجھتے ہیں اور اسی کو ہیر پھیر کر بار بار پڑھتے رہتے ہیں حالانکہ جس شخص کو قرآن سے کچھ بھی لگاؤ ہوگا اُس کا تو دِل چاہے گا کہ وہ قرآن کے زیادہ سے زیادہ حصّے یاد کرتا رہے وہ اُسے اپنا اصل سرمایہ سمجھے گا تاکہ اُس کی مدد سے وہ ترتیل کا زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکے۔ رُوح کی تازگی اور خُدا سے تعلق کی مضبوطی کے لیے قرآن سے تعلق بالکل لازمی ہے۔

دوستو اور عزیزو! قرآن کو ماننے پڑھنے اور تلاوت و ترتیل کا حق اَدا کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ اُسے سمجھا جائے خُدا کا یہ کلام اسی لیے نازل ہوا ہے کہ لوگ اُسے سمجھیں اور اپنی زندگی کے لیے اس سے روشنی حاصل کریں جو لوگ

بالکل بے پڑھے لکھے ہوں اُن کے لیے تو یہ جائز ہو سکتا ہے کہ وہ صرف قرآن کے الفاظ پڑھ لیا کریں جسے عام طور پر تلاوت کرنا کہتے ہیں اس سے اُنھیں یقیناً فائدہ ہوگا اور ثواب بھی ملے گا۔ لیکن جو لوگ پڑھے لکھے ہیں یا جو پڑھنے کے قابل ہیں اُن کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن کی تلاوت کے ساتھ ساتھ اُسے سمجھنے کی بھی کوشش کریں۔ سوچنے کی بات ہے کہ جن لوگوں نے دُنیوی عُلوم سیکھنے کے لیے اپنی عمریں کھپا دیں جنھوں نے غیر زبانوں کے سمجھنے اور اُن میں مہارت حاصل کرنے کے لیے مشقتیں جھیلیں۔ اگر اُنھوں نے قرآن سمجھنے کے لیے کوئی کوشش ہی نہیں کی تو وہ اپنی اس کوتاہی کا کیا جواب دیں گے حالانکہ صورت حال یہ ہے کہ ایک اوسط درجہ کے پڑھے لکھے انسان کے لیے نہ تو یہی بات کچھ زیادہ مشکل ہے کہ وہ عربی زبان میں تھوڑی سی مہارت حاصل کرے اور اس طرح ایک حد تک قرآن کا سمجھنا اس کے لیے آسان ہو جائے اور نہ یہی بات دشوار ہے کہ ایسے لوگ قرآن مجید کے اُردو ترجموں اور تفسیروں سے قرآن سمجھنے کی کوشش کریں۔ عربی زبان کی بہت تھوڑی سی ابتدائی معلومات کے بعد ہر پڑھا لکھا انسان اُردو ترجموں اور تفسیروں سے مدد لے کر قرآن مجید کے کم از کم اُن حصوں کو تو آسانی کے ساتھ سمجھنے کے قابل ہو سکتا ہے جن کا تعلق عقیدوں کی اصلاح، تربیت اور نصیحت حاصل کرنے سے ہے بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ باقاعدہ طور پر عربی پڑھے بغیر لوگوں نے تھوڑی سی عربی سیکھ کر قرآن کو اچھا خاصا سمجھ لینے کی صلاحیت پیدا کر لی ہے۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ انسان کے اندر قرآن سمجھنے کا ذوق و شوق ہو اور وہ اس کے لیے پابندی کے ساتھ کچھ وقت نکال کر محنت کرے۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جہاں تک قرآن کے سمجھنے کا تعلق ہے اُس کے بے شمار مدارج و مراتب ہیں اور ہر انسان اپنی استعداد، اپنی لیاقت، محنت اور کوشش کے مطابق حصہ پا سکتا ہے یہاں تک کہ چاہے کوئی شخص کتنی ہی زیادہ قابلیت کیوں نہ رکھتا ہو اور وہ کتنی ہی زیادہ محنت اور مشقت کیوں نہ کرے پھر بھی وہ یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے قرآن کو جیسا

سمجھنا چاہیے تھا سمجھ لیا۔ اسی طرح چاہے کوئی شخص کتنی ہی کم صلاحیت اور استعداد کیوں نہ رکھتا ہو وہ بھی اگر قرآن سمجھنے کے لیے کوشش کرے گا تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ بالکل محروم رہ جائے۔ قرآن ایک نصیحت اور یاددہانی ہے یہ وہی راہ انسان کے سامنے رکھتا ہے جسے اُس کی فطرت طلب کرتی ہے، اور اس لیے ہر شخص کو اُس کی لیاقت اور کوشش کے اعتبار سے حصہ ضرور ملتا ہے۔ یہاں نہ محرومی کا سوال ہے اور نہ سیری کا جس طرح کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے قرآن کو جیسا کچھ سمجھنا چاہیے تھا سمجھ لیا۔ اسی طرح کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے کوشش تو کی لیکن میرے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

بھائیو اور بزرگو! جو لوگ لکھنے پڑھنے سے بالکل محروم رہ گئے ہیں اور جن کے لیے اب اس کا موقع بھی نہیں کہ وہ پڑھنا سیکھیں اُن کے لیے تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ وہ قرآن کو بلا سمجھے ہی جہاں تک ہو سکے پڑھ لیا کریں حد یہ ہے کہ کچھ نہ ہو تو کم از کم تبرک اور ثواب کی نیت سے تھوڑی دیر اُس کی سطروں پہ اُنگلی ہی پھیر لیا کریں اور جہاں تک ہو سکے پڑھے لکھے لوگوں سے قرآن کا مطلب سُننے کا موقع نکال لیا کریں ایسے لوگوں کو کوشش کرنا چاہیے کہ ان کے محلّوں میں کوئی پڑھا لکھا آدمی انھیں آسان طریقہ پر قرآن کا مطلب سمجھایا کرے لیکن جو لوگ پڑھے لکھے ہیں جنھوں نے دوسری زبانیں سیکھی ہیں۔ بی۔اے اور ایم۔اے کی ڈگریاں رکھتے ہیں۔ انجنیر، ڈاکٹر اور وکیل کہلاتے ہیں وہ اللہ کے سامنے یہ کیسے کہہ سکیں گے کہ انھیں اگر زندگی میں موقع نہیں ملا تو صرف عربی سیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ ایسے لوگوں پر فرض ہے کہ کم از کم اتنی عربی ضرور سیکھ لیں کہ قرآن مجید کا سرسری مفہوم ان کی سمجھ میں آنے لگے اور جیسا کہ میں نے کہا اس حد تک عربی سیکھ لینا ہرگز مشکل کام نہیں ہے تھوڑی سی توجہ اور شوق کی ضرورت ہے اور جسے دین کے ساتھ شوق ہوگا وہ اس کا موقع ضرور نکال ہی لے گا جو شخص اس ذمہ داری کی طرف سے غفلت برت رہا ہے وہ دراصل خود اپنے اوپر بڑا ظلم کر رہا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو اپنی کتاب

سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے ہمارے دلوں میں اس کے سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کا شوق عطا فرمائے اور ہمارے لیے اس راہ کی کوششوں کو آسان بنا دے۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِي وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ، وَنَفَعَنِي وَإِيَّاكُمْ بِمَا فِيْهِ مِنَ الْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ، اَقُوْلُ قَوْلِي هٰذَا، وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَلَكُمْ وَ لِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ.

نبیِ رحمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بَعَثَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ اَحْمَدُہٗ سُبْحَانَہٗ وَاَشْکُرُہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَالتَّابِعِیْنَ لَھُمْ بِاِحْسَانٍ۔

اَمَّا بَعْدُ:۔ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔"

بزرگو اور بھائیو ——— !

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبیؐ ہم نے تو آپ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے ہمارا ایمان ہے کہ واقعی حضورؐ کا تشریف لانا سارے عالم کے لیے ایک ایسی بڑی نعمت تھی کہ اگر دنیا اس سے محروم رہتی تو یہی کہا جاتا کہ وہ اللہ کی ساری ہی رحمتوں سے محروم ہوگئی۔ حضورؐ کا تشریف لانا تمام انسانوں کے لیے دینی اعتبار سے بھی رحمت تھا اور دُنیوی اعتبار سے بھی رحمت۔ حضورؐ ہی نے تو انسانوں کو یہ بتایا کہ اُن کے پیدا کرنے والے اور پالنے والے کی صفات کیا ہیں۔ حضورؐ ہی نے یہ سمجھایا کہ بندے اور خدا کا صحیح تعلق کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے یہ بتایا کہ بندے پر خدا کے حقوق کیا کیا ہیں اور بندہ اپنے مالک کو کیسے خوش کر سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعے دُنیا نے یہ جانا کہ انسان کو کس لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اُس کی زندگی کا انجام کیا ہونے والا ہے اور آخرت کی زندگی میں اُسے کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے سوچنے کی بات ہے کہ اگر انسان ان تمام باتوں سے بے خبر رہتا تو یہ اُس کے لیے کیسی بڑی محرومی تھی آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ جناب

رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات سے محروم ہیں یا وہ ان ہدایات کے مطابق عمل نہیں کرتے وہ کیسے کیسے پھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں وہ نہیں جانتے کہ توحید کیا ہے؟ وہ خدا کو چھوڑ کر دوسروں کے آگے جھکتے ہیں ان سے اُمیدیں لگاتے ہیں اور اُن کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں حالانکہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور نہ دے تو کوئی دِلوا نہیں سکتا۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ۔

سب اس کے محتاج ہیں۔ کوئی کسی چیز کا مالک ہی نہیں کہ کسی کو دے سکے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۔

لوگو تم سب اللہ کے محتاج ہو وہی غنی اور حمید ہے۔

بھائیو! اِس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خُدا کے بارے میں اُن کے عقیدے درست کیے اور توحید کا صحیح مطلب اُنھیں سمجھایا انھیں ہر ایک کی غلامی سے نکال کر صرف ایک اللہ کا بندہ بنایا اور سارے جھوٹے خداؤں کو ہٹا کر ایک مالک الملک کی رعیت بنایا یہ اتنی بڑی رحمت تھی کہ جس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا بھی آسان نہیں۔ آج بھی انسانیت کے سارے دُکھوں کی اگر جڑ ہے تو یہی کہ اس نے اس رحمت کی قدر نہیں پہچانی اور خدا کے بارے میں جو عقیدہ حضرت محمد صلی علیہ وسلم نے دیا تھا اُسے صحیح طریقہ پر نہیں اپنایا۔

پھر یہ دیکھیے کہ عبادات کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا رہنمائی عطا فرمائی آپؐ ہی نے تو انسان کو یہ بتایا کہ وہ اپنے حقیقی معبود کی عبادت کیسے کرے۔ نماز جو دِن رات میں پانچ مرتبہ بندے کو اپنے رب سے قریب کرتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے سِکھائی۔ یہ وہ عبادت ہے کہ اگر ٹھیک طریقہ سے اَدا ہو جائے تو اُس کا مقام ایسا ہے جیسے بندہ اپنے رب کے دربار میں حاضری دے آیا۔ پھر یہی وہ نماز ہے کہ اگر ٹھیک ٹھیک شرطوں کے مطابق اَدا ہو جائے تو یہ انسان کو تمام بُرائیوں سے روک

دیتی ہے۔ فرمایا:۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡھٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ۔

یہ تو صرف دو مثالیں ہیں ذرا تفصیل میں جائیے تو آپ کو یہ ماننا پڑے گا کہ دینی اعتبار سے حضورؐ کا تشریف لانا ایسی بڑی رحمت ہے کہ اگر انسانیت اِس رحمت سے محروم رہتی تو وہ اِسی طرح اوہام اور خرافات کا شکار رہتی جیسا کہ وہ حضورؐ کے تشریف لانے سے پہلے تھی یا جیسا کہ اب بھی اس رحمت سے محروم انسان اوہام اور آفات کا شکار ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے دینی اعتبار سے رحمۃ للعالمین کی پیروی اختیار نہیں کی وُہ آج بھی ترقی کے بے شمار دعوؤں کے باوجود کس طرح اوہام اور خُرافات کا شکار ہیں۔ اس رحمت سے محروم آج بھی پہاڑوں اور دریاؤں کو پُوجتے ہیں۔ بُتوں اور قبروں سے مُرادیں مانگتے ہیں۔ جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کو پُوجتے ہیں۔ خُدا کو نہیں مانتے لیکن سینکڑوں مصنوعی خُداؤں کی غلامی میں جکڑے رہتے ہیں نفس اور خواہشات کے ہاتھوں میں اپنی لگام دے کر بالکل بے بس ہو جاتے ہیں۔

دِینی اعتبار سے رحمت ہونے کے علاوہ آپؐ دنیوی اعتبار سے بھی اللہ کی سب سے بڑی رحمت ہیں۔ آپؐ ہی نے تو انسانوں کو زندگی کی وہ معتدل راہ دکھائی جس پر چل کر اُنھیں حقیقی سکون حاصل ہوا اور آج بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ آپؐ نے یہ بتایا کہ ایک فرد دوسرے فرد سے معاملہ کس طرح کرے۔ اجتماعی معاملات میں کس طرح ایک دوسرے کے حقوق کا پاس رکھا جائے۔ حکام اور محکومین کے تعلقات کیا ہوں۔ غریب اور امیر کے درمیان تعلقات کی صحیح نوعیت کیا ہو۔ آپؐ ہی نے تو سود کو حرام فرمایا کیونکہ اس کی وجہ سے غریب زیادہ غریب ہوتے چلے جاتے ہیں اور مال دار زیادہ مال دار ہوتے رہتے ہیں۔ آپؐ ہی نے تو کاروبار کے وہ طریقے بتائے جس کی رُو سے ایک فریق دوسرے کی حق تلفی نہیں کر سکتا۔ آپؐ ہی نے تو خرید و فروخت کے اُن تمام طریقوں کو ختم کیا جن میں کسی ایک کا

فائدہ یقینی اور دوسرے کا غیر یقینی ہو۔ آپ ہی نے تو عیش و عشرت کے اُن دروازوں کو بند فرمایا جن سے انسانی تباہی داخل ہوتی ہے۔ آپؐ ہی نے تو والدین کے ساتھ بہترین سلوک کی تلقین فرمائی۔ رشتہ داروں اور عزیزوں کے حقوق کی تاکید فرمائی۔ انسانوں کو جوڑنے کی صورتیں بتائیں فرض شناسی احساس ذمہ داری عفت و پاک دامنی شرافت و اخلاق غرض یہ کہ انسان کو ان تمام خوبیوں سے آراستہ فرمایا جن کے بغیر وہ انسان نہیں بن سکتا تھا۔ آپؐ ہی نے انسانی جان و مال اور اُس کی عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے وہ انتظام فرمایا جس کی مثال کہیں دوسری جگہ نہیں ملتی۔ آپ جانتے ہیں کہ انسانی جان کے تحفظ کے لیے شریعت محمدیؐ میں قتل کی سزا قتل ہے۔ مال کی حفاظت کے لیے چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے اور عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے تہمت لگانے کی سزا اسّی کوڑے اور زنا کی سزا موت ہے اگر ذرا غور اور انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات دی ہیں وہ کیسی رحمت ہیں۔

پھر اتنا ہی نہیں کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی اور اجتماعی بہبود کے لیے کچھ ضابطوں اور اُصولوں کی تلقین کر دی ہو اور بس۔ اس سے ملتے جلتے کام کو کسی نہ کسی حد تک بعض مصلحوں اور مُفکروں نے بھی کر لیے ہیں آپؐ نے محض اتنا ہی نہ کیا بلکہ آپؐ نے ان اُصولوں اور ضابطوں کو عملاً نافذ کرنے اور انھیں قائم رکھنے کے لیے قیامت تک اپنی اُمت پر یہ ذمہ داری بھی ڈال دی کہ وہ دُنیا سے فساد مٹانے، اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی پر قائم رکھنے اور خُدائی شریعت کو نافذ کرنے کے لیے مُسلسل جدوجہد بھی کرتے ہیں۔ آپؐ نے اُمت کے لوگوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا کہ وہ اللہ کے کلمہ کو بلند رکھیں۔ اسلام کے جھنڈے کو اونچا رکھیں اور اپنے عقیدوں اور خُدائی ضابطوں کی حفاظت کے لیے ہمیشہ جان لڑاتے رہیں اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنا مال قربان کرتے رہیں اور چاہے حالات کیسے ہی سخت

ہوں وہ اپنی اس ذمہ داری سے مُنہ نہ موڑیں کیوں کہ اس کے بغیر وہ اپنے خدا کو راضی نہ کر سکیں گے انھیں یہ حکم دیا گیا کہ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔

اِس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ساری دُنیا کے لیے رہتی دُنیا تک رحمت ہے اور اب یہ ان لوگوں کا کام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا دم بھرتے ہیں کہ وہ دُنیا کو یہ سمجھا سکیں کہ واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین سارے عالم کے لیے کیسی بڑی رحمت ہے۔

دوستو اور عزیزو ـــــــ! اللہ سے اپنا تعلق مضبوط کرو اپنی حیثیت اور اہمیت کو پہچانو۔ تمہیں اللہ تعالےٰ نے یوں ہی بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔

دوستو ـــــ! وہ زندگی جو اللہ کے دین پر قائم رہنے اور اُسے قائم کرنے کی جد وجہد میں بسر ہو جائے۔ وہی حقیقی زندگی ہے۔ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ایسی ہی زندگی کا نمونہ ہمارے سامنے رکھا اور ایسی ہی زندگی کی تلقین ہمیں فرمائی۔ ہم اللہ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں رحمۃ للعالمین کے اسوہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں وہ کام کرنے کی سعادت بخشے جن پر ہمیں مامور کیا گیا ہے اور جن کی بدولت ہم اُس کی رضا اور خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔

نَفَعَنِیَ اللّٰهُ وَاِیَّاكُمْ بِالْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ وَبِهَدْيِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ۔ اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

خوف کا علاج

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مَنْ تَوَکَّلَ عَلَیْهِ کَفَاهُ، اَحْمَدُهٗ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی، لَا یَذِلُّ مَنْ یَّوَالَاهُ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدِنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَکْرَمَهُ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ وَاصْطَفَاهُ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ۔ اَمَّا بَعْدُ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ۔

دوستو اور عزیزو ـــــ!

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں پر حق واضح ہو جاتا ہے وہ خوب سمجھ لیتے ہیں کہ اللہ کا دین ہم سے کیا چاہتا ہے اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے لیکن اس کے باوجود وہ اس روش کو اختیار نہیں کرتے جسے اختیار کرنے کا مطالبہ دین کرتا ہے وہ اس راستے سے کترا کر نکل جانا چاہتے ہیں جس کے بارے میں اُن کا دل کہتا ہے کہ دین کا راستہ تو یہی ہو سکتا ہے یہ عمل اکثر خوف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ خوف دو قسم کا ہوتا ہے۔ کبھی رزق کا اور کبھی موت کا۔ آدمی یہ سمجھ لیتا ہے کہ کرنے کا کام یہی ہے لیکن اس کا نفس اور شیطان اُسے ڈراتا ہے کہ اگر تم نے یہ روش اختیار کی تو کاروبار مندا پڑ جائے گا۔ فلاں حیثیت سے نقصان ہو جائے گا یا روزی کا یہ ذریعہ ختم ہو جائے گا، نوکری چھوٹ جائے گی، ترقیاں رُک جائیں گی اور معاشی پریشانیاں گھیر لیں گی اور دوسرا خوف جو اس سے بڑھ کر ہوتا ہے وہ موت کا خوف ہے وہ سوچتا ہے کہ اس راہ میں تو خطرہ ہی خطرہ ہے۔ اپنے پرائے ہو جائیں گے، حکومت مخالف ہو جائے گی اور معلوم نہیں کب قید و بند کا سامنا

کرنا پڑے اور کب زندگی سے ہاتھ دھونا پڑ جائے۔

بھائیو! یہ ہیں وہ دو انسانی کمزوریاں جو اُس کے قدم حق کے راستے پر بڑھنے نہیں دیتیں۔ اسلام انسان کی ان دونوں کمزوریوں کو سامنے رکھتا ہے اور اُنھیں جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا چاہتا ہے وہ انسان کو ایک خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ خدا جو ہر چیز پر قادر ہے اور جس کی منشاء کے بغیر ایک ذرّہ ہل نہیں سکتا اُس نے انسانوں کا رزق اور اُن کی موت اپنے ہاتھ میں رکھی ہے تمہیں رزق وہی دیتا ہے وہ اگر دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور وہ روک لے تو کوئی دِلوا نہیں سکتا۔ اِس عقیدے کو نہایت مضبوطی کے ساتھ مؤمن کے دِل میں بٹھایا جاتا ہے تاکہ اُس کے دل سے یہ خیال ہی نکل جائے کہ خدا کے سوا کوئی اور بھی ایسا ہو سکتا ہے جسے روزی پہنچانے میں اختیار حاصل ہو مؤمن کے دل میں یہ ایمان مضبوط کیا جاتا ہے کہ نفع اور نقصان سب خدا کے ہاتھ ہے اور سارے معاملات کا آخری فیصلہ اسی کے اختیار میں ہے بظاہر اگر کوئی تم پر مہربان ہوتا ہے اور اُسی کے ہاتھوں تمہیں رزق پہنچتا ہے یا تمہارے کاروبار میں ترقی ہوتی ہے تمہارے کھیتوں میں اچھی پیداوار ہوتی ہے تو چاہے اِس کے ظاہری اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں لیکن اصل معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی تمہیں روزی دیتا ہے اسی کے منصوبے اور اس کی منشا کے مطابق تمہارے لیے اسباب فراہم کیے جاتے ہیں اس کا ارشاد ہے:۔

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ تمہارا رزق آسمان میں ہے اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا گیا۔ پھر فرمایا ــــ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۔ بلاشبہ اللہ ہی روزی دینے والا ہے۔ وہ بڑا طاقتور اور مضبوط ہے۔

یہ ہے وہ عقیدہ جو اِسلام پُوری قوت کے ساتھ دِلوں میں بٹھاتا ہے اور اس طرح مُؤمن کے دل میں اِس اندیشے کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑتا کہ خُدا کے سوا کوئی اور بھی ہے جو اُس کی روزی چھین سکتا ہے یا جسے راضی کرلینے پر روزی کی طرف سے اطمینان

حاصل ہو سکتا ہے۔

دوستو اور عزیزو ـــ ! ہم سب ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور اللہ کے فضل سے ہم سب مؤمن ہی ہیں لیکن سب پہلوؤں سے ہمارے ایمان کمزور ہیں اور ایمان کی اِسی کمزوری کی وجہ سے ہم طرح طرح کی خرابیوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔ دین کے بہت سے تقاضے ہم سے پُورے نہیں ہوتے۔ ان ہی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ رزق کے معاملے میں ہمارا جو ایمان خدا پر ہونا چاہیے اس میں کمی آجاتی ہے اور ہم ہر موقع پر رزق کے ظاہری اسباب پر زیادہ اطمینان کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر جو بھروسہ ہونا چاہیے اس میں کمی آجاتی ہے۔ یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ مؤمن سے یہ مطالبہ نہیں کیا جاتا ہے کہ وہ رزق حاصل کرنے کے جو ظاہری اسباب ہونا چاہئیں اُن کو چھوڑ چھاڑ کر بس اللہ پر بھروسہ کرے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے۔ اِسلام نے اس سے روکا ہے۔ اصل چیز جس کی طرف ہمیں متوجہ ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم روزی حاصل کرنے کے لیے یا روزی میں خرابی آجانے کے خوف سے کوئی ایسی صورت اختیار نہ کریں جسے اسلام نے ناپسند ٹھہرایا ہے اور نہ دین کے ان تقاضوں کو چھوڑ بیٹھیں جنھیں پورا کرنے سے ہی ہم خدا کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔ خُدا کی خوشی یا ناخوشی کی پروا کیے بغیر اگر ہم دوسروں کی خوشی کا لحاظ رکھیں گے تو یہی بات ہمارے ایمان کے دعوے کے خلاف ہوگی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شخص اپنے گھر سے نکلتا ہے اس حال میں کہ وہ دین دار ہوتا ہے پھر اُس کی مُلاقات ایک ایسے شخص سے ہوتی ہے جس سے اُس کی کوئی غرض وابستہ ہوتی ہے اب وہ اُس کی تعریفیں کرتا ہے اور کہتا ہے آپ تو ایسے ہیں اور ایسے ہیں اور یہ سب اس اُمید میں کرتا ہے کہ شاید اُس کی ضرورت پُوری ہو جائے اس کی اس حرکت سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور اَب جو وہ لَوٹتا ہے تو اس حال میں لوٹتا ہے کہ اس کا دین اس کے پاس نہیں ہوتا۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ایمان کی

کمزوری بتایا ہے کہ آدمی لوگوں کو راضی کرنے کے لیے ایسی حرکتیں کرے جن سے اللہ ناخوش ہوتا ہے یا وہ اس رزق کو دیکھ کر حسد کرے جو اللہ نے دوسروں کو دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ نہ کسی حریص کا رزق اُس کی حرص کی وجہ سے بڑھتا ہے اور نہ کسی کے ناپسند کرنے سے کسی کا رزق گھٹتا ہے۔

اَب دوسرے خوف کو لیجیے جو انسان کو اکثر صحیح راستے پر قدم بڑھانے سے روکتا ہے اور وہ جان بوجھ کر دین کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ یہ خوف موت کا خوف ہے۔ انسان کو اس خوف سے نجات دلانے کے لیے اسلام اس عقیدے کو نہایت مضبوطی کے ساتھ دل میں بٹھاتا ہے کہ موت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ موت کا ایک وقت مقرر ہے وہ نہ ایک لمحہ اس سے پہلے آسکتی ہے اور نہ ایک لمحے کے لیے اُسے ٹالا جا سکتا ہے۔ انسان کی یہ طاقت نہیں کہ وہ کسی طریقے سے بھی اپنے آپ کو موت سے محفوظ کرلے۔ اللہ کے حکم کے مطابق جب کسی کی موت آئے گی تو کوئی بڑی سے بڑی طاقت اُسے ٹال نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ۔

"ان سے کہہ دیجیے اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ط

توجب ان کی موت کا وقت آجاتا ہے تو وہ اس سے ایک گھڑی بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔"

موت کا خوف انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور اگر یہ خوف دل سے نکل جائے اور اُس کے بدلے یہ یقین دل میں بیٹھ جائے کہ جو موت خدا کی راہ میں آتی ہے اور اُس کی مرضی

پر چلتے ہوئے جو بندہ اپنی جان دیتا ہے وہ حقیقت کے اعتبار سے انتہائی کامیاب اور سُرخرو ہے تو یہی عقیدہ انسان کو انتہائی طاقتور بنا دیتا ہے۔ اِسلام اپنے ماننے والوں کے دِلوں میں اسی یقین کو پختہ کرتا ہے کہ موت اپنے وقت پر آتی ہے اور جو لوگ اللہ کے راستے میں جان دیتے ہیں یا اُس کی مرضی پر چلتے ہوئے جنھیں موت آتی ہے وہ تو ایسے کامیاب ہیں کہ انھیں عام معنیٰ میں مُردہ کہنا بھی صحیح نہیں۔ اُنھیں تو زندہ سمجھنا چاہیے ایسے لوگوں کے درجات اللہ کے نزدیک بہت اونچے ہیں اور ایسی موت ہزاروں زندگیوں سے زیادہ قابلِ قدر ہے اسلام مُومن کو یہ یقین دلاتا ہے کہ موت دراصل کسی ناکامی یا مصیبت کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو محض ایک حالت سے دوسری حالت میں انتقال ہے یعنی محض ایک تبدیلی جو بہرحال ہو کر رہے گی۔ اَب اگر یہ انتقال یا تبدیلی اس طرح ہو جائے کہ اس کے نتیجے میں موت کے بعد والی زندگی کامیاب ہو جائے تو یہی سب سے بڑی کامیابی ہے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہی سب سے بڑی ناکامی اور محرومی ہے چاہے یہ زندگی کیسی ہی خوش اور کامیاب کیوں نہ نظر آئے۔ موت کے بارے میں یہ یقین مُومن کو سب خطروں سے بے خوف کر دیتا ہے اور اُسے انتہائی طاقتور بنا دیتا ہے۔

بھائیو اور عزیزو ــــ! یہ ہیں اِنسان کی دو سب سے بڑی کمزوریاں اور یہ ہے وُہ تدبیر جس سے اسلام اپنے ماننے والوں کو ان کمزوریوں سے نجات دِلاتا ہے۔ اپنے اس ایمان کو ہر وقت تازہ رکھیے کہ رزق اور موت دونوں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اس بارے میں کسی دوسرے کو ذرّہ برابر بھی اختیار حاصل نہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ کوئی جاندار اس وقت تک مَرتا نہیں جب تک اس کے مقدّر کا رزق پُورا نہ ہو جائے اور جب تک اُس کی موت کا وہ وقت نہ آجائے جسے اللہ نے مقرر کر دیا ہے۔ خوب یقین رکھیے کہ اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے۔ بڑی طاقت والا ہے۔ سب کچھ اُس کے اختیار میں ہے وہ اپنے بندوں کے لیے بالکل کافی ہے اُس کے ہوتے بندے کسی دوسرے کے محتاج نہیں ہیں۔ اللہ ہی ہمارا رازق ہے، وہی ہمارا خالق

ہے، رزق اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ہمارے لیے بالکل کافی ہے۔ اُسے ناراض کر کے ہمیں کسی کو راضی کرنے یا راضی رکھنے کی کوئی پرواہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیے ہم سارے عالم کی ناخوشی برداشت کر سکتے ہیں اُس کی رضا ہماری کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی خوشنودی کے راستے پر چلنے کی ہمت عطا فرمائے اور ہمارے دِلوں کو دوسروں کے خوف اور اندیشوں سے پاک کر دے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ہم اللہ کو راضی کر لیں تو وہ ہم پر رزق کے دروازے بھی کھولے گا اور دُشمنوں کے مقابلے میں ہماری مدد بھی فرمائے گا۔ یہی ہمارے لیے کافی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اِنسانوں کو راضی کرنے کی خواہش سے اور اُن کے ناراض ہو جانے کے خوف سے محفوظ رکھے۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے اُس کی منشاء کے بغیر نہ کہیں سے نفع پہنچ سکتا ہے اور نہ نقصان۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِیْمَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

شکر گزاری

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ۔ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ
ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔
وَلَہُ الْکِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ نَحْمَدُہٗ
وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ
لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ
وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ +

اَمَّا بَعْدُ۔ فَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ۔ وَ
مَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔

بھائیو اور عزیزو ——— !

اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مومنانہ زندگی کی جان ہے۔ ہر تعلق کی بُنیاد کسی نہ کسی جذبہ پر ہوتی ہے۔ ماں باپ سے تعلق، اولاد سے تعلق، پڑوسیوں اور دوستوں سے تعلق، کاروباری تعلق، غرض یہ کہ دُنیا میں کوئی تعلق ایسا نہیں ہوتا جس کی کوئی بنیاد نہ ہو اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ اگر آپ کسی سے اپنے تعلقات استوار رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو اس تعلق کی بُنیاد کو مضبوط بنانا ہوتا ہے جب میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ سے تعلق مومنانہ زندگی کی جان ہے تو فوراً یہ سوال ذہن میں آنا چاہیے کہ اللہ اور بندے کے تعلق کی بُنیاد کیا ہے کیونکہ جب یہ بنیاد مضبوط ہوگی تو تعلق بھی مضبوط ہوگا۔ اور اگر یہ بُنیاد ہی موجود نہ ہوگی تو یہ تعلق بھی زبانی جمع خرچ سے زیادہ اور کچھ نہ ہوگا۔

بزرگو اور دوستو! اللہ اور بندے کے تعلق کی سب سے اہم بُنیاد شکر ہے، شکر کا تعلق

دل سے بھی ہے، زبان سے بھی۔ اور عمل سے بھی۔ دل کا شکریہ ہے کہ انسان ہر وقت یہ محسوس کرتا رہے کہ اُس پر اللہ تعالیٰ کے کیسے کیسے انعامات ہو رہے ہیں۔ جب دل شکر کے جذبات اور احساسات سے لبریز ہو گا تو زبان سے بھی شکر کے کلمات ادا ہوں گے اور عمل پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ اِس لیے اس بُنیاد کی مضبوطی کا پہلا تعلق دل سے ہے۔ ضرورت اِس بات کی ہے کہ اِنسان کے دل میں شکر کا یہ جذبہ بیدار رہے۔

بھائیو! دل کے اندر شکر کے جذبات بیدار رکھنے کے لیے بھی ارادہ اور توجہ کی ضرورت ہے۔ جب تک ہم خود یہ محسوس نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیا کیا نعمتیں دی ہیں اور اس احساس کو ہر وقت تازہ نہ رکھیں شکر کے جذبات ہمارے دِل میں پرورش نہیں پا سکتے۔ ہماری یہ بہت بڑی کمزوری ہے کہ اگر ہم پر کوئی مصیبت آپڑے یا کوئی نقصان ہو جائے تو اُس کا دھیان ہمیں ہر وقت رہتا ہے۔ ہم بار بار اس کا ذکر کرتے ہیں، ہر وقت اُسے محسوس کرتے رہتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں تو ہمیں ہر وقت حاصل ہیں اُن کے احساس سے ہمارا دل غافل رہتا ہے اور ہماری زبانوں پر اُن کا تذکرہ کم ہی آتا ہے۔ اَب ظاہر ہے کہ جب ہمیں نعمتوں کا احساس ہی نہیں تو پھر نعمتیں دینے والے کا شکر اور اس کی احسان مندی کے جذبات ہمارے دل میں کیسے پیدا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے کے لیے پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ آدمی اپنی اس غفلت کو دُور کرے۔ روزانہ کوئی نہ کوئی وقت نکالے جب وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر غور کرے۔ اِس طرح جب آپ غور کریں گے تو اللہ کی نعمتیں صرف اپنے اندر ہی نہیں بلکہ اپنے سے باہر بھی اِس کائنات کے چپے چپے پر پھیلی ہوئی آپ کو دِکھائی دینے لگیں گی۔

ذرا تنہائیوں میں بیٹھ کر غور تو کیجیے کہ کس طرح آپ کا رونگٹا رونگٹا اللہ کی نعمتوں کا مظہر ہے۔ آپ تندرست ہیں، چلتے پھرتے ہیں۔ ذرا بیماروں اور اپاہجوں کو دیکھیے، اُن کے مقابلے میں یہ کیسی بڑی نعمت ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دیکھنے، سُننے، بولنے اور سوچنے سمجھنے

کی صلاحیتیں دی ہیں، ذرا اندھوں، بہروں، گونگوں اور پاگلوں کے مقابلے میں ان نعمتوں کا احساس تو کیجیے۔ یقیناً آپ کا دِل شکر کے جذبات سے لبریز ہو جائے گا۔ اسی طرح اپنے باہر نظر ڈالیے۔ دن اور رات کا اُلٹ پھیر، موسموں کی تبدیلی، بارش اور ہواؤں کا انتظام اور سورج اور چاند سے ملنے والے فائدے، زمین سے اُگنے والی غذائیں، زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے بے شمار خزانے، دریاؤں کی روانی، سمندروں کا فیض، پہاڑوں کے فائدے۔ غرض یہ کہ دفتر کے دفتر سیاہ کرتے چلے جائیے۔ لیکن انسان کی کیا مجال کہ اُن نعمتوں کو گن بھی سکے جن کے بل پر وہ زندہ ہے اور زندگی کے لطف اُٹھا رہا ہے بڑا ہی احسان ناشناس ہے۔ وہ دل جو یہ سب کچھ دیکھے، محسوس کرے اور پھر بھی اس کے شکر کے جذبات نہ اُمنڈیں۔

عزیزو! یہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حال ہے۔ اور پھر یہ بھی سوچیے کہ ہمیں اللہ نے جو یہ سب کچھ دیا ہے تو ہمارا خدا پر کوئی حق نہیں آتا تھا کہ اُس نے اِس حق کو ادا کرنے کے لیے ہمیں یہ سب کچھ عطا کیا ہو، اور نہ ہماری یہ بساط کہ ہم ان نعمتوں کا کوئی بدلہ ادا کر سکیں، یہ سب کچھ اس کا کرم ہی کرم ہے۔ اسی نے دیا ہے، بے مانگے دیا ہے، بلا کسی استحقاق کے دیا ہے۔ پھر سب کچھ دینے کے بعد وہ جب چاہے اُسے چھین بھی سکتا ہے۔ کوئی اُس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ آج آپ لاکھوں کے مالک ہیں، حکومت کے تخت پر براجمان ہیں مگر کل آپ خالی ہاتھ ہو سکتے ہیں، در در کی ٹھوکریں کھا سکتے ہیں۔ آج آپ تندرست ہیں کل بیمار ہو سکتے ہیں۔ آج آپ کو بہت سی صلاحیتیں ملی ہوئی ہیں۔ کل آپ مجبور اور معذور ہو سکتے ہیں۔ وہ کون ہے جو آپ کو نعمتیں دے رہا ہے؟ جس کے اشاروں پر یہ نعمتیں قائم ہیں؟ کیا کوئی دل ایسا احسان ناشناس بھی ہو سکتا ہے کہ وہ یہ سب کچھ محسوس کرے اور پھر بھی اُس کے اندر شکر کے جذبات نہ اُبھریں؟ اُس کی زبان پر شکر کے کلمات نہ آئیں؟ لیکن ہم کم ہی سوچتے اور غور کرتے ہیں۔

بھائیو! بڑی ضرورت اِس بات کی ہے کہ آپ کا شعور بیدار ہو، اور آپ کو سوچنے اور غور

کرنے کی عادت ہو، اور آپ ہمیشہ اس بات کا اہتمام کریں کہ آپ سب سے پہلے ان لوگوں پر نظر ڈالیں جو اپنے حالات اور ذرایع اور وسائل کے لحاظ سے آپ سے کم ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ ہماری نظریں اُن لوگوں پر تو جاتی ہیں جنھیں اللہ نے ہم سے بہتر حالات میں رکھا ہے، لیکن ہم انھیں نہیں دیکھتے جو ہم سے کمتر درجے کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم تقدیر کا شکوہ کرتے ہیں اور اپنے رب سے بدگمان رہتے ہیں۔ شکر کے جذبات سے ہمارا دل بالکل خالی رہتا ہے، شکر کے بدلے دل میں شکوے اور شکایات پیدا ہوتی ہیں، اور بندہ اور خدا کے درمیان تعلق کمزور ہوتے ہوتے ختم ہونے کے قریب آجاتا ہے۔ جس دل کو یہ مرض لگ جائے اُس کو کسی حال میں چین نہیں ملتا۔ حالات بہتر ہو جائیں تب بھی کیا، کسی نہ کسی کے مقابلے میں تو انسان کمتر ہی ہوگا، وہ پھر بھی اپنے سے اُوپر والوں کو دیکھے گا اور کڑھے گا، اور یہ ایسا مرض ہے کہ اُس کے ہوتے شکر گزاری کا جذبہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جس دل میں شکر نہیں اس کا تعلق خدا سے کبھی استوار نہیں ہو سکتا۔ شیخ سعدیؒ نے ایک حکایت کے انداز میں ایک بڑی سبق آموز آپ بیتی لکھی ہے۔ کہتے ہیں کہ:-

"جب ایک بار میں چلتے چلتے ایک شہر میں پہنچا تو میں بالکل خالی ہاتھ تھا۔ میرا جوتا ٹوٹ چکا تھا، اور میرے پاس پیسہ نہیں تھا کہ میں جوتا خرید لوں، پھٹے حالوں ننگے شہر میں جاتے ہوئے مجھے بڑی تکلیف ہو رہی تھی اور دل میں خیال آرہا تھا کہ اللہ نے مجھے ایسا مجبور کر دیا کہ آج میں ایک جوتا بھی نہیں خرید سکتا۔ یہی خیال دل میں لیے ہوئے نماز کے لیے مسجد میں گیا، اچانک میری نگاہ ایک ایسے شخص پر پڑی جس کے پیر ہی نہیں تھے، اور وہ گھسیٹ گھسیٹ کر زمین پر چل رہا تھا۔ یہ دیکھتے ہی مجھے خیال آیا کہ میرے رب کا میرے اوپر کیسا کرم اور احسان ہے کہ اُس نے مجھے تندرست اور صحیح وسالم دو پیر دیے ہیں جن سے میں چلتا پھرتا ہوں۔ اگر کہیں میں بھی اسی معذور کی طرح ہوتا تو کیا کرتا یہ خیال آتے ہی اپنے رب کے حضور سجدے میں گر پڑا میرا دل شکر کے جذبات سے لبریز تھا، اور میری زبان پر اُس مالک کے لیے تعریفی کلمے جاری تھے

جس نے مجھے دو پیر عنایت کیے، اگر ان میں جوتا نہ تھا تو نہ سہی، پیر ہی کیا کم بڑی نعمت ہیں کہ ان کا احساس نہ ہو اور جوتا نہ ہونے کے سبب دِل میں شکایت ہونے لگے۔"

یہ حکایت ایک مثال ہے، یہ سامنے رہے تو کیا مجال کہ ہمارا دل شُکر کے جذبات سے خالی رہ سکے، اور جب شُکر ہوگا تو خُدا سے تعلق بھی مضبوط ہوگا اور اللہ کا یہ وعدہ تو ہر مؤمن کے سامنے رہنا ہی چاہیے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

اگر تم شُکر ادا کروگے تو ہم تمھیں اور زیادہ دیں گے

کسی کے لیے احسان مند ہونے کی یہ صُورت تو آپ کے سامنے آچکی کہ آدمی دل سے اپنے محسن کی قدر کرے، اور زبان سے اُس کی تعریف کرے، یہ دل اور زبان کا شُکر ہے۔ لیکن شکر کی ایک کیفیت کا تعلق عمل سے بھی ہے، اور یہ بہت اہم پہلو ہے۔ اُسے ایک مثال سے سمجھیے۔ فرض کیجیے کہ ایک شخص آپ کو کچھ ہتھیار فراہم کردیتا ہے جس کی بدولت آپ اپنی جان اور مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اپنے دشمنوں کے شر کو دَفع کرتے ہیں، یہ یقیناً اُس کا ایک احسان ہے۔ اِس احسان کے بَدلہ میں آپ دِل سے اس کی قدر کرتے ہیں، زبان سے اُس کی تعریف بھی کرتے ہیں لیکن اُس کے دیئے ہوئے اسلحہ کو آپ اُس کی مرضی کے خلاف استعمال کرتے ہیں، یا یوں سمجھیے کہ اِن ہتھیاروں سے لیس ہوکر آپ خود اسی کے گھر پر دعاوا بول دیتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑی نمک حرامی اور ناشکراپن اور کیا ہوسکتا ہے اُس کے ہوتے نہ دل سے احسان شناسی کی کوئی قیمت ہے اور نہ زبان سے گُن گانے کی بس اسی مثال سے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا معاملہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے، چاہے آپ دل سے اللہ کی نعمتوں کی قدر کتنی ہی پہچانتے ہوں، اور زبان سے اُس کی کتنی ہی تعریف کرتے ہوں لیکن اگر آپ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اُس کی مرضی کے خلاف استعمال کررہے ہیں تو یہ سب سے بڑا ناشکراپن ہے۔ اُس نے آپ کو مال و دولت اور بہت سے وسائل دیئے ہیں،

اگر آپ اُنھیں اُس کی مرضی کے خلاف استعمال کر رہے ہیں تو صرف زبان سے الحمدللہ کہنا کیا کام دے سکتا ہے ؟ اصل شکر تو یہ ہے کہ آپ اسکی بخشی ہوئی نعمتوں کو ہرگز اُس کی مرضی کے خلاف استعمال نہ کریں ۔ آنکھیں بہت بڑی نعمت ہیں آپ ان سے وہ چیزیں نہ دیکھیں جن کا دیکھنا اللہ کو پسند نہیں ۔ کانوں سے وہ کچھ نہ سُنیں جس کے سُننے سے اللہ نے منع کیا ہے زبان سے وہ باتیں نہ نکالیں جو اللہ کو پسند نہیں ہیں ، اپنے ذہن اور دماغ کو ان خیالات سے پاک رکھیں جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں ۔ یہ عملی شکر ہے اور یہی سارے شکر کی جان ہے اور اگر دل میں اللہ کے احسانات کا صحیح شعور ہو گا تو یہ ممکن نہیں کہ اس کا اثر آپ کے کاموں میں پر نہ پڑے ۔ شکرگزاری کا ثبوت اطاعت ہی کی شکل میں سامنے آتا ہے ۔ بندۂ شاکر کبھی اللہ کا نافرمان اور باغی نہیں ہو سکتا ۔

بھائیو اور عزیزو ! ایک بار پھر سُن لیجیے کہ شکر مومنانہ زندگی کی جان ہے ، جو دل میں پیدا ہوتا ہے زبان سے اُس کا اظہار ہوتا ہے اور عمل سے اُس کا ثبوت ملتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم دل سے اُس کی نعمتوں کی قدر کریں ، زبان سے اُس کی حمد و ثنا اور عمل سے اُس کی شکرگزاری کا پورا پورا ثبوت دیں ۔ اُسی سے ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہو سکتا ہے اور اسی کی بدولت ہم اُس کی نعمتوں اور رحمتوں کے زیادہ سے زیادہ مستحق ہو سکتے ہیں ۔ اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَکُمْ اَجْمَعِیْنَ ۔ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ ۔ اِنَّكَ اَنْتَ الرَّءُوْفُ الرَّحِیْمُ ۝

انفاق فی سبیل اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَۃِ۔ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ اَحْمَدُہٗ سُبْحٰنَہٗ وَاَشْکُرُہٗ۔ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا۔ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ۔

عزیزو اور دوستو!

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے کہ اے ایمان لانے والو اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دُکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملادو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر۔ اُس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی، جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں اُس سے کچھ بھی اُن کے ہاتھ نہیں آتا۔ اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے۔

بھائیو! آپ نے سُنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی کے کاموں میں مومن بندوں کو مال خرچ کرنے کی تاکید بار بار فرمائی ہے۔ اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ہماری خیرات کا حاجت مند ہے۔ بلکہ خیرات کرنے سے انسان کے اندر جو اخلاقی صفات پیدا ہوتی ہیں اُن سے ہمیں آراستہ کرنے کے لیے بہت سے دوسرے نیک کاموں کی طرح خیرات کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اِسلام مومنوں کو دُنیا میں جس مقام پر دیکھنا چاہتا ہے اور ان سے وہ جو کام لینا چاہتا ہے اُس کے لیے نہایت بُردبار اور اونچے اخلاق کے ہمدرد اور نیک دل انسان مطلوب ہیں۔ چھچھورے، کم ظرف اور تھُڑدلے لوگ اس کے کام کے نہیں۔ بلا کسی دُنیوی لالچ کے، خالِص اللہ کی راہ میں مال صَرف کرنے سے یہ صفات انسان کے اندر پیدا ہوتی ہیں اور ایسے ہی صدقات کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آخرت میں اپنے بے انتہا کرم اور فضل سے نوازے گا۔ اس طرح اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا دراصل سراسر بندے ہی کے فائدے کے لیے ہے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ مال خالِص اللہ کی خوشنودی کے لیے ان طریقوں سے خرچ کیا جائے جو اللہ کو پسند ہیں۔ اور مال خرچ کر کے انسان نہ کسی کی تعریف کا بھُوکا ہو اور نہ احسان جتائے۔

جو لوگ اپنا مال لوگوں کو دِکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں وہ تو خود اپنے عمل سے ثابت کرتے کہ انھیں جو کچھ لینا ہے وہ اِنسانوں سے لینا ہے۔ وہ اپنی کچھ تعریف سُننا چاہتے ہیں یا اس پردے میں کوئی مادّی فائدہ حاصل کرنا اُن کے پیش نظر ہے۔

عزیزو اور دوستو! جو لوگ مال خرچ کر کے احسان جتاتے ہیں یا نمود اور نمائش کے لیے خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جیسے کسی چٹان پر کچھ مٹی جمع ہو جائے۔ بس کچھ اِسی طرح اُن کے اندر نیکی کا کوئی جذبہ اُبھرتا ہے، لیکن اگر مٹی کی تہہ ہلکی ہے اور اُس کے اندر کوئی پتھریلی چٹان چھپی ہوئی ہے تو جب بارش ہوتی ہے تو مٹی بہہ جاتی ہے اور خالی چٹان رہ جاتی ہے۔ اِسی طرح چونکہ اُن کی نیکی کے جذبہ کی

تہہ میں نیت کی خرابی اور مقصد کی غلطی چھپی ہوتی ہے اس لیے انھیں مال خرچ کرنے سے بھی وہ فائدہ نہیں پہنچتا جو پہنچنا چاہیے۔ اس خرچ کرنے سے ان کے اندر وہ خوبیاں پیدا نہیں ہوتیں جو خالص اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں کے اندر پیدا ہوتی ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جو یہ پسند کرے کہ اس کا مال اور محنت برباد ہو جائے۔ کوئی نہیں چاہتا کہ اُس کا کمایا ہوا روپیہ ضایع ہو، ہر شخص جو کچھ خرچ کرتا ہے کسی نہ کسی فائدے کے لیے خرچ کرتا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی ہمارے اپنے فائدے کے لیے ہے۔ اِس سے آخرت میں ہم اللہ کے فضل و کرم کے مستحق بنتے ہیں اور دُنیا میں ہمارے اندر وہ اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں جو ہمیں زندگی کی تمام راہوں میں سیدھی اور سچی روش پر چلنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

بھائیو! اللہ کی راہ میں جو کچھ کیا جاتا ہے اُسے برباد کرنے والی سب سے خطرناک چیز ریا ہے۔ ہر وقت اس بار پر نظر رکھیے کہ کسی طرح بھی آپ کے دل میں یہ چور گھُسنے نہ پائے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان اچھے جذبے اور نیک ارادے سے کسی خیر کی طرف قدم بڑھاتا ہے لیکن شیطان فوراً کوئی نہ کوئی ایسی صورت پیدا کر دیتا ہے کہ اُس کی نیکی کسی نہ کسی طرح برباد ہو جائے۔ اِس سلسلے میں شیطان کا سب سے کارگر ہتھیار ریا ہی ہے۔ نام و نمود کی خواہش، لوگوں سے تعریفیں سُن کر خوشی محسوس کرنا، دل میں یہ خواہش پیدا ہو جانا کہ اس کے بھلے کاموں کی اطلاع کسی نہ کسی طرح لوگوں کو ہو جائے، یا اسی طرح کے اور جذبات اور خیالات دل میں پیدا ہو کر نیکیوں کو برباد کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ ہم سب کو لازم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے کسی خیر کی توفیق طلب کریں تو ریا سے بچنے کے لیے بھی اُس سے مدد طلب کریں۔ اس خطرے سے محفوظ رہنے کے لیے ذہن کا ہر وقت بیدار رہنا ہی مفید ہے ہم سب اللہ سے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی خوشنودی کے لیے صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ریا کے شر سے محفوظ رکھے۔

اَقُولُ قَوْلِی ھٰذَا اَستَغفِرُ اللہَ لِی وَلَکُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اِنَّہٗ ھُوَ الغَفُورُ الرَّحِیْم۔

صفاتِ باری تعالیٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ وَجَعَلَنَا خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُ بِاللّٰہِ۔

اَحْمَدُہٗ سُبْحٰنَہٗ وَاَشْکُرُہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

بزرگو، اور دوستو ——— !

ہمارے ایمان کی بُنیاد اللہ کی ذات اور اُس کی صفات پر ایمان ہے۔ مومن اُسی کو کہتے ہیں جو اللہ کی ذات اور اُس کی ان تمام صفات پر ایمان لایا ہو جن کا ذِکر ہمیں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ملتا ہے۔ ابھی قرآن پاک کی جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اُس میں اللہ تعالیٰ کی چند صفتوں کا ذکر آیا ہے انہی کے بارے میں، میں آج کچھ باتیں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ اِن دو آیتوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اس کتاب یعنی قرآن شریف کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے، سب کچھ جاننے والا ہے، گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا اور بڑے فضل و کرم والا ہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں، اُسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی صفات پر گہرا یقین اِنسان کی زندگی پر اثر ڈالتا ہے۔ دراصل اس کی صفات پر یقین کرنے سے ہی ہمارے عمل پر اثر پڑتا ہے اور ہماری زندگی کا ایک رُخ متعین ہوتا

ہے۔ مثال کے طور پر آپ اُن صفات پر غور کریں جو اس آیت میں بیان ہوئی ہیں۔ فرمایا گیا کہ وہ زبردست ہے یعنی سب پر غالب ہے، اس کا جو فیصلہ بھی کسی کے حق میں ہو وہ نافذ ہی ہوکر رہتا ہے۔ کوئی طاقت ایسی نہیں جو اُس کے فیصلوں کو ٹال سکے۔ کسی کی یہ مجال نہیں کہ اُس سے لڑکر جیت سکے، نہ کوئی اُس کی پکڑ سے بچ سکتا ہے۔ لہٰذا اُس کی ناخوشی مول لے کر اگر کوئی شخص کامیابی کی اُمید رکھتا ہے تو وہ سخت غلطی پر ہے۔ کسی کو اگر گمان ہے کہ وہ اُس کی منشاء کے خلاف اپنی من مانی کر سکے گا تو وہ بڑی حماقت میں مبتلا ہے۔ اَب جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ کی اِس صفت پر دل سے یقین ہو، وہ کبھی اس کی نافرمانی پر جم نہیں سکتا اُس کے دین کو نیچا دِکھانے کے لیے جوڑ توڑ نہیں کر سکتا۔ نہ کھل کر مقابلہ میں آ سکتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو اللہ کے دین کے حامل ہیں اور اللہ کی فرماں برداری میں زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں وہ اس یقین کے بعد کہ اللہ سب پر غالب ہے۔ بڑی سے بڑی مشکلات کو خیال میں نہیں لا سکتے۔ حالات کے دَباؤ سے اپنا رُخ نہیں بدل سکتے۔ کمزور سہاروں سے اُمیدیں نہیں لگا سکتے۔

اب دوسری صفت کو لیجیے۔ فرمایا کہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے یعنی وہ جو کچھ کرتا ہے اٹکل اور اندازہ کی بنیاد پر نہیں کرتا، بلکہ علم کی بُنیاد پر کرتا ہے۔ اُسے ہر چیز کا براہِ راست علم ہے۔ اس لیے اِن چیزوں کے بارے میں جو ہماری پہنچ سے باہر ہیں اور جن کو ہماری عقلیں گرفت میں نہیں لے سکتیں۔ اُن کے بارے میں جو علم اُس کی طرف سے آ رہا ہے وہ بالکل یقینی ہے۔ جاننے والا جب کوئی بات بتائے تو نہ ماننے والوں کے لیے صحیح روش یہی ہے کہ وہ اسے مان لیں۔ پھر چونکہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ لہٰذا یہ بات بھی وہی جانتا ہے کہ انسان کی اصل کامیابی کس چیز میں ہے، اور وہ اُصول و قوانین کون سے ہو سکتے ہیں جن پر چل کر انسان کامیابی تک پہنچ سکے۔ وہی یہ جانتا ہے کہ کن احکام کی پیروی اِنسان کے لیے ضروری ہے اور کن باتوں سے اُسے بچنا چاہیے، اِس لیے اس کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات اور اس کے دیئے ہوئے،

قانون پر چل کر ہی انسان حقیقی کامیابی تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کی ہر تعلیم کی بُنیاد حکمت اور صحیح علم پر ہے جس میں غلطی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اگر انسان اُس کی ہدایات کو قبول نہ کرے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ آدمی خود اپنی تباہی کے راستہ پر جانا چاہتا ہے۔ پھر اس صفت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ چونکہ وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس لیے ہر ہر انسان جو کچھ کر رہا ہے وہ سب اُس کے علم میں ہے، کوئی چیز اُس سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ یہاں تک کہ وہ تو دِلوں کے بھید اور ارادوں تک کو جانتا ہے۔ اِس لیے کسی اِنسان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ کوئی بہانہ بنا کر اُس کی سزا سے بچ سکے۔ اِس کے علاوہ انسان ہر ایک کو دھوکہ دے سکتا ہے، ہر ایک سے اپنی اصل حیثیت کو چھپا سکتا ہے۔ لیکن جو سب کچھ جاننے والا ہے اُس سے بچ کر وہ کہیں نہیں جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی اِس صفت پر پُورا یقین ہونے کے بعد انسان کسی حال میں اللہ کی ہدایات اور اس کے قوانین سے مُنہ نہیں موڑ سکتا۔ کسی حکم یا ہدایت کے بارے میں وہ یہ اطمینان تو کر سکتا ہے کہ آیا واقعی وہ خدا کی طرف سے ہے یا نہیں۔ لیکن جب اُسے یہ یقین ہو جائے کہ واقعی خدا کا حکم ہے تو پھر وہ اسے جانتے بوجھتے ٹال نہیں سکتا اور نہ اس کی نافرمانی پر جم سکتا ہے۔ نافرمانیاں اسی وقت ہوتی ہیں جب اِنسان کا ایمان کمزور پڑ جاتا ہے، پھر اس صفت پر یقین انسان کو گناہوں سے بھی روک سکتا ہے اگر انسان جانتے بوجھتے گناہوں میں مبتلا ہے تو یقیناً اُس کے دل میں یا تو خُدا کی اس صفت کا یقین ہی نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو بہت ہی کمزور اور ناکارہ ہے، جو نفس کی خواہشات اور غفلتوں کے پردہ میں دَب کر رہ گیا ہے۔

تیسری صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ گُناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یہ صفت انسان کو اُمید دلانے والی اور اُکسانے والی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی غفلتوں کی وجہ سے بُری طرح گُناہوں میں پھنس جاتے ہیں۔ اب اگر کبھی اُن کے دِل میں

نیکی کا کوئی خیال آتا بھی ہے تو یہ مایوس ہو جاتے ہیں۔ سوچتے ہیں کہ اب کیا ہو سکتا ہے؟ اب تو پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے، یہ مایوسی اور ناامیدی اُنھیں صحیح راستہ پر نہیں آنے دیتی اور وہ بدستور زیادہ سے زیادہ خرابیوں میں پھنسے چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی اِس صفت پر یقین کرنے کے بعد انسان کے اندر یہ ارادہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنی روش پر نظرِ ثانی کرے۔ اور یہ سوچے کہ اگر اب بھی میں اپنا رُخ تبدیل کر دوں اور اپنی روش سے باز آجاؤں تو اللہ کے دامن رحمت میں جگہ پا سکتا ہوں۔ حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی یہ صفت انسان کے لیے بڑی ڈھارس ہے، بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کے لیے ایک سہارا ہے۔ جب بندہ کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ اگر اب بھی میں پلٹ آؤں تو میرے ساتھ معاملہ سزا اور انتقام کا نہیں کیا جائے گا، بلکہ پچھلی تمام کوتاہیوں کو نظرانداز کر کے مجھے یہ موقع دیا جائے گا کہ میں اپنی آیندہ روش سے یہ دکھاؤں کہ میں کس حد تک نیکی کی راہ پر چل سکتا ہوں تو یہ یقین اُس کے اندر ہمت پیدا کرتا ہے اور ایک نئے حوصلہ اور نئے ارادے کے ساتھ وہ آگے بڑھتا ہے۔

بھائیو! اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں پہلے غَافِرِ الذَّنْبِ یعنی گناہ معاف کرنے والا، اور اس کے بعد قَابِلِ التَّوْبِ یعنی توبہ قبول کرنے والا کا ذکر آیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گناہ معاف کرنا اللہ تعالےٰ کی ایک الگ مستقل صفت ہے، اور توبہ قبول کرنا دوسری مستقل صفت۔ توبہ قبول کرنے کا مطلب تو یہی ہے کہ بندہ نے جو گناہ بھی کیے ہوں وہ سب معاف ہو جائیں، لیکن اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم کا ایک رُخ یہ بھی ہے کہ وہ توبہ کے بغیر بھی گناہ معاف فرماتا رہتا ہے۔ مثلاً ایک شخص خطائیں بھی کرتا ہے اور نیکیاں بھی۔ اور اللہ تعالےٰ اس کی نیکیوں کو اُس کی خطاؤں کی معافی کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بندہ کی ان خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے جنھیں وہ بھول چکا ہے۔ اِسی طرح دُنیا میں جتنی تکلیفیں، مصیبتیں، بیماریاں اور طرح طرح کی رنج و غم پہنچانے والی آفتیں

جھیلتا ہے، وہ سب بھی اُس کی خطاؤں کا بَدل بن جاتی ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ توبہ کے بغیر خطاؤں کی معافی کی رعایت صرف اُن کے لیے ہے جو سرکشی اور بغاوت پر آمادہ نہ ہوں، اور اہلِ ایمان ہوں اور گناہوں پر اصرار کرنے والے متکبر، باغی اور کافر اس رعایت کے مستحق نہیں۔

چوتھی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ سخت سزا دینے والا ہے۔ اس طرح ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو بغاوت اور سرکشی پر تُلے ہوئے ہیں کہ اگر وہ ایک طرف بندگی کی راہ اختیار کرنے والوں پر مہربان ہے تو دوسری طرف باغیوں اور سرکشوں کے لیے وہ اتنا ہی سخت ہے۔ اِنسان کی یہ سب سے بڑی حماقت ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی رحمت اور شفقت کے بجائے اپنے آپ کو اُس کی سزا اور پکڑ کا مستحق بنالے۔ اس صفت پر یقین کرنے کے بعد یہ ممکن نہیں کہ انسان خدا کے مقابلہ میں نافرمانی اور بغاوت کی روش پر قائم رہ سکے۔

پانچویں صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بڑے فضل وکرم والا ہے۔ انتہائی فیاض ہے۔ جب دینے پر آئے تو بے حساب دے سکتا ہے۔ اُس کی نعمتوں اور احسانات کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ وہ اپنی مخلوقات پر ہر وقت اپنے فضل وکرم کی بارش کرتا رہتا ہے۔ فرماں بردار ہوں یا نافرمان، ہر ایک کو بے حدوحساب نعمتیں مل رہی ہیں، اور جو کچھ مل رہا ہے اس کے فضل وکرم سے مل رہا ہے۔ دُنیا کی اِس زندگی میں اُس کا فضل وکرم کسی پر بند نہیں۔ وہ انتہائی فضل وکرم والا ہے۔

بھائیو اور عزیزو! اللہ تعالیٰ نے اپنی ان پانچ صفتوں کا ذکر فرمانے کے بعد صاف الفاظ میں پہلی بات تو یہ فرمادی کہ عبادت کا مستحق اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ لوگوں نے خواہ مخواہ جو دوسرے جھوٹے معبود بنا رکھے ہیں اُن میں سے کس میں یہ صفتیں پائی جاتی ہیں؟ اور اگر اُن میں یہ صفتیں نہیں ہیں تو پھر وہ مَعبُود کیسے؟ معبود تو وہی ہوسکتا ہے جس میں یہ صفات موجود ہوں۔ اور دوسری بات یہ فرمائی کہ ہر انسان کو آخر کار جانا اسی کی طرف ہے موت کے بعد معاملہ ختم نہیں ہوجاتا، بلکہ ہر انسان کو لَوٹ کر اُسی کی طرف جانا ہے جس نے

اُنھیں پیدا کیا ہے اور جو اُنھیں دوبارہ زندہ کرنے اور اپنے حضور جمع کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اس کے سوا کوئی دوسری ہستی ایسی نہیں ہے جو لوگوں کے اعمال کا حساب لے اور اُن کے حق میں جزا یا سزا کا فیصلہ کرے۔ اس حقیقت کے ہوتے اگر کوئی شخص کسی دوسری ہستی کو معبود بنائے گا تو اپنی اس حماقت کا خمیازہ خود بھگتے گا۔

بھائیو! آپ نے دیکھا کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر کچھ بھی غور کریں تو ہمیں اپنی زندگی کے لیے ایک واضح رہنمائی ملتی ہے اور ہماری روش کا ایک خاص رُخ متعین ہو جاتا ہے۔ اگر زندگی غفلت اور بے پروائی کے ساتھ گزر رہی ہے، اور جانتے بوجھتے اللہ تعالےٰ کی نافرمانیاں ہو رہی ہیں تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر ہمارا ایمان ویسا نہیں ہے جیسا ہونا چاہیے۔ مومنانہ زندگی بسر کرنے کے لیے ہمیں اللہ تعالیٰ کی صفات پر برابر غور کرتے رہنا چاہیے اور کوشش کرنا چاہیے کہ ہمارے اندر ان صفات کا تصور اور یقین دُھندلا نہ پڑنے پائے۔ اس غرض کے لیے سوچ سمجھ کر قرآن پاک کا مطالعہ، اللہ کی صفات کا ذکر اور نمازوں کا اہتمام ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

فَاتَّقُوا اللّٰہَ، عِبَادَ اللّٰہِ، وَاَخْلِصُوْا لَہُ الْعَمَلَ، وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

خُطبہ عید الفطر

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ اَلْحَمْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمُنْعِمِ الْمُحْسِنِ الدَّیَّانِ ذِی الْفَضْلِ وَالْجُوْدِ وَالْاِحْسَانِ ذِی الْکَرَمِ وَالْمَغْفِرَۃِ وَالْاِمْتِنَانِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

بھائیو اور عزیزو ——— !

اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں یہ خوشی کا دِن دِکھایا۔ آج ہماری عید کا دِن ہے۔ اِسلام نے ہمیں جو جو نعمتیں عطا کی ہیں اُن میں ایک نعمت اس کے دیئے ہوئے وہ تیوہار بھی ہیں جو اپنے مزاج اور اپنی کیفیت کے اعتبار سے ساری دُنیا کے تیوہاروں میں ممتاز ہیں۔ اِسلام نے ہمیں دو تیوہار دیئے ہیں ایک یہی عید الفطر جسے آج ہم منا رہے ہیں اور دوسرا عید قربان جو ۱۰ ذی الحجہ کو ہم مناتے ہیں۔ ہمارا یہ تیوہار اس خوشی میں منایا جاتا ہے کہ ہمارے آقا اور مالک نے ہمیں جو رمضان کے تیس روزے رکھنے کا حکم دیا تھا ہم اس کی توفیق سے اس حکم کی تعمیل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ لہٰذا اس حکم کی تعمیل سے فارغ ہو کر ہم اپنے مالک کا شکریہ بجالاتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالےٰ نے پھر یہ مہلت عطا فرمائی کہ ہمیں رمضان جیسا مبارک مہینہ مِلا یہ وہ متبرک مہینہ ہے جس میں اللہ تعالےٰ نے انسانوں کو اس نِعمت سے نوازا جو حقیقت میں اس کی تمام نعمتوں سے افضل اور برتر ہے یہی وہ مُبارک مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا اور قُرآن اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جس نے اِنسان کو وہ راہ دکھائی جس پر چل کر انسان حقیقی کامیابی پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بے انتہا شفقت اور مہربانی سے ہماری زندگی بسر کرنے کے

بے شمار انتظامات فرمائے۔ ذرا سوچیے تو سہی کہ ہماری غذا کے لیے جو ایک دانہ زمین سے اُگتا ہے تو اُسے عالم وجود میں لانے کے لیے زمین اور آسمان کی ساری قوتیں مل کر کس طرح کام کرتی ہیں۔ پھر اسی مہربان خُدا نے ہماری زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی ضرورتوں کو پُورا کرنے کے لیے کیسے کیسے انتظامات کیے ہیں۔ کس کی مجال ہے کہ وہ اُنھیں پُوری طرح بیان کرسکے۔ اگر سارے جہاں کے درختوں کی لکڑی کے قلم بنا ڈالے جائیں اور سارے سمندر روشنائی کے کام میں لائے جائیں اور پھر اللہ کی نعمتوں کو لکھنے کی کوشش کی جائے تب بھی ان ساری نعمتوں کا لکھ ڈالنا ممکن نہ ہوسکے گا تو جس خدا نے ہماری زندگی کے لیے اتنے کچھ انتظامات فرمائے ہیں اُس کی رحمت و شفقت سے یہ بات بعید تھی کہ وہ ہماری ہدایت اور رہنمائی کے لیے اور ہماری رُوحانی و اخلاقی زندگی کے لیے کوئی انتظام نہ فرماتا۔ رمضان مبارک کا مہینہ ہی وہ محترم مہینہ ہے جس میں عالم انسانیت کو وہ نعمت ملی جو اُس کی روحانی اور اخلاقی زندگی کے لیے اور اس کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے انتہائی ضروری تھی۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

بھائیو اور عزیزو! آج ہم سب اپنے مالک کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ہم نے اس بات کا شکر ادا کیا کہ اس نے ہمیں رمضان کے مبارک مہینے میں روزے رکھنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائی۔ ہم نے اس مہینے میں قرآن سے اپنے تعلق کو تازہ کیا جہاں تک ہو سکا خود بھی قرآن کی تلاوت کی اور اُس کی دی ہوئی ہدایتوں کو سمجھنے کی کوشش کی۔ رات کو تراویح میں اللہ کا کلام نمازوں میں کھڑے ہو کر سُنا اور اُس سے دُعائیں کیں کہ وہ ہمیں اپنی اس نعمت سے پُورا پُورا فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں یہ جرأت اور ہمت دے کہ ہم آج کے جیسے ناموافق حالات میں بھی اس راستے پر چل سکیں جو اس نے اپنی آخری کتاب میں ہمارے لیے تجویز کیا ہے اور جس راستے پر اس کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود چل کر ہمارے سامنے ایک بہترین نمونہ پیش فرمایا ہے۔ ہم اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ

اللہ کے بتائے ہوئے اس راستے پر چلنے کے لیے جن تفصیلی ہدایات کی ہمیں ضرورت تھی وہ سب اللہ کے آخری رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیدی ہیں اور وہ سب اللہ کے فضل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی شکل میں محفوظ ہیں۔ ہم اسی نعمت پر اللہ کا شکر اَدا کرتے ہیں اور اسی سے ٹھیک ٹھیک فائدہ اُٹھانے کی توفیق طلب کرتے ہیں۔

اَللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لَا الٰہ اِلَّا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد۔

بھائیو اور عزیزو! یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور انعام ہی تو تھا کہ ہم نے صرف اسکی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور صرف اس کے اَجر کی اُمید پر پُورے مہینے دن کو روزے رکھے اور رات کو تراویح میں کھڑے ہو کر قرآن سُنا۔ جب تک کسی شخص کو اللہ کی ذات پر ایمان نہ ہو، اور جب تک وہ اس بات کا پُورا پُورا یقین نہ رکھتا ہو کہ اُسے ایک دِن اپنے مالک کے حضور کھڑا ہونا ہے اور جب تک وہ خوب اچھی طرح یہ نہ جانتا ہو کہ موت کے بعد آنے والی زندگی میں انسان کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے اس دُنیا کی زندگی میں کمایا ہو اس وقت تک یہ کیسے ممکن ہے کہ آدمی اپنی جائز اور فطری ضروریات پر پابندی گوارا کرلے۔ دن دن بھر بھوکا پیاسا رہے اور بھوکا پیاسا ہی نہیں بلکہ کھانے پینے کی قسم کی تمام لذتوں سے اپنے آپ کو روکے رکھے اور راتوں کو اپنا آرام چھوڑ کر گھنٹوں خدا کے سامنے قیام رکوع اور سجود میں وقت گزارے پھر اپنی میٹھی نیند کو چھوڑ کر ناوقت اُٹھے اور عادت کے خلاف کھائے پیئے یہ سارے کام وہی لوگ کر سکتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جن کے دِلوں میں ایمان کی روشنی موجود ہے ہم اللہ کا شکر اَدا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں یہ دولت عطا فرمائی اور ہمیں اپنے حکم کی تعمیل کرنے کی قوت بخشی۔ ہم اُس کے اسی فضل وکرم پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ایمانوں کو مضبوطی عطا فرمائے اور زندگی کے تمام کاموں میں اپنی رضا اور اپنی خوشنودی کے راستے پر چلنے کی ہمت عطا فرمائے۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ اِلّا اللہُ واللہ اکبر اللہُ اکبر وَ لِلّٰہِ الحَمدُ۔

بھائیو! ہم سب جانتے ہیں کہ اِنسان سے غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہیں ہم میں سے کوئی بھی ایسا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس نے اللہ کے احکام کی تعمیل جیسی کہ کرنا چاہیے تھی کردی۔ ہم سب خطا کار ہیں ہم سے کوتاہیاں بھی ہوئی ہیں۔ روزوں میں ایسے کام بھی ہم سے ہوگئے ہیں جو روزے کی حالت میں مناسب نہیں تھے پھر ہم نے ان برکت کے ایام سے جیسا کچھ فائدہ اُٹھانا چاہیے تھا ویسا فائدہ بھی نہیں اُٹھایا ہے۔ ہم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کے روزوں میں کمی رہ گئی جو نمازوں کا اہتمام ٹھیک ٹھیک نہیں کرسکے اور مجھے تو نہایت دُکھ اور افسوس کے ساتھ یہ کہنا بھی پڑتا ہے کہ ہم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس مہینے کی برکتوں سے محروم رہ گئے جنھوں نے موسم بہار کو پایا لیکن وہ اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ آج ان کے دامن میں ایک پھُول بھی نہیں ہے وہ جیسے خالی ہاتھ پہلے تھے ویسے ہی اب بھی ہیں۔ بہر حال آج کا دن ملامت کرنے کا دِن نہیں ہے۔ البتہ آج کا دن توبہ واستغفار کرنے کا ہے اللہ تعالیٰ کا دامنِ رحمت بہت وسیع ہے۔ بندہ جس وقت بھی پلٹنا چاہے تو وہ اُس کی آغوشِ رحمت کو کھُلا ہوا پائے گا۔ آج ہمارے لیے استغفار کا دن ہے، اپنی کوتاہیوں کی معافی چاہنے کا دن ہے۔ آئندہ کے لیے عزم اور ارادے کا دن ہے ہمیں محسوس کرنا چاہیے کہ اللہ کے فضل سے ہم ابھی زندہ ہیں ہمارے لیے عمل کی مہلت باقی ہے۔ حالانکہ اگر ہم یاد کریں تو ہمیں اپنے ایسے سیکڑوں شناسا اور ملنے جلنے والوں کے نام یاد آسکتے ہیں جو اَب سے پہلی عید میں ہمارے ساتھ تھے لیکن اُن کی مہلت عمل ختم ہوگئی وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے اور وہ اب ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ بس ایسا ہی ایک دن ہمارے لیے بھی مقرر ہے ہم تیزی کے ساتھ اپنی اِس منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں اور ہم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اُس کی مہلت عمل کب ختم ہوجائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں توبہ او استغفار کی طرف فوراً توجہ دینا چاہیے ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا چاہیے۔ اپنی کوتاہیوں کو محسوس

کرنا چاہیے۔ اپنی غفلتوں کو دُور کرنا چاہیے اور آج اپنے رب سے معافی مانگتے ہوئے اور آج اپنے رب کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے اس سے نیکی کی توفیق طلب کرنا چاہیے اور یہ اقرار کرنا چاہیے کہ اب ہماری زندگی کا رُخ دوسرا ہوگا۔ ہم جانتے بوجھتے اس کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ زندگی میں کوئی ایسی روش اختیار نہیں کریں گے جو اُسے ناپسند ہو۔ ہماری ساری اطاعتیں اسی کے لیے ہوں گی۔ ہم صرف اس کے وفادار بن کر رہیں گے۔ اُس کی اطاعت سے مُنہ موڑ کر ہم نہ اپنے نفس کی پیروی کریں گے اور نہ اپنے رسم ورواج کی۔ ہم صرف اس کا بندہ بن کر رہیں گے۔ اس کے علاوہ کسی کی بندگی اور غلامی اختیار نہ کریں گے۔

بھائیو ــــ! اگر ہم اس طرح آج خوشی کے دن پر یہ اہم فیصلہ کرکے اُٹھیں تو پھر یقین رکھیے کہ ہمارے لیے آج کا دن سچ مچ عید کا دِن ہے۔ خوشی کا دن ہے۔ ہماری زندگی کا سب سے زیادہ مبارک دن ہے۔ لیکن اگر خدانخواستہ یہ ساری باتیں ہمارے کانوں کے پردوں سے ٹکرا کر یوں ہی واپس ہوجائیں اُن کا کچھ حصّہ بھی دلوں کے اندر نہ اتر سکے تو پھر آج کا دن ہمارے لیے وعید کا دن ہے۔ محرومی اور نامرادی کا دن ہے۔ ہم اللہ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اس دن کو عید کا دن بنائے۔ ہم اس کے شکرگزار ہیں کہ اُس نے ہماری مُہلت عمل کو دراز فرمایا۔ ہمیں پھر ایک بار اپنے حال پر نظر کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ہم سب اس کے شکر گزار ہیں۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ اِلَّا اللہ وَاللہُ اکبر اللہ اکبر وَلِلّٰہِ الحمد۔

صاحبو ــــ! اللہ کا تقویٰ تمام نیکیوں کی بُنیاد ہے جس بندے کو ہر آن یہ خیال لگا ہے کہ کہیں اس سے کوئی ایسا کام نہ ہوجائے جس سے اس کا مالک ناخوش ہوتا ہے اور جسے ہر وقت یہ فکر لگی رہے کہ میں اپنے مالک کی نافرمانی سے بچوں اور اسے زیادہ سے زیادہ خوش کرسکوں وہ بڑا مبارک بندہ ہے۔ ہم سب نے اللہ کی بندگی کا اقرار کیا ہے ہم سب اسی کو اپنا

آقا اور مالک تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارے لیے سب سے بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ ہم اُس کی ناخوشی سے بچیں اور اس کے احکام کی پُوری پُوری اطاعت کرتے ہوئے زندگی بسر کریں یہی تقوٰے ساری نیکیوں کی بنیاد ہے یہی شرطِ ایمان ہے یہی ہماری تمام مشکلات کا صحیح حل ہے۔ یہی وہ علاج ہے جس سے سارے فساد دُور ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے تقویٰ کی اسی کیفیت کو بڑھانے کے لیے رمضان المبارک کے روزے ہم پر فرض کیے۔ اب جن لوگوں نے روزے ان ضروری شرائط کے ساتھ رکھے جو روزے کے لیے بتائی گئی ہیں تو یقیناً ان کے اندر تقویٰ کی کیفیت پیدا ہوئی اور وہ اب پہلے کے مقابلے میں نیکی کے راستے پر چلنے کی زیادہ ہمت اپنے اندر پائیں گے۔ رمضان کا پُورا مہینہ تربیت کا مہینہ تھا اس میں آپ کو نیکی کی راہ پر چلنے کی مشق کرائی گئی۔ خُدا کے احکام کی اطاعت کرنے کی مشق کرائی گئی۔ اللہ کی راہ میں تکلیفیں اُٹھانے اور اپنی خواہشات اور دل چسپیوں کی قربانی کرنے کی مشق کرائی گئی۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ نے اس مشق سے جو فائدہ اُٹھایا ہے اُسے آپ آنے والے گیارہ مہینوں میں باقی رکھنے کی کوشش کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پھر ایک بار اپنی نعمت سے نوازے لیکن یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب آپ زندگی کے تمام کاموں میں اللہ کی نافرمانی سے بچنے کا اہتمام کرتے رہیں جو روزے کو توڑنے والی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مُومن کی پوری زندگی عبادت ہے۔ بشرطیکہ وہ زندگی کا ہر کام خدائی ہدایت کے مطابق انجام دے اور کسی معاملے میں جانتے بوجھتے خُدا کی نافرمانی نہ کرے۔ یہ اللہ کا بے حد وحساب فضل ہے کہ اُس نے ہمیں اِس دین کی نعمت سے نوازا جو انسانی زندگی کو دین و دنیا کے دو خانوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ جو انسان کی پُوری زندگی کو دین ہی کے دائرے میں رکھنا چاہتا ہے۔ یہ اللہ کا احسان ہی تو ہے کہ جس طرح اُس نے نماز روزے اور حج وزکوٰۃ کا اجر دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اسی طرح اُس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر ہم اپنی روزی اس طرح کمائیں کہ خُدا کے بتائے ہوئے حلال و حرام کا دھیان رکھیں کسی کا کوئی حق تلف نہ کریں اور کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ کریں

تو وہ ہمیں اس پر بھی اجر دے گا۔ یہاں تک کہ بیوی بچوں کے ساتھ تعلقات رکھنا اجتماعی کاموں میں ہاتھ بٹانا ملک کا نظم و نسق چلانا۔ غرض یہ کہ وہ سارے کام جنھیں عام طور پر دنیا داری کے کام کہا جاتا ہے وہ سب ہمارے لیے اجر و ثواب کا موجب بن سکتے ہیں اگر ہم ہر قدم پر خدائی ہدایات یاد رکھیں اور ہمارا ہر کام خدا کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لیے ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے جس کا شکر ہم ادا نہیں کر سکتے جو لوگ اس نعمت سے محروم ہیں وہ یا تو دنیا کے سارے معاملات کو شیطانوں کے حوالے کر کے خود اپنے نزدیک اللہ کی عبادت میں لگ جاتے ہیں اور گوشوں میں جا بیٹھتے ہیں یا پھر خود شیطان بن کر دنیا کے لیے عذاب بن جاتے ہیں۔ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہماری رہنمائی کے لیے اپنی کتاب نازل فرمائی اِس کتاب کی حفاظت کی ذمے داری خود لی اور اللہ کے فضل سے یہ مشعلِ ہدایت آج بھی ہمارے پاس موجود ہے ہم سب اُس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

اقول قولی ھذا و استغفر اللہ العظیم

خطبۂ ثانیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَمَرَ بِذِکْرِهٖ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مُفْصِحًا بِشُکْرِهٖ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلٰی کَافَّةِ الْخَلْقِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰٓی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ خُصُوْصًا عَلٰٓی اَجَلِّ صَاحِبٍ وَّاَسْعَدِ رَفِیْقٍ اَلْخَلِیْفَةِ السَّامِیْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِؓ وَعَلَی الْاِمَامِ الْهُمَامِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبِیْ حَفْصٍ عُمَرَ الْفَارُوْقِؓ وَعَلَی الشَّاکِرِ الصَّابِرِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عُثْمَانَ ذِی النُّوْرَیْنِؓ وَعَلَی الْعَالِمِ النِّحْرِیْرِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبِی الْحَسَنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍؓ وَعَلٰی رَیْحَانَتَیْ سَیِّدِ الْکَوْنَیْنِ اَبِیْ مُحَمَّدِنِ الْحَسَنِ وَاَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَیْنِ

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَعَلٰی اُمِّهِمَا الْبَتُوْلِ الزَّهْرَآءِ سَيِّدَةِ النِّسَآءِ وَعَلَى الْاَسَدَيْنِ
الْمُكَرَّمَيْنِ بَيْنَ النَّاسِ حَمْزَةَ الْعَبَّاسِ وَالَّذِيْنَ يَكْمُلُ بِهِمْ عَدَدُ
الْعَشَرَةِ الْمُبَشِّرِيْنَ بِالْجَنَّةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ وَالْاَزْوَاجِ الطَّاهِرَاتِ
وَاَهْلِ الْبَيْتِ الْمُطَهَّرِ وَجَمِيْعِ الصَّاحِبِ وَمُتَّبِعِيْهِمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ
الْمَحْشَرِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَ
اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاَعِزَّ الْاِسْلَامَ وَنَاصِرِيْهِ وَاَذِلِّ
الشِّرْكَ وَمَوَالِيْهِ وَارْحَمِ الدِّيْنَ الْمَرْضِيَّ وَمَنْ حَمَاهُ وَاخْذُلْ بِقَهْرِكَ
مَنْ خَذَلَهٗ وَعَادَاهُ وَاجْعَلْنَا مِنَ الْمُؤْتَمِرِيْنَ بِقَوْلِكَ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ
وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَيَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ يَعِظُكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ اُذْكُرُوا اللّٰهَ الْعَظِيْمَ يَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْهُ نِعَمَهٗ
يَزِدْكُمْ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَاَوْلٰى وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَهَمُّ وَاَتَمُّ وَاَكْبَرُ۔

عیدالاضحی کا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا، سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا۔ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ۔ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّۃِ وَالْعَظَمَۃِ وَالْھَیْبَۃِ وَالْقُدْرَۃِ وَالْکِبْرِیَآءِ وَالْجَبَرُوْتِ۔ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوْتُ۔ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ۔ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَالرُّوْحِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔ سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ اُرْسِلَ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ۔ اِلَی النَّاسِ کَآفَّۃً۔ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا۔ وَابْعَثْہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِّنْۢ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ۔ فَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَلَہٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ۔ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ

مسلمانو! آج بڑی برکت اور مسرت کا دِن ہے۔ انتہائی شکر کے لائق ہے وہ ذات جس نے پھر ہمیں یہ دن نصیب کیا اور جس نے ہمارے عمل کی مہلت کو اس حد تک دراز فرمایا۔ بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے خانہ کعبہ کو محترم بنایا اور ہمارے لیے اس کی زیارت کو اپنے تقرب کا ذریعہ ٹھہرایا۔ کیسے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو آج کے دِن اس محترم گھر کی زیارت اور طواف کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، جن کی زبانوں پر لبیک کے نعرے ہیں جو کبھی منٰی میں ہیں تو کبھی عرفات میں۔ کبھی مزدلفہ میں قیام ہے تو کبھی پھر منٰی میں۔ کبھی اللہ کے حضور قربانیاں پیش کر رہے ہیں تو کبھی اُس کا حکم بجالانے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کو تازہ کرنے کے لیے جمرات پر کنکریاں مار رہے ہیں۔ کبھی ذوق وشوق کے ساتھ اس مرکزِ توحید کا طواف کر رہے

ہیں جسے اس نے اپنے خلیل حضرت ابراہیمؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں بنوایا۔ اور کبھی زمزم کے اس چشمے کا پانی پی رہے ہیں جو اب سے ہزاروں برس پہلے اس خشک وادی میں اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت اور رحمت سے ظہور میں آیا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْد۔

بڑی بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ قدرت اور غلبہ اسی کے لیے ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو زندۂ جاوید ہے اور جسے فنا نہیں۔ ہم سب اس کی تعریف کرتے ہیں۔ سب اُس کا شکر بجالاتے ہیں اور اس کی رحمتوں کے طلب گار ہیں۔

بھائیو! آج عید کا دن ہے ہم سب خوشی اور مسرت کے ساتھ اللہ کے حضور شکر ادا کرنے کے لیے جمع ہوئے۔ اِسی شکرانے میں ہم نے دو رکعت نماز ادا کی۔ بار بار اُس کی بڑائی بیان کی۔ ہماری اس خوشی کا تعلق حج اور قربانی سے ہے۔ ہمارے لاکھوں بھائیوں نے اس موقع پر بیت اللہ کا حج کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی محبت اور عقیدت کا ثبوت پیش کیا۔ اس کی خوشی کے لیے طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھائیں اور اپنی ہر ادا اور ہر حرکت سے یہی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنے آقا اور مالک کے اشاروں پر کس طرح اپنے آرام، اپنے مال اور اپنی خواہشات کی قُربانی کے لیے تیار ہیں۔ بندے کے لیے اس سے بڑی خوشی اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے آقا اور مالک کا حکم بجالائے وہ اسے خوش کرسکے۔ غلام کے لیے تو آقا کی خوشنودی ہی سب سے بڑی دولت ہے۔ لیکن حج کی سعادت تو اُن لوگوں کے حصے میں آئی جو اس سفر پر جاسکے۔ ہم دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں قبولیت سے نوازے اور ہمارے لیے بھی اِس سعادت سے حصہ پانے کی صُورتیں پیدا فرمائے۔ ہم بلاشبہ حج کی سعادت تو نہ پاسکے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمارے حصے میں صرف محرومی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ اُس نے قربانی اور نماز کو ہمارے لیے تقرب کا ذریعہ بنایا اور جو لوگ قربانی کی استطاعت بھی نہ رکھتے ہوں ان کے لیے عید کی نماز اور تکبیر اور تسبیح کو اپنے تقرب کا ذریعہ ٹھہرایا۔ اس کے حضور تو بندے کا خلوص سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔ چاہے یہ حج اور قربانی کی شکل میں ہو یا نماز اور تسبیح کی شکل میں۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

ہم میں سے کون ایسا ہوگا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا نام نہ سُنا ہو۔ یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کہا جاتا ہے یعنی اللہ کا دوست۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی سے اس بات کا ثبوت دیا کہ اُنھیں اللہ کی مرضی اور اُس کی خوشنودی سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں تھی۔ اسی خوشنودی کے حاصل کرنے کے لیے آپ نے اپنا وطن چھوڑا فرمایا "اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ"۔ میں اپنے پروردگار کی طرف جا رہا ہوں"۔ یعنی میں اس ماحول میں سانس نہیں لے سکتا جہاں مجھے اپنے رب کی مرضی پُوری کرنے کا موقع حاصل نہ ہو۔ میں اِدھر اُدھر چلا جاؤں گا۔ جہاں اُس کے احکام کے مطابق زندگی گزار سکوں اور مجھے یقین ہے کہ اِس بارے میں وہی میری رہنمائی فرمائے گا۔ میں اُس کی خاطر وطن چھوڑتا ہوں۔ وہی مجھ پر اپنی راہ کھولے گا۔

اللہ کے کلمے کو بلند کرنا آسان کام نہیں۔ مُومن اس مقصد کے لیے ساتھی ڈھونڈتا ہے چاہتا ہے کہ دوسرے اس کا ہاتھ بٹائیں۔ اولاد سے زیادہ ہاتھ بٹانے والا اور کون ہوسکتا ہے۔ مُومن اولاد کی تمنا اسی لیے کرتا ہے کہ وہ اللہ کا کلمہ بلند کرنے میں اس کا ہاتھ بٹائے۔ حضرت نے دُعا کی رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ "۔ اے پروردگار! تو مجھے صالح اولاد عطا فرما" تاکہ میں اس کو ساتھ لے کر تیری راہ پر چلوں اور لوگوں کے لیے حق اور ہدایت کی راہ ہمارے ہاتھوں کھلے۔ یہ ایک بہترین دُعا تھی بہترین مقصد کے لیے ارشاد ہوا۔ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ "۔ تو ہم نے اِس کو ایک حلیم لڑکے کی ولادت کی خوش خبری دی چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السّلام پیدا ہوئے۔ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰى فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى۔ حضرت اسماعیل ہوشیار ہوگئے۔ آپ کے مشن میں ہاتھ بٹانے لگے۔ آپ کی دَوڑ دھوپ میں شرکت کرنے لگے۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک اور سخت امتحان سے گزارے گئے۔ حضرت اسمٰعیل فرمانے لگے "بیٹا! میں نے خواب میں یوں دیکھا کہ تم کو اللہ کی راہ میں قربان کر رہا ہوں تو بتاؤ تمھاری کیا رائے ہے"۔ اب یہ امتحان دونوں کا ہوگیا۔ باپ کے سامنے یہ سوال کہ وہ اپنی بڑھاپے کی دُعاؤں کے نتیجے کو اللہ کا اشارہ پاتے ہی اپنے ہاتھوں اس کے لیے قُربان کر دے۔ اور بیٹے کا یہ امتحان کہ وہ اپنی جان اللہ کی مرضی کی خاطر قربان کرنے کے لیے خوشی خوشی تیار ہو جائے۔ قَالَ

یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰابِرِیْنَ۔ صالح بیٹے نے جواب دیا۔ ابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل فرمایئے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھ کو ثابت قدم لوگوں میں پائیں گے۔ بندے کا یہی مقام ہے۔ مالک کی مرضی کے سامنے کسی چیز کی اہمیت نہیں، نہ جان کی، نہ مال کی اور نہ اولاد کی۔ باپ تیار ہو گیا کہ اپنے چہیتے بیٹے کو جو اُسے دُنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھا قربان کر دے اور بیٹا تیار ہو گیا کہ اللہ کی مرضی کے لیے خوشی خوشی اپنے گلے پر چھری پھروالے فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ۔ جب دونوں اللہ کے حکم کے سامنے جھک گئے اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا تو یہ ثابت ہو گیا کہ دونوں اپنی اطاعت اور فرماں برداری میں پورے تھے۔ دونوں سچے مُسلم تھے۔ اور یہی دیکھنا تھا۔ اسی کا امتحان تھا۔ وَنَادَیْنٰہُ اَنْ یّٰاِبْرٰھِیْمُ۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ۔ چنانچہ ہم نے اس کو پکارا اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا، بے شک ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بلاشبہ کھلی ہوئی جانچ یہی ہے" دونوں امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ دونوں نے وہ کر دکھایا جو مطلوب تھا۔ وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۔ اور ہم نے اس کو ایک بڑی قربانی کے عوض چھڑا لیا" اللہ نے اسی قربانی کی یادگار میں قربانی کی ایک عالم گیر اور عظیم الشان سنت قایم کر دی

یہ ہے ابراہیم علیہ السلام کی ایک سرگزشت جسے اللہ تعالےٰ نے ہمارے لیے اپنی آخری کتاب میں محفوظ فرما دیا ہے۔ قیامت تک اس سے یہ حقیقت سامنے آتی رہے گی کہ اسلام کی اصل رُوح کیا ہے۔ خدا کی اطاعت کے مقابلے میں بندہ کسی چیز کو بچا کر نہیں رکھ سکتا۔ اور جب تک یہ جذبہ موجود نہ ہو ایمان اور اخلاص کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

آج عید کا دن ہے جو اسی سرگزشت کی یادگار منانے کا دن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یادگار کو منانے کے لیے جانوروں کی قربانی کا طریقہ ہمیں سکھایا۔ یہ قربانی ہمارے اسلام کی ایک اہم نشانی ہے۔ ہماری اطاعت اور فرماں برداری کا ایک ثبوت ہے۔ یہ تسلیم و اطاعت کے ایک عظیم الشان واقعے کی یادگار ہے۔ اہل ایمان جب اللہ کی راہ میں اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں تو گویا وہ اپنے عمل سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ راہِ الٰہی میں ہم اپنی جانیں

قربان کرکے اطاعت اور بندگی کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اللہ کی مرضی کے مقابلے میں ہمیں کوئی چیز عزیز نہیں۔ نہ اپنی جان، نہ اپنا مال اور نہ اپنی اولاد۔ اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر اللّٰہُ اَکْبَر وَلِلّٰہِ الْحَمْد۔

بھائیو! یہ قربانی اگر خلوص نیت کے ساتھ کی جائے تو آج کے دن اللہ کا تقرب حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ یَوْمَ النَّحْرِ اَفْضَلَ مِنْ اِھْرَاقِہٖ دَمًا۔ وَاِنَّھَا لَتَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِقُرُوْنِھَا وَاَشْعَارِھَا وَاَظْلَافِھَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ عِنْدَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ عَلَی الْاَرْضِ۔ "قربانی کے دن انسان کا کوئی عمل اس سے زیادہ افضل نہیں ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جانوروں کی قربانی پیش کرکے ان کا خون بہائے۔ اور یہ کہ قربانی کے جانور قیامت کے دن اپنی سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ صحیح سالم حالت میں آئیں گے اور یہ کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالےٰ کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے" قربانی ہر اُس شخص کے لیے ضروری ہے جس کے پاس بقدر نصاب مال موجود ہو۔ قربانی کے لیے اونٹ، گائے اور بھینس میں سات حصے ہیں اور بکری، بھیڑ اور دُنبے میں ایک حصہ۔ قربانی کے لیے اونٹ پانچ سال سے کم نہ ہونا چاہیئے۔ اور گائے اور بھینس دو سال سے۔ بکری اور بھیڑ کم سے کم ایک سال کی ہو۔ البتہ دُنبہ یا بھیڑ چھ مہینے کا بھی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ایسا موٹا تازہ ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو۔ ان سب جانوروں کے نر اور مادّہ دونوں کی قربانی ہو سکتی ہے۔ لیکن عیب دار جانور مثلاً اندھا، کانا، لنگڑا، انتہائی دُبلا اور مریض کی قربانی دُرست نہیں، قربانی کا جانور منتخب کرتے وقت متعلقہ مسائل سامنے رہنا چاہیئں۔

قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد سے ۱۲ ر ذی الحجہ کو سورج چھپنے سے پہلے پہلے تک ہے۔ قربانی دِن میں کرنا چاہیئے۔ ہاں کوئی مجبوری ہو تو بات دوسری ہے۔ قربانی کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ شخص جس کی طرف سے قربانی پیش ہو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے۔ البتہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تو اپنے سامنے دوسرے سے ذبح کرائے۔ زمین پر پچھاڑتے وقت جانور کا منہ قبلے کی طرف رہے۔ اور قربانی سے پہلے یہ دُعا پڑھی جائے۔ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ - اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ - اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ - پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَر کہہ کر ذبح کرے یہ دُعا دراصل قربانی کی اصل رُوح ہے ۔ بلکہ یوں کہیے کہ مومن کی زندگی کی اصل رُوح ہے ۔ آپ کہتے ہیں کہ میں نے ہر طرف سے مُنہ موڑ کر اپنا رُخ اُس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں ۔ یہ کیسا بڑا اعلان ہے اگر سوچ سمجھ کر اعلان کیا جائے تو پھر اس کے بعد اس کی گنجائش ہی کیا رہ جاتی ہے کہ انسان اللہ سے ہٹ کر کسی راہ پر چلے اور اس سے مُنہ موڑ کر زندگی کا کوئی رُخ متعین کرے پھر آپ کہتے ہیں کہ میری نماز، میری قربانی ، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے، جو سارے جہان کا رب ہے ۔ اخلاص کا اعلان اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا ۔ اس کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کی زندگی میں کسی طرح بھی دورُخا پن باقی رہ جائے ۔ آپ کو تو سراپا اخلاص ہونا چاہیے ۔ اِس اقرار کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ زندگی کا کوئی کام اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے کریں ۔ آپ تو اقرار کر چکے کہ میری زندگی کا ایک ہی مرکز ہے اور وہ ہے رب العٰلمین کی خوشنودی ۔ پھر آپ ایک حقیقت کا اعلان کرتے ہیں کہ اے اللہ! یہ جو کچھ بھی تیری خوشنودی کے لیے پیش کر رہا ہوں یہ تیرا ہی دیا ہوا تو ہے اور تیرے ہی لیے پیش ہے ۔ عاجزی اور سپردگی کی یہ کیسی اونچی تصویر ہے ۔ آپ جو کچھ کر رہے ہیں اس اقرار اور احساس کے ساتھ کر رہے ہیں کہ میں اور میرا سب کچھ اللہ ہی کا ہے ۔ اور اسی کے لیے ہے اور ظاہر ہے کہ اسے اسی کے لیے ہونا ہی چاہیئے ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۔

آپ نے قربانی پیش کر دی ۔ یہ مال کی قربانی بھی ہے اور جان کی بھی ۔ اب آپ پھر اپنے مالک سے عرض کرتے ہیں ۔ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّ خَلِيْلِكَ اِبْرَاهِيْمَ ۔ اے اللہ! تو اسے میری طرف سے قبول فرمالے جیسا کہ تو نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کو قبول فرمایا اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السّلام کی قربانی کو قبول فرمایا یہ دُعا بھی ہے اور اس بات کا اعلان بھی کہ آپ نے جو کچھ کیا وہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے آپ

نے اپنے دل سے طے کرلیا ہو۔ بلکہ یہ یادگار ہے اس عظیم قربانی کی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش فرمائی اور یہ ایک طریقہ ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جسے اُمت کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

بھائیو! بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو زندگی کی مہلت میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کا اہتمام کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص پر حج فرض کیا ہے جو اس کے مصارف برداشت کرسکے ہم میں سے اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود اس سعادت سے محروم ہے۔ تو اُسے فوراً فکر کرنی چاہیے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کی زندگی کی کتنی مہلت باقی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے نیکی کے کاموں کو جلد سے جلد کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ایسے لوگوں کو یہ فیصلہ کرلینا چاہیے کہ وہ جلد سے جلد اس فریضے کو اَدا کریں۔ دُنیا اور اس کی اُلجھنیں تو کبھی کم ہونے والی نہیں۔ پختہ ارادے کی ضرورت ہے۔ ساری مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اتنا مال دیا ہے کہ انھیں قربانی کرنا چاہیے۔ ایسے لوگوں کو بھی اس سعادت سے محروم نہ رہنا چاہیئے۔ مال اور دولت کا بہترین مصرف یہی ہے کہ وہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے خرچ ہو۔ یوں دُنیاوی ضروریات کی حد کب کسی نے قائم کی ہے۔

بھائیو! یہ ایام اللہ تعالیٰ کی تکبیر اور تسبیح کے لیے خاص طور پر اہم ہیں۔ آپ نے ۹ ذی الحجہ کی صبح سے ہر فرض نماز کے بعد تکبیرات پڑھنے کا اہتمام کیا ہے۔ اُسے پورے شعور کے ساتھ ہر فرض نماز کے بعد ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک پڑھیے اور ہر بار اس تصوّر کو تازہ کرتے رہیے کہ آپ نے سوچ سمجھ کر یہ اقرار کیا ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اب اس کی بڑائی کے مقابلے میں کسی دوسرے کی بڑائی آپ کے دل میں بیٹھنے نہ پائے۔ آپ نے اسی کو اپنا الٰہ مانا ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کسی دوسرے کی الوہیت کا کوئی اثر قبول کریں۔ اور کسی دوسرے کو اس قابل سمجھیں کہ وہ بھی کسی درجے میں بندگی کا مستحق ہے۔ ساری تعریفیں اسی کے لیے ہیں اور شکر کی مستحق صرف اسی کی

ذات ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاھْدِنَا وَارْزُقْنَا وَعَافِنَا اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا۔ اَنْتَ وَلِیُّنَا وَمَوْلَانَا بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

نِکاح کا خُطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔

وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

اَمَّا بَعْدُ۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ط وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا۔ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

بزرگو! اور بھائیو! ابھی جو خطبہ میں نے آپ کے سامنے عربی میں پڑھا۔ قریب قریب یہی خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کے موقع پر دیا کرتے تھے، آج بھی ہمارے ہاں تقریباً ہر نکاح میں یہی خطبہ پڑھا جاتا ہے اور آپ میں سے بہت سے لوگوں کو یہ خطبہ یاد بھی ہوگا۔

لیکن جس طرح ہماری پوری زندگی سے اِسلام کی روح کم ہوتے ہوتے اب ہمارا معاشرہ تقریباً بے جان سا ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی طرح اس اعتبار سے ہماری نکاح کی محفلیں بھی اسلامی رُوح سے خالی ہو گئی ہیں۔ آپ سب صاحبان جانتے ہیں کہ اسلام انسان کی پوری زندگی کو اس رنگ میں ڈھالنا چاہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے زندگی کا یہی رنگ انسان کی حقیقی کامیابی کا ضامن ہے۔ اِس زندگی میں بھی اور اس کے بعد آنے والی اور ہمیشہ رہنے والی زندگی

میں بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف تو اسلام کسی طرح یہ گوارا نہیں کرتا کہ مسلمان کسی وقت بھی ایسی غفلت میں مبتلا ہو جائے کہ اسے اپنی حیثیت اور اپنا مقام یاد نہ رہے دوسری طرف وہ ہر اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے۔ جب لوگ جمع ہوں اور اس کا امکان ہو کہ شیطان ان کے درمیان دخل پاکر انھیں اُن کے مقام سے ہٹا دے۔ ایسا ہی موقع یہ نکاح کی محفل بھی ہے۔ اس مجلس میں مسلمان جمع ہو جاتے ہیں اور بالعموم ذہنوں پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ اس کیفیت میں شیطان کو اپنا کام کرنے کا زیادہ موقع مل جاتا ہے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر جس طرح خطبہ پڑھنے کی ہمیں تعلیم دی ہے وہ ہمارے لیے ایک بڑی نعمت ہے اور اس میں ہمارے لیے بے شمار خیر و برکت کے پہلو ہیں۔ ایسے پہلو ہیں۔ جن سے ہماری دنیا بھی بنتی ہے اور آخرت بھی۔

بھائیو! افسوس یہ ہے کہ ہماری کم علمی اور بے توجہی کی وجہ سے وہ ساری باتیں جو عام طور پر نکاح کے خطبے کی شکل میں ہمیں سنائی جاتی ہیں ہمارے لیے سوائے چند متبرک الفاظ کے اور کچھ نہیں رہ گئی ہیں، بس رسماً یہ الفاظ پڑھ لیے جاتے ہیں اور سمجھا جاتا ہے کہ مقصد پورا ہو گیا۔

آج اس صحبت میں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کے کچھ پہلو آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ ہمارے ایمان کی تازگی اور ہماری زندگیوں کی اصلاح کے لیے انشاء اللہ مفید ثابت ہوں گے۔

بھائیو! خطبے کے ابتدائی جملے کا ترجمہ یہ ہے کہ "شکر اور تعریف اللہ کے لیے ہے ہم سب اس کا شکر ادا کرتے ہیں، اور اُسی کے گُن گاتے ہیں۔ اپنے ہر معاملے میں اسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی بُرائیوں کے مقابلے میں ہم اپنے آپ کو اسی کی پناہ میں دیتے ہیں جس کو اللہ ہدایت دے (اور وہ اسی کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت حاصل کرنا چاہے) تو اُسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا؛ اور جسے وہ گمراہ کر دے (اور وہ اسی کو گمراہ کرتا ہے جو خود گمراہ ہونا چاہتا ہے) تو اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔"

یہ ہے اس خطبے کا ابتدائی جملہ۔ اس جملے میں مومن کے سوچنے کا انداز اور اس کی زندگی کا رُخ سب کچھ آگیا ہے۔ مومن کی نظر میں شکر اور تعریف کے لائق صرف ایک ذات ہے۔ مومن کا ایمان

ہے کہ اسے جو کچھ ملتا ہے اسی سے ملتا ہے۔ زندگی کی ساری نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں۔ اس کے احسانات بے انتہا ہیں۔ انسان کی مجال نہیں کہ وہ اس کی دی ہوئی نعمتوں کا تصور بھی کر سکے۔ انسان کا کام صرف یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس کے احسانات کو یاد کرے، اور ہر وقت اس کا شکر ادا کرتا رہے۔ شکر ادا کرنے کے لیے زبان سے تعریف بیان کرنا اور اپنی پوری زندگی میں اس احسان کرنے والے کی پوری پوری اطاعت کرنا لازمی ہے۔

بھائیو! ہم سب کا عقیدہ ہے کہ تمام کائنات کا اصل کرتا دھرتا صرف اللہ تعالیٰ ہے نہ صرف اس کائنات کے بنانے میں کوئی اُس کا شریک ہے اور نہ اُس کے انتظام میں کوئی اُس کا ساجھی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی اُس کے ارادے کو ٹالنے والا نہیں۔ اِسی لیے جگہ جگہ ہم کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اپنے ہر کام میں اسی سے مدد مانگیں اور اپنی تمام حاجتوں کے لیے صرف اسی کے آگے ہاتھ پھیلائیں، دینے والا صرف وہی ہے، اس کے علاوہ جو کوئی ہے وہ اس کا محتاج ہے ہم سب گنہ گار ہیں۔ ہم سب سے خطائیں ہوتی رہتی ہیں، ہمارا کام یہ ہے کہ اس سے اپنے قصوروں کی معافی چاہیں، وہ بڑا غفور الرحیم ہے وہ ہر اِس خطاوار کو معاف فرما دیتا ہے جو سچّے دل سے اپنی غلطیوں کو تسلیم کرے، ان پر شرمندہ ہو، اور آیندہ ان سے بچنے کا پورا پُورا اقرار اور ارادہ کرے ہر انسان کے لیے ہر وقت اس کا امکان موجود ہے کہ وہ جب چاہے اپنی غلط زندگی سے پلٹ جائے اور بُرائیوں کو چھوڑ کر بھلائیاں اختیار کرے۔ اسی کا نام توبہ ہے۔

بھائیو! ہم سب کو اس بات کا احساس ہے کہ انسان بڑا کمزور ہے، اس سے بار بار غلطیاں ہو جاتی ہیں، اِس لیے ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی بُرائیوں سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں۔ بندہ جب اس کی طرف پلٹتا ہے اور نیک راہ پر چلنے کے لیے اس سے مدد مانگتا ہے تو وہ ضرور اس کی مدد فرماتا ہے۔ اس کی مدد کے بغیر کوئی شخص سیدھے راستے پر چل نہیں سکتا۔ لیکن اُس کی مدد حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے اندر سچّی خواہش ہو، اور ہم اس حد تک ضرور کوشش بھی کریں جہاں تک ہم کوشش کر سکتے ہیں، ایسے لوگ کبھی رَاہ سے نہیں بھٹکتے ـــــ رہے وہ لوگ جو اپنی طرف سے کوشش نہیں کرتے بلکہ غلط راستوں کی طرف قدم بڑھاتے رہتے ہیں، انھیں اللہ کی طرف سے کوئی مدد نہیں ملتی وہ

راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ اور پھر کسی کے بس میں نہیں رہتا کہ ایسے لوگوں کو سیدھے راستے پر لے آئیں۔

اَب خطبے کے دوسرے جملے کا مطلب سُنیئے! فرمایا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اور اِلٰہ نہیں ہے۔ اور میں اِس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں"۔

بزرگو! ہم سب جانتے ہیں کہ یہ جملہ تو ہمارے ایمان کی جڑ ہے۔ یہی تو وہ اقرار ہے جس نے ہمیں دُنیا کے تمام لوگوں سے ممتاز کر دیا ہے اور یہی تو وہ کلمہ ہے جس نے ہم سب کو آپس میں جوڑ کر بھائی بھائی بنا دیا ہے۔ اسی کلمے کی بنیاد پر تو اللہ کے بندے دو گروہوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک وہ جو اُسے مانتے ہیں۔ یہ سب آپس میں مسلمان بھائی ہیں۔ اور دوسرے وہ اُسے نہیں مانتے۔ اِس کلمے میں جس سچی بات کا اقرار کیا گیا ہے وہ دُنیا کی تمام باتوں میں سب سے زیادہ سچی بات ہے۔ اِس میں پہلی بات تو یہ کہی گئی ہے کہ یہ دُنیا نہ تو بغیر بنائے یوں ہی آپ سے آپ بن گئی ہے اور نہ اسے دس پانچ نے مل کر بنایا ہے بلکہ اس کا پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے، وہ اکیلا ہے وہی سب کا مالک ہے وہی آقا ہے۔ تنہا وہی اس لائق ہے کہ انسان اس کے آگے سر جھکائے۔ اسی کو اپنا معبود جانے اور اپنی ہر ضرورت کے لیے اسی کی طرف لپکے۔ دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اس مالک کائنات کی طرف سے تمام انسانوں کو اس کی مرضی بتانے اور اس کے احکام سے باخبر کرنے کے لیے سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ وہ اللہ کے رسُول ہیں، اُس کے بندے ہیں سب بندوں سے زیادہ افضل اور ساری مخلوقات میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہم سب آپؐ کو اللہ کا رسُول مانتے ہیں۔ آپؐ کے ہر قول کو اطاعت کے لائق جانتے ہیں اور اپنے دین اور دُنیا کے عام معاملات میں آپؐ کے علاوہ کسی کی رہنمائی اور سرداری قبول نہیں کرتے۔

بھائیو! ہم سب اسی سچی بات کے گواہ ہیں، اور ہر موقع پر ہم یہ یاد کر لیتے ہیں کہ دُنیا میں واقعی ہمارا مقام کیا ہے۔ چنانچہ اس نکاح کی محفل میں بھی ہم سب اپنی اِس پوزیشن کو یاد کر لیتے ہیں اور اپنے ایمانوں کو تازہ کر لیتے ہیں۔

خطبے کے اِس حصّے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی کچھ آیات تلاوت فرماتے

تھے۔ اُن میں سے ایک سورۂ نساء کی پہلی آیت ہے جس کا ترجمہ ہے "لوگو! اپنے رب کی ناراضی سے بچتے رہنا جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور ان دونوں کے ذریعہ بہت سے مرد و عورت دُنیا میں پھیلا دیئے۔ اور اس پالنے والے مالک کی ناراضی سے بچنے کی پُوری پوری کوشش کرتے رہنا جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے"۔

بھائیو! ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسان کو صحیح معنیٰ میں انسان بنانے کی اس کے سوا اور کوئی تدبیر ممکن ہی نہیں کہ اس کے دل میں یہ خیال بٹھا دیا جائے کہ اُسے ایک ایسے مالک اور آقا کی خوشنودی حاصل کرنا ہے جو اس کا سب سے بڑا مُحسن ہے اور کوئی ایسا کام نہیں کرنا ہے جو اس مالک کو ناخوش کرنے والا ہو۔ اسی کا نام تقویٰ ہے اور یہی تمام نیکیوں کی بنیاد ہے، تقویٰ کے بغیر جو کچھ کیا جاتا ہے اغراض اور مفادات کے تحت کیا جاتا ہے۔ اور دیر یا سویر ان کاموں کی قلعی کُھل کر رہتی ہے۔ اور آخرت میں تو سرے سے کسی ایسے کام کا کوئی اجر ممکن ہی نہیں جس کے پیچھے اللہ کی رضا اور اس کی اطاعت کے علاوہ کوئی اور جذبہ کام کر رہا ہو۔

اس زمین پر انسان نے اپنی زندگی کیسے شروع کی؟ اِس سوال کے جواب میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں۔ لیکن جو حقیقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتائی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت سے ایک انسان کو پیدا فرمایا۔ یہ انسان حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک عورت حضرت حوّا کو پیدا کیا اور پھر اُس جوڑے سے انسانی نسل پھیلی۔ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ اِس حقیقت کا ذکر فرما کر یہ بات ذہنوں میں بٹھانا چاہتا ہے کہ تمام انسان اصل کے اعتبار سے ایک ہیں۔ سب ایک دوسرے کے انسانی بھائی اور ایک دوسرے کا خون اور گوشت پوست ہیں۔ جب تک یہ حقیقت نظروں کے سامنے نہ رہے گی، نہ انسانوں کے باہمی تعلقات دُرست ہو سکتے ہیں اور نہ ایک دوسرے کی وہ حفاظت ہو سکتی ہے جو معاشرے کی اصلاح اور تعمیر کے لیے انتہائی ضروری ہے اس آیت کا آخری ٹکڑا خصوصیت سے توجہ کے قابل ہے فرمایا کہ "یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے"۔ یہی ایک تصور ہے جو انسان کو ہر حال میں صحیح راستے پر قایم رکھ سکتا ہے۔ نفس کی شرارتوں اور ہر قسم کے شیطانی پھندوں سے بچانے کے لیے بھی یہی یقین

کام دے سکتا ہے اور حق کی راہ پر چلتے ہوئے مصیبتوں اور آزمایشوں کو جھیلنے میں بھی اسی تصور سے قوت مل سکتی ہے۔

دوسری آیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر تلاوت فرماتے تھے اس کا ترجمہ یہ ہے "اے ایمان لانے والو! اللہ کے غضب سے بچنے کی پوری فکر رکھنا اور مرتے دم تک اللہ کی فرماں برداری اور وفاداری پر قایم رہنا۔" اس میں بھی تقویٰ پر قایم رہنے کی تاکید کی گئی ہے اور زندگی کے تمام مرحلوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری پر اور آخر دم تک اس کے وفادار غلام کی سی زندگی بسر کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ یہی بات مسلمان کے شایانِ شان ہے۔ اگر یہی کیفیت اس کے اندر پیدا نہ ہو تو پھر اس میں اور دوسرے کمانے اور کھانے والے انسانوں میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے۔ مسلم کا تو امتیاز ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کا وفادار ہے۔ اور اسی وفاداری کے بدلے میں اسے آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی اُمید ہے۔

آخری دو آیتوں کا ترجمہ یہ ہے کہ "اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرتے رہنا اور صحیح بات اپنی زبان سے کہنا تو اللہ تمہارے اعمال کو نیک بنائے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا اور جو لوگ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت و فرماں برداری کریں گے وہ بڑی کامیابی پائیں گے۔

بھائیو! مُومن کی بنیادی صفت یہی ہے کہ وہ کبھی کوئی غلط بات منھ سے نہیں نکالتا اور اگر کبھی ایسی غلطی ہو جائے تو وہ فوراً محسوس کرلیتا ہے، اور توبہ کرتا ہے۔ جو لوگ اس طرح اپنی زبان کی حفاظت کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اُن کے دوسرے اعمال بھی دُرست ہو جاتے ہیں، اور صحیح بات منھ سے نکالنے والے کی زندگی عام طور پر ٹھیک ہی ہو جاتی ہے ایسے شخص سے اگر اتفاقاً کچھ غلطیاں ہو بھی جائیں تو توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرما دیتا ہے۔ اِسلامی زندگی گزارنے کے لیے ہر مُومن کو یہ بنیادی بات اپنے سامنے رکھنا چاہیے کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے اور وہ کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتی جب تک زندگی کے تمام کاموں میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت نہ کی جائے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ مُومن کو دُنیا میں بھی سکون اور اطمینان عطا فرماتا ہے۔ اور اسی سے آخرت بھی کامیاب ہوتی ہے۔

خطبے کے آخر میں ایک حدیث بھی پیش کی گئی ہے جس کا ترجمہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ نکاح کرنا میری ایک سُنت ہے، تو جو کوئی میرے اس طریقے کو ناپسند کرتا ہے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ حدیث اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ اِسلام کی نظر میں بے نکاح رہنا پسندیدہ نہیں۔ چاہے اس طرح تجرد کی زندگی بسر کرنا اُن کی نظر میں کوئی نیکی کا کام ہو۔ جیسے کہ بہت سے سنیاسی اور راہب سوچتے ہیں۔ یا وہ اس لیے نکاح سے بچتے ہوں کہ خواہ مخواہ کی ذمے داری اور جھنجھٹ کون مول لے، یا ان کی نظر میں مُلک کی آبادی کو محدود رکھنے کے لیے ایسا کرنا کوئی بھلا کام بن گیا ہو۔ اِسلام لوگوں کو بے راہ روی سے بچانے کے لیے اور معاشرے کے اخلاق کو باقی رکھنے کے لیے نکاح کی تاکید کرتا ہے۔ اور رزق کی تنگی کے خوف کو یہ بتا کر بے بنیاد قرار دیتا ہے کہ اصل رزاق اللہ تعالےٰ ہے۔ وہ تم کو بھی کھلاتا ہے، اور آنے والی نسلوں کو بھی کھلائے گا۔

بھائیو! یہ ہے مختصر سی تشریح اِس خطبے کی جو نکاح کے وقت پڑھا جاتا ہے۔ نکاح صرف ایک خوشی کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک معاہدہ ہے جو ایک مَرد اور ایک عورت کے درمیان طے پاتا ہے کہ ہم دونوں زندگی بھر کے ساتھی اور مددگار بن گئے۔ اس معاہدے کے وقت خدا اور خلق دونوں کو گواہ بنایا جاتا ہے اور خطبہ میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ صاف صاف اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اگر اس معاہدے میں شوہر یا بیوی کی طرف سے کوئی خرابی پیدا ہو گئی اور اسے ٹھیک ٹھیک نہ نبھایا گیا تو یہ بات اللہ تعالیٰ کی ناخوشی کا باعث ہو گی اور اس کا بُرا انجام آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی میں بھگتنا پڑے گا۔ آپ نے محسوس فرمایا ہو گا کہ پُورے خطبے میں جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ تقویٰ کا اہتمام ہے۔ بار بار تاکید کی گئی ہے کہ لوگو! ایسی باتوں سے بچو جو اللہ کی ناراضی اور غصّے کا سبب ہوتی ہیں۔

بزرگو! اور بھائیو! ہمیں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا چاہیے کہ وہ اِس نئے جوڑے کے درمیان محبت اور اُلفت پیدا فرمائے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے حقوق کی پاس داری کرے اور ان سے جو نسل وجود میں آئے وہ اللہ کے راستے پر چلنے والی اور اس کے دین کو سربلند کرنے والی ہو۔ اور ہم سب کو بھی توفیق عطا فرمائے کہ ہماری زندگی کی جو مہلت باقی ہے۔ وہ اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں بسر ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور ہمیں موت آئے تو اس حال میں آئے کہ ہم اُس کے فرماں بردار اور وفادار کی حیثیت سے اس دنیا سے جائیں اور

سب اس کے حضور سُرخروئی حاصل کریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

خطبہ ثانی (۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ۔ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ وَعَلٰی اَصْحٰبِہِ السّٰبِقِیْنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ خُصُوْصًا عَلَی الْخُلَفَاءِ الرّٰشِدِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ۔ بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاجْعَلْنَا مِنْھُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّلَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ عِبَادَ اللّٰہِ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔ وَاذْکُرُوْہُ یَذْکُرْکُمْ وَادْعُوْہُ یَسْتَجِبْ لَکُمْ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَوْلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَھَمُّ وَاَتَمُّ وَاَکْبَرُ۔

خطبہ ثانی (۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَشْرَفِ رُسُلِ اللّٰہِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰی وَصَامَ۔ وَصَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ قَعَدَ وَقَامَ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلَی الْمَلٰئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ۔ خُصُوْصًا عَلٰی خُلَفَائِہِ الرّٰشِدِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ وَاَصْحٰبِہِ الْمُکَرَّمِیْنَ وَعَلٰی مَنْ تَبِعَھُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ۔ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہٗ۔ عِبَادَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ

وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ وَاذْكُرُوا اللهَ يَذْكُرْكُمْ وَادْعُوْهُ يَسْتَجِبْ لَكُمْ وَلَذِكْرُ اللهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَاَوْلٰى وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَهَمُّ وَاَكْبَرُ۔

خطبہ ثانی (۳)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ۔ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ عَدَدَ مَعْلُوْمَاتِكَ ۔ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحٰبِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاَوْلَادِهٖ وَاَحْفَادِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔ خُصُوْصًا عَلٰى اَفْضَلِ النَّاسِ بَعْدَ النَّبِيّٖنَ ۔ اَبِيْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ وَعُمَرَ الْفَارُوْقِ وَعُثْمَانَ ذِي النُّوْرَيْنِ وَعَلِيِّ نِ الْمُرْتَضٰى وَالْحَسَنَيْنِ ۔ وَعَلٰى سَيِّدَةِ النِّسَاءِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ وَعَلٰى عَمَّيْهِ الْكَرِيْمَيْنِ ۔ وَعَلٰى كُلِّ مَنِ اخْتَارَهُ اللهُ بِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ بِالْاِيْمَانِ ۔ عِبَادَ اللهِ ۔ اِنَّ اللهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۔ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ وَلَذِكْرُ اللهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَاَوْلٰى وَ اَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَهَمُّ وَاَتَمُّ وَاَكْبَرُ۔

الْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

(مسلمانو!) اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لئے (اسی) دین اسلام کو پسند فرمایا

الحقوق والفرائض

حصّہ اوّل / حصّہ دوم / حصّہ سوم

مصنّفہ

فاضلِ اجلّ جناب شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی
دامت برکاتہم مترجم القرآن

ناشر فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ اردو بازار، کراچی

نوائے مشرق

علامہ اقبالؒ
اور
مولانا مودودیؒ
کا
ایک تقابلی مطالعہ

ناشر:
فضلی سنز لمیٹڈ
اردو بازار۔کراچی

تاریخ دعوت و جہاد

(برّ صغیر کے تناظر میں)

مصنّف

عبید اللہ فہد فلاحی

ناشر:

فضلی سنز لمیٹڈ

اردو بازار۔ کراچی

اور نفس کی معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک قرآن مجید میں تدبّر و تفکر نہ کیا جائے۔ (الحدیث)

تذکیر القرآن

حصّہ اوّل

(سورۃ فاتحہ ، سورۃ بنی اسرائیل)

تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے یعنی قرآن کی اصل دعوت کو مختصر جامع انداز میں اُجاگر کرتے ہوئے جدید فکری گمراہیوں کے مقابلہ میں تعلیماتِ ربّانی کی دلنشیں تشریح کی گئی ہے۔